

روسیں جو دیکھی گئیں



اسام راہی ایم اے

18 جولائی 1976ء کی وہ تاریک رات تھی کراچی کی ایک نیم تاریک سڑک پر سفید رنگ کی ایک کار درمیانی رفتار سے مسافتوں کو سمیٹتی جا رہی تھی۔ رات اس وقت کافی جا چکی تھی ہر شے اپنی حصار ذات کے حجرے۔ اپنی تحیر کے آسمان میں چپ اور خاموش تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حسن کے نگار خانوں میں ہر شے ہر چیز جنس لمحوں کا شکار اور قید ہو کر رہ گئی ہو۔ خاموشی کے اس ساگر میں جب وہ کار بجلی کے ایک ایسے کھمبے کے قریب آئی جس کا روشنی کا بلب ٹوٹا ہوا تھا اور وہاں قدرے تاریکی تھی چار والے نے اپنی کار کو روک لیا اس لیے کہ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر رات کی تاریکی میں ہیولہ نما ایک لڑکی کھڑی تھی اس نے نیلے رنگ کی سادھی باندھ رکھی تھی۔ اور کار کو روکنے کے لیے اس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تھا۔

جب وہ لڑکی قریب آئی تو کار کے مالک نے دیکھا لڑکی طلسمی تابکاری اور فتنہ بے محابا جیسی کشش رکھتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایسی روشنی ایسی چمک تھی جو صدیوں کی رفتار روک کر رگ و پے میں عیوست اور سانسوں میں لرزاں ہو کر رہ جائے۔ فٹ پاتھ پر پھیلی تاریکی سے نکل کر وہ جب کار کے قریب روشنی میں آئی تو اس کی خوبصورتی اس کی کشش کی وجہ سے ایسا لگا جیسے سرسراتی آندھیوں میں اور چو نکتی سیاہ رات کے اندر تاریکیوں کی چادر پھاڑ کر اچانک چاند نمودار ہوا ہو۔ روشنی میں آنے

کے بعد اس کے خدوخال صاف طور پر دکھائی دیے تھے۔ اس کے سگتے چہرے کے کرب میں سوخت فکری رکھ بکھری ہوئی تھی۔ اور اس کی حدنگاہ تک پھیلے سسنان صحرا جیسی آنکھوں میں اس وقت نہ منزل تھی نہ کوئی راستہ۔

کار چلانے والا اسے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں عیاری اور شرارت رقص کر گئی تھی۔ لگتا تھا وہ اس لڑکی کو پہلے سے جانتا اور پہچانتا تھا۔ لڑکی جب دروازے کے قریب آئی تو اس نے قسم کی آواز میں اسے مخاطب کر کے پیار بھرے انداز اور خواہشوں کی طلب اوڑھے لہجے میں اس سے پوچھا۔

کہاں جاؤ گی

لڑکی نے منہ سے تو کچھ نہ کہا تاہم ہاتھ کے اشارے سے اس نے سڑک کے آگے اشارہ کر دیا تھا۔ پھر وہ کار کا دروازہ کھول کر ایسے کار کی اگلی نشست پر بیٹھی تھی جیسے خواب اوڑھے کوئی خدا اور مسافک لمحہ اچانک کار میں گھس آیا ہو۔

کار چلانے والا سیدھے خوش اور مطمئن تھا اس لیے کہ یہ بات اس کے لیے اطمینان اور آسودگی کا باعث تھی کہ وہ لڑکی جسے وہ پسند کرتا تھا جسے وہ چاہتا تھا خود ہی اس کی کار کو روک کر اس کے پہلو میں نشست پر آ بیٹھی تھی۔ اس طرح وہ مستقبل کے اچانے اور نا آشنا سے خیالوں میں کھو گیا تھا۔ پرتھوڑا سا آگے جا کر کار چلانے والے کی حالت موت کے کاروانوں میں پاشکت بھگتے ہر اس مسافر جیسی ہو کر رہ گئی تھی اس کی آنکھوں میں پرانی چاہتوں اور قدیم بھتوں کی جگہ اب اپنی دھن میں لپٹتے کاسنہ حیات توڑتے موت کے انگشت ہوئے اپنا دھو پانگتے تھے۔

اس لیے کہ جس لڑکی کو تھوڑا سا فاصلہ پیچھے گاڑی روک کر اس نے اپنی اگلی نشست پر بٹھایا تھا وہی لڑکی نیلی ساڑھی میں طبوس بھٹی کے ایک پول کے قریب ہاتھ کھڑا کر کے اسے روکنے کا اشارہ دے رہی تھی۔ کار چلانے والے نے جب گھبرا کر اپنے پہلو میں بیٹھی لڑکی کی طرف دیکھا تو وہ دنگ رہ گیا اس لیے کہ نشست خالی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے کار چلانے والا ایسا بدحواس ایسا خوفزدہ ہوا تھا کہ وہ فٹ پاتھ پر کھڑی ہاتھ ہراتی ہوئی لڑکی کے لیے کار روکنے کے لیے پاؤں بریک پر رکھنے کے

بجائے اس کا پاؤں پورے۔۔۔ ایک سیلنڈر طرف چلا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ گاڑی کو اپنے کنٹرول اپنی گرفت میں نہ رکھ سکا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گاڑی بھٹی کے اس کھجے سے بری طرح ٹکرائی تھی جس کے قریب کورے ہو کر لڑکی بے ہوش ہوا کرتے ہوئے کار کو روکنے کا اشارہ کیا تھا۔ کار چلانے والا اس ایکسپنڈنٹ کے نتیجے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ نیلی ساڑھی میں طبوس وہ حسین و خوبصورت لڑکی جس نے ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کار کو روکا تھا کھوں کے اندر فٹ پاتھ سے غائب ہو گئی تھی۔

نیلی ساڑھی میں طبوس اس خوبصورت اور حسین لڑکی کا نام ظاہر تھا اور وہ بالکل ایک سال پہلے سترہ اور اٹھارہ جولائی کی درمیانی شب کو بھٹی کے اسی پول کے ساتھ کار ٹکرائے کے حادثے میں ہلاک ہو گئی تھی۔

کہتے ہیں وہ لڑکی جس کا نام ظاہر تھا اسے وہ شخص پسند کرتا تھا جو کار کے اس حادثے میں لڑکی کے ہاتھ کھڑا کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوا۔ کہتے ہیں وہ کراچی کا ایک صنعتکار تھا اور ظاہر نام کی اس لڑکی کو پسند کرتا تھا۔ لڑکی اس کی طرف مائل نہیں تھی لیکن وہ ہر صورت میں اس لڑکی کو حاصل کرنے کے دوپٹے تھا۔ اس کے لیے اس نے ایک سازش تیار کی۔

لڑکی کا بھائی اکثر و بیشتر روڈ نام کے ایک کار کینیک سے اپنی کار ٹھیک کر وایا کرتا تھا۔ اس صنعتکار نے روڈ نامی کینیک سے ساز باز کی۔ کینیک نے صنعتکار کے کہنے پر ظاہر نام کی لڑکی کے بھائی کی کار میں فنی خرابی پیدا کر دی جسکے نتیجے میں ایک رات جبکہ ظاہر اور اس کا بھائی دونوں کار میں رات کے وقت سفر کر رہے تھے۔ تو بھٹی کے جس کھجے سے ٹکرا کر صنعتکار ہلاک ہوا تھا اسی کھجے سے ظاہر اور اس کے بھائی کی کار ٹکرائی تھی جس کے نتیجے میں دونوں بہن بھائی ہلاک ہو کر رہ گئے تھے۔

کہتے ہیں اس صنعتکار نے روڈ نامی کینیک کے ساتھ مل کر ظاہر اور اس کے بھائی کی کار میں اس لیے فنی نقص پیدا کیا تھا کہ جب سڑک پر ظاہر کا بھائی حادثے کا شکار ہو گا تو وہ صورتوں میں سے ایک صورت نمودار ہو گی۔ اول یہ کہ ظاہر کا بھائی ہلاک ہو جائے گا۔ ظاہر ایکلی رہ جائے گی۔ اس کے بعد اسے اپنی مرضی کے مطابق چلانا اس کے لیے سہل اور آسان ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ بھی لکل سکتی تھی۔ کہ اس حادثے کے نتیجے میں طاہرہ کا بھائی بری طرح زخمی ہوتا ابا بچ ہو جاتا یا اسے ایسا روگ لگ جاتا کہ وہ معمول کے مطابق زندگی بسر نہ کر سکتا ایسی صورت میں بھی وہ طاہرہ سے ہمدردی جتاتے ہوئے اس کی محبت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ لیکن مقدر قسمت اور فطرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس حادثے کے نتیجے میں طاہرہ اور اس کا بھائی دونوں ہلاک ہو گئے۔ اب ٹھیک ایک سال بعد جس طرح 17 اور 18 جولائی کی درمیانی رات کو طاہرہ اور اس کا بھائی بھلی کے گھبے سے کار نکرانے کے باعث ہلاک ہوئے تھے بالکل دلیسے ہی وہ صحنکار جس نے رووف نالی میکینک کے ساتھ مل کر طاہرہ اور اس کے بھائی کے خلاف سازش تیار کی تھی وہ بھی 17 اور 18 جولائی کی درمیانی شب کو اپنی کار کے بھلی کے اسی گھبے کے ساتھ نکرانے کے باعث ہلاک ہو گیا تھا۔

طاہرہ اور اس کے بھائی کو ہلاک کرنے میں تین اشخاص کی سازش شامل تھی ایک صحنکار جس کا خاتمہ ہو گیا تھا دوسرا کار میکینک رووف میاں اور تیسرا ایک پولیس آفیسر تھا جو کسٹم ڈیوٹی پر متعین تھا اس نے بھی صحنکار اور میکینک رووف کے ساتھ مل کر طاہرہ کو حاصل کرنے کے لیے اس کے بھائی کا خاتمہ کرنے کی سازش میں شرکت کی تھی۔ میکینک رووف نے چونکہ کار کی بریکوں میں نقص ڈالا تھا جس کے باعث طاہرہ کے بھائی کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوا اور دونوں بہن بھائی ہلاک ہو گئے تھے۔ طاہرہ کی روح نے اپنے حادثے کے عین ایک۔ ال بعد اسی شب اسی جگہ صحنکار کی کار کو بھلی کے گھبے کے ساتھ کار کے نکرانے کا اہتمام کیا اور اسے ختم کر کے رکھ دیا۔

اس موقع پر جو پولیس والے گشت پر تھے ان کا کہنا تھا کہ مذکورہ صحنکار کافی رات گئے نائٹ کلب کا آخری شو دیکھنے کے بعد لوٹ رہا تھا گشت کے پولیس والوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ جس وقت وہ کار میں جا رہا تھا تو اس کے ساتھ ٹیلی ساڑھی میں ایک لڑکی بھی تھی۔ جبکہ بھلی کے جس پول کے پاس حادثہ ہوا تھا اس پول کے پاس کار کو اشارہ دیکر روکنے والی لڑکی بھی ٹیلی ساڑھی ہی میں تھی۔ یوں طاہرہ کی روح نے اپنی موت کے صرف ایک سال بعد جس رات اور جس جگہ وہ خود ختم ہوئی تھی اسی جگہ اسی رات صحنکار کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ اب باقی اس کے دو دشمن رہ گئے تھے۔ ایک

عبدالرووف نام کا موٹر کینک جس نے اس کے بھائی کی کار کی بریکیں خراب کیں تھیں دوسرا کسٹم کے گھبے میں کام کرنے والا پولیس آفیسر جو اس سازش میں شریک کار تھا۔ ٹھیک ایک سال بعد 17 اور 18 جولائی کی درمیانی شب کو موٹر کینک عبدالرووف اسی سڑک پر جا رہا تھا جس سڑک پر طاہرہ اور اس کے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کے بعد جس سڑک پر صحنکار اپنے انجام کو پہنچا تھا گھبے میں عبدالرووف اس روز اپنے دو کشاپ میں درجک کام کرتا رہا تھا۔ اور دو کشاپ سے اٹھ کر وہ اس وقت گھر جا رہا تھا۔

رات اس وقت کافی جا چکی تھی۔ چاروں طرف دشت کی بے چارگی جیسی خاموشی تھی۔ گتا تھا زندگی صحرائی آوار گروں میں کھو گئی ہو۔ رات لمحوں کی زنجیروں میں بکڑی دراز ہو چکی تھی۔ چاروں طرف بے انت خاموشی کا سمندر تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بستیوں بھجور بھجور۔ آبادیاں گنماں بیٹے لمحوں میں کھو گئی ہوں۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ بزم آلودہ زیست کی راہیں رزم آلودہ گمشدہ بہروں میں ڈوب چکی تھیں۔ اور بھلی کے جس گھبے کے پاس طاہرہ اور اس کے بھائی کا حادثہ ہوا تھا بھلی کے جس گھبے سے نکرانے سے صحنکار مارا جا چکا تھا بالکل بھلی کے اسی گھبے کے قریب جس وقت عبدالرووف اپنے اسکوٹر کو بھگتا ہوا پہنچا تو خٹ ہاتھ پر نیلی ساڑھی میں ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ یہ طاہرہ یعنی اس کی روح ہی تھی جو نبی عبدالرووف وہاں پہنچا نیلی ساڑھی میں بلوس اس لڑکی نے ہاتھ کھوا کر کے اسے روکا۔

اس لمحہ عبدالرووف کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ بھلی کے اسی گھبے کے پاس اس سے پہلے طاہرہ اور اس کا بھائی مارے جا چکے ہیں۔ اسی گھبے کے پاس اس کا جاننے والا صحنکار اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ گتا تھا عبدالرووف کے شعور اور لاشعور دونوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جو نبی اس لڑکی نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تھا عبدالرووف نے اپنے اسکوٹر کو روک دیا۔

عبدالرووف نے یہی خیال کیا کہ کافی رات گئے لڑکی کو کوئی سواری نہیں مل رہی ہو گی ہلدا وہی کہے گی کہ اسے آگے کہیں اتار دیا جائے۔ لڑکی قریب آئی اشارے سے اس نے لفٹ مانگی اور آگے جانے کے لیے کہا۔ ہاتھ کے اشارے سے عبدالرووف

کے جلسے والوں نے اس کا مذاق اور ٹھٹھہ اڑایا۔ پر حیرت کی بات یہ کہ جس روز یہ حادثہ پیش آیا تھا اس کے تیسرے روز عین 22 جولائی کو عبدالرؤف اس جہان ثانی سے کوٹھ کر گیا۔ عبدالرؤف کے حستقلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حادثے کے بعد وہ سمندر کے کنارے نہانے گیا کسی ان دیکھی قوت نے اسے پکڑ کر سمندر میں ایسا ڈبو یا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا پھر جب لوگوں نے پکڑ کر اسے باہر نکالا تو ایسے بخار ہو گیا اسی بخار کی حالت میں کہتے ہیں وہ اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

ظاہرہ اور اس کے بھائی خلاف سازش میں شریک دوکا خاتمر کر دیا گیا تھا۔ باقی تیسرا سازشی رہ گیا تھا۔ اور وہ پولیس آفیسر تھا جو کسم ڈیپارٹمنٹ سے منسلک تھا اس سے اگلے سال ٹھیک 17 اور 18 جولائی کو وہ پولیس آفیسر رات گئے اسی سڑک پر جا رہا تھا اسی کھجے کے پاس نیلی سلاخی میں ملبوس اس لڑکی نے ہاتھ دیکر اس پولیس آفیسر کو روکا۔ حیرت کی بات ہے اس سے پہلے اسی سڑک پر پہلی کے اسی کھجے کے پاس تین حادثات ہو چکے تھے۔ پر جس وقت نیلی سلاخی میں ملبوس لڑکی نے پولیس آفیسر کی کار کو اشارہ دیتے ہوئے روکا تو وہ بغیر کسی ہمت بغیر کسی توقف کے رک گیا کار اس نے عین لڑکی کے سامنے لاکھڑی کی تھی ایسا لگتا تھا پولیس آفیسر کا شعور و لاشعور بھی مجبور ہو کر رہ گئے ہوں۔ لڑکی کا رے قریب آئی اور دس رسائی آواز میں اس سے نفٹ مانگی اور اسے یہ بھی بتایا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے اس پولیس آفیسر نے پھلکی نفست پر بٹختاے ہوئے لڑکی کو نفٹ دی کار کو اس نے اسطارت کر دیا تھا۔

وہ پولیس آفیسر اسے اس آبادی کی طرف لے گیا جس کی نشاندہی اس لڑکی نے کی تھی۔ پھر ایک بڑی سی عمارت کے سامنے اس لڑکی نے اس آفیسر کو رکنے کے لیے کہا۔ اس نے لڑکی کے کہنے پر گاڑی روک دی لیکن پولیس آفیسر بھی عبدالرؤف ن طرف خوفزدہ اور وحشت سے بھر گیا تھا اس لیے کہ کار سے چند قدم ہی آگے جا کر وہ لڑکی فضاؤں میں دھوئیں اور کہر کی طرح تحلیل ہو کر رہ گئی تھی۔

اس حادثے کے ٹھیک تین روز بعد وہ پولیس آفیسر منشیات کا کاروبار کرنے دانے لوگوں کے ساتھ ٹکراؤ کے نتیجے میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے جسم پر گولی لگی تھی جس نے اس کی زندگی کا کام تمام کر دیا۔

نے اسے اپنے بچے بیٹھ جانے کے لیے کہا۔ لڑکی جس وقت قریب آئی تھی تو عبدالرؤف نے اندھیرے کے بادخود دیکھا وہ درپانی لہروں کی حیرت۔ اگلے سنہری خوابوں کی طرح اس کے اکوڑ کے قریب آئی تھی۔ اس کی چال اس کے آگے بڑھنے کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ دیر خواب کی گلیوں میں بھڑکے عروق پھٹتے پھٹتے اچانک اس سڑک پر آ نکلی ہو۔

جب وہ عبدالرؤف کے اکوڑ کے قریب آئی عبدالرؤف نے محسوس کیا اس کے گلاب بدن اس کے منہ اور بازوؤں کی جمائیاتی آواؤں میں ایک انوکھی ایک نرمی کی حیرت و کشش کی ہر اور گئے زمانوں کی ایک ناآشنا خوشبو تھی۔ اس کی خوش رنگہوں میں شفاف موتیوں سنہرے خوابوں اور ریلی جمواروں سی محبت کا ایک ایسا غمار تھا جو یقیناً اس کے لیے نیا اور انوکھا تھا۔

عبدالرؤف تو لڑکی سے ایسا ساثر ایسا بے بس سا ہوا کہ لڑتی ہوئی آواز میں اس نے اسے مخاطب کیا۔ اور اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جائے گی۔ لڑکی نے جواب میں ہاتھ کے اشارے سے اسے یہ عندیہ دے دیا تھا کہ وہ آگے جانا چاہتی ہے اس کے ساتھ ہی لڑکی اس کے اکوڑ پر پھلکی نفست پر بیٹھ چکی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے عبدالرؤف نے اکوڑ سٹارٹ کرتے ہوئے ایکسپلرڈ گھما دیا تھا۔ اکوڑ پھر پہلے کی طرح سڑک پر بھاگنے لگی تھی۔

ایک کافی بڑے مکان کے سامنے پھلکی نفست پر بیٹھی ہوئی لڑکی نے عبدالرؤف کو گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ اور ہر مزید کچھ کہے بغیر وہ سامنے دکھائی دیتے مکان کی طرف بڑھی تھی اس نے عبدالرؤف کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ لگتا تھا اچانک وہ عذاب بے نوائی دشت غم میں کسی بیس کے دامن کی طرح بکھر کر رہ گیا ہو اس لیے کہ اس نے دیکھا کہ لڑکی جھڑی قدم آگے کی ہو گی کہ اچانک وہ کسی بیوے کسی سامنے کی طرح اس کی نظروں سے اٹھل ہو گئی تھی۔

یہ صورت حال عبدالرؤف کے لیے یقیناً ناقابل برداشت تھی اگلے روز جب وہ اپنے درکشپ گیا تو اس حادثے کا ذکر اس نے اپنے سارے ساتھیوں سے کیا لیکن کسی نے بھی اس کی اس بات پر اعتبار نہ کیا۔ بلکہ ان اس کے رفیقوں اس کے دوستوں اس

یوں ظاہر کی روح نے ان تینوں سازشیوں سے اپنا انتقام لیا جو اس کی او اس کے بھائی کی موت کا باعث بنے تھے۔ ان واقعات کے بعد کافی عرصے تک کراچی کے لوگوں میں ایک خوف و ہراس پھیلا رہا۔ اور رات کو اپنے گھروں کی طرف جانے والے لوگ بجلی کے کھمبے یا سڑک کے کنارے اپنی گاڑیاں روکنے سے گریز کرنے لگے تھے۔

جس واقعہ کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس کا تعلق پنجاب کے ضلع گجرات کی بستی سے ہے یہ بستی اسی شاہراہ کے قریب تھی جس شاہراہ پر شہنشاہ جہانگیر لاہور سے گزر جایا کرتا تھا۔ چند دن قبل اس بستی میں احمد نام کا ایک جوان داخل ہوا۔ یہ 1941ء کا واقعہ ہے اس وقت جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی اور احمد نام کا یہ جوان گجرات کی فوج سے فارغ ہوا تھا۔ جس بستی میں وہ آیا تھا وہ بستی اس کے ماموں کی تھی اور وہ اپنے ماموں سے ملنے۔ کے لیے وہاں آیا ہوا تھا۔

اپنی آمد کے چند روز بعد ایک دن احمد آدمی رات کے قریب رفع حاجت کے لیے بستی سے باہر نکلا۔ ان دنوں بستی میں غسل خانوں اور باغیچہ روم' کوئی رول نہ تھا در ضروریات کے لیے لوگ بستی کے باہر کھیتوں یا نشیبی زمین ہی پر طرف ہتے تھے

جس بستی کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے وہ بستی ایک برساتی نالے کے قریب تھی برساتی نالے اور اس کے درمیان ایک بہت بڑا بند تھا اس لیے کہ برسات کے موسم میں اس نالے میں دریاؤں جیسی طغیانی آتی تھی۔ اور اس بند کی وجہ سے وہ بستی اور اس کے کچھے اور دائیں بائیں جتنی برستیاں تھیں وہ اس بند کی وجہ سے محفوظ رہتی تھیں۔ بالکل برساتی نالے کے قریب تھا اور برساتی نالے کے اس پار ایک بہت بڑا ڈھیر

وقت تک وہ ہمیں بیٹھا رہا۔ گو اس واقعہ کو اس نے اپنا خام خیال اور قریب اور سراب سمجھ کر فراموش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے دل میں ایک کریدنی ایک جھٹکے ایک کوچہ سا سرحد لگ گیا تھا۔ اس نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر بھی نہیں کیا اس خدشے کے حمت کے لوگ اسکا ٹھنڈ اور مذاق اڑائیں گے۔

لیکن چھوٹی یوم تک یہ حادثہ احمد کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا اس لیے کہ آنے والے دنوں میں اس نے وہ تین بار مزید ہیولے کو کبھی قبرستان سے نکل کر پرائمری اسکول کی عمارت کبھی ہستی کے دائیں جانب بوسیدہ حویلی اور کبھی قبرستان سے نکل کر بند پر چڑھنے اور پھر آگے بڑھ کر برساتی نالے کو عبور کرتے ہوئے بڑے جنگل اور ذخیرے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

یہ واقعات اور حادثات جب اس نے نگاہ دیکھے تب حادثے کا ذکر اس نے اپنے ماموں سے کیا۔ احمد دنگ رہ گیا کہ اس واقعے اس حادثے کو سکر اس کا ماموں کسی حیرت کسی جھٹکے کسی پریشانی میں نہیں پڑا تھا بلکہ مسکرا دیا تھا۔ پھر اس نے احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میرے بیٹے جس واقعہ جس حادثے کا تم ذکر کر رہے ہو اس سے اس ہستی کے لوگ خوب آشنا اور اس سے واقف ہو چکے ہیں۔ یہ ہیولا ہے روشی محمد ایک ایسے شخص کی روح ہے جس کا تعلق اسی ہستی سے تھا اور یہ روح اگر ہر روز نہیں تو دوسرے تیسرے روز قبرستان سے نکل کر کبھی حویلی کی طرف جاتی ہے کبھی پرائمری اسکول کی عمارت کبھی برساتی نالے کو عبور کرنے کے بعد اس پار جنگل کی طرف جاتی ہے۔ پہلے لوگ اسے دیکھ کر بڑے پریشانی اور خوفزدہ ہوتے تھے لیکن اب ان کی ایسی کیفیت نہیں ہوتی۔ وہ اس روح سے ششما ہو چکے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ وہ روح ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ رات کی تاریکی میں ہماری ہی ہستی نہیں آس پاس کی ہستی کے لوگ بھی جب اسے دیکھتے ہیں تو وہ کسی خوفزدگی کا شکار نہیں ہوتے وہ اسے معقول کا واقعہ سمجھ کر گزر جاتے ہیں۔ فراموش کر دیتے ہیں۔

اپنے ماموں کے ان اعترافات پر احمد مزید جھٹکے اور کریدنی میں پڑ گیا تھا۔ اس

اور جنگل تھا جس نے اس برساتی نالے کو کناروں سے باہر پھیلنے سے روک رکھا تھا۔ برساتی نالے کے بندے کے اس طرف یعنی ہستی کی جانب ایک کافی بڑا قبرستان تھا جس میں کچی پکی دونوں طرح کی قبریں تھیں۔ اور قبرستان کے ایک طرف پرائی بوسیدہ اور اجڑی ہوئی کوئی حویلی تھی اور دائیں جانب پرائمری اسکول کی ایک کافی بڑی عمارت تھی۔

روح حاجت سے فارغ ہونے کے بعد احمد جب ہستی کی طرف پلٹنے لگا تو حیران رہ گیا اس لیے کہ قبرستان کے اندر سے ایک ہیولا نکل کر قبرستان کے پہلو میں جو دروازہ حویلی اور عمارت تھی۔ اس کی طرف بڑھا تھا احمد نے دیکھا وہ ہیولا چاندنی کی طرح روشن تھا اس کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی لالٹین تھی اور دوسرے کندھے پر پھیک مانگنے والا ایک کشتکول تھا۔ احمد جو جنگ عظیم میں استہادہ کے خونی مناظر دیکھ چکا تھا اس منظر کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کے جسم پر ایک لرزہ اور کچھ طاری ہو گئی تھی۔ وہ سہم سا گیا تھا۔ جہاں وہ کھڑا تھا وہیں پیٹھ پر ایک اور جو روشن ہیولا قبرستان سے نکلا تھا اسے بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ پیٹھ جانے سے اس کا یہ بھی مقصد تھا کہ کہیں ہیولے کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ اور اسے نقصان نہ پہنچائے۔

قبرستان سے نکل کر ہیولے نے دروازہ عمارت کا رخ کیا تھا اور اس عمارت کی طرف جانے کے لیے ہیولے کو احمد کے قریب ہی سے گزر کر جانا تھا۔ جوں جوں وہ ہیولا قریب آ رہا تھا احمد نے دم سادھنا شروع کر دیا تھا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہیولا احمد کے پاس سے گزرا۔ بالکل روشن تھا جیسے چاند کی تنویروں کو کسی نے تجسیم دیدی ہو۔ جو اس کے ہاتھ میں لالٹین تھی وہ ہلکی جا رہی تھی۔ چاندنی رات میں احمد نے دیکھا نہ اس ہیولے کا کوئی سایہ تھا نہ اس ہیولے نے ہاتھ میں جولا لٹین بکڑی ہوئی تھی وہ کسی چیز کے سائے کو اجاگر کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ ہیولا اپنے ہاتھ میں لالٹین لیے احمد کے سلسلے قریب ہی سے گزر کر دائیں جانب جو دروازہ حویلی تھی اس کی طرف گلا گیا تھا۔

اپنے ماموں کی اس ہستی میں احمد کے لیے یہ پہلا مافوق انظہر واقعہ تھا اس نے اسے اپنی بصارت کا دھوکہ اور قریب قرار دیا۔ تاہم وہ ایک الجھن جھٹکے اور پریشانی میں پڑ گیا تھا۔ جب تک وہ ہیولا قبرستان سے نکل کر پرائی حویلی میں ٹھس نہیں گیا اس

نے اپنے ماموں سے التجا کی کہ وہ اس شخص کے حالات تفصیل سے سنائے جس کی روح قبرستان سے نکل کر مختلف سمتوں کا راستہ کے وقت رخ کرتی ہے۔ احمد کے اس سوال پر اس کا ماموں ہنس کر کہنے لگا۔

دیکھ میرے بیٹے۔ یہ جو شخص اس بستی کا رہنے والا تھا بعد میں مر گیا اور جس کی روح ادھر ادھر بھٹکتی رہتی ہے اس کے حالات قبرستان کا گورکن مجھے بہترین انداز میں سنائے گا۔ اس لیے کہ وہ گورکن اس شخص کا بہترین دوست تھا۔ جس کی یہ روح بھٹکتی پھرتی ہے یہ دونوں اکٹھے ہی رہتے تھے تم کسی وقت گورکن کے پاس چلے جانا وہ قبرستان ہی میں رہتا ہے۔ اس کا نام رمضان ہے میرا نام لینا تجھے وہ سارے واقعات تفصیل سے سنائے گا میرے خیال میں اس کے بعد تم مطمئن ہو جاؤ گے۔

اپنے ماموں کا یہ جواب سن کر احمد نے اسی روز قبرستان کے گورکن رمضان کے پاس جانے اور اس سے اصل واقعات جاننے کا تہیہ کر لیا تھا۔ لہذا اپنے ماموں کے ساتھ گنگو سے فارغ ہونے کے بعد اس نے سیدھا قبرستان کا رخ کیا تھا۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ ایسے میں احمد قبرستان میں داخل ہوا تھا۔

احمد جب قبرستان میں داخل ہوا تو بوڑھا گورکن رمضان اس وقت جدو جری ہوئی قبروں پر مبنی ڈال کر انہیں درست کر رہا تھا۔ جس وقت احمد کو اس نے اپنے قریب آتے دیکھا حسب اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کدال قریب ہی بڑے پتیلے کے قریب رکھ دی تھی اس کے بعد وہ ایک تجسس کے انداز میں اپنی طرف آنے والے احمد کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ احمد اس کے قریب گیا اسے سلام کہا پھر بڑی انکساری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاید آپ مجھے جانتے ہوں گے اس پر احمد کی بات کاٹنے ہوئے گورکن بول پڑا

میرے بیٹے؟ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں میں تمہارے متعلق تفصیل سے جانتا ہوں تمہارا نام احمد ہے تمہارے ماموں کو بھی جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو

جواب میں احمد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے بوڑھے رمضان کی طرف دیکھا۔

اگر آپ راز نہ مانیں تو وہ قبرستان کے اندر جو آپ کی کنیا ہے وہاں چلیں وہاں بیٹھ کر جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں آپ سے تفصیل کے ساتھ کہوں گا۔

رمضان نے اثبات میں سر ہلایا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس کے ساتھ کنیا میں جائے گا پھر وہ زمین پر بٹھ کر کدال اور پتیلے اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پتیلے ہی احمد آگے بڑھا پتیلے اور کدال اس نے اٹھا یا پھر وہ بوڑھے گورکن رمضان کے پیچھے پیچھے اس کی کنیا کی طرف چل دیا تھا۔

کنیا میں ایک مہربی پر بستر لگا ہوا تھا اور زمین پر بیٹھنے کے لیے ایک پتائی سی پٹھادی لگنی تھی۔ رمضان جوتے اتار کر اس پتائی پر بیٹھ گیا احمد بھی کنیا کے ایک کونے میں کدال اور پتیلے رکھنے کے بعد جوتے اتار کر اس کے سامنے بیٹھ گیا پھر گنگو کا آغاز احمد نے کیا۔

رمضان میرے محترم جیسا کہ آپ جانتے ہیں میرا نام احمد ہے میں کافی عرصہ بعد اپنے ماموں کی اس بستی میں آیا ہوں حالانکہ اس سے پہلے بچپن میں بھی میں یہاں آتا رہا ہوں لیکن جس وقت جنگ عظیم شروع ہوئی تو انگریزوں نے زیربستی مجھے فوج میں بھرتی کر لیا اس طرح لگ بھگ پانچ چھ سال تک مجھے ادھر آنے کا موقع نہ ملا اس لیے کہ میں فوج میں خدمات سرانجام دیتا رہا اب جنگ عظیم چونکہ ختم ہو چکی ہے۔ لہذا فوج کی نوکری چھوڑ کر میں گھر آ چکا ہوں اور اپنے ماموں سے پہلی بار ملنے آیا ہوں شاید آپ جانتے ہوں گے گزشتہ چند دن سے میں نے اپنے ماموں کے یہاں قیام کیا ہوا ہے جواب میں بوڑھا رمضان احمد کی بات کاٹنے ہوئے فوراً بول پڑا۔

عزیز! احمد میں جانتا ہوں تو نے گزشتہ کئی روز سے اپنے ماموں کے ہاں قیام کیا ہوا ہے بلکہ تیرے ماموں اکثر و بیشتر مجھے نوازتے رہتے ہیں اور گزشتہ تین چار روز قبل وہ جب مجھ سے ملنے آئے تو انہوں نے تمہارا بھی ذکر کیا تھا کہ تم کیا کہنا چاہتے تو جواب میں احمد تھوڑی دیر تک خاموش رہا اس کے بعد بڑے عزم سے اس نے رمضان کی طرف دیکھا پھر قبرستان کے اس جھونپڑے میں احمد کی آواز گونجی تھی۔

پھر اس کے بعد گنگار مرتبہ میں نے اس روشن ہیولے کو دیکھا جو میرے خیال میں ایک روح ہے کبھی میں نے اسے قبرستان سے نکل کر ویران حویلی کی طرف جاتے دیکھا بھی میں نے اسے قبرستان سے نکل کر ہستی کے ایک کونے میں جو برائری اکول کی عمارت ہے ادھر جاتے دیکھا بھی میں نے اسے برساتی نالے کے پاس پار جو بہت بڑا جنگل ہے اس کی طرف جاتے اس جنگل کی طرف سے برساتی نالے کے پانی کو پار کر کے قبرستان کی طرف آتے دیکھا۔

جب میں نے کافی بار اسے دیکھا تب آج میں نے اس کا ذکر ڈرتے ڈرتے اپنے ماموں سے کیا اور اس ہیولے کی حقیقت جانتا چاہی جواب میں میرے ماموں نے مجھے تسلی دی کہ وہ دھوکہ اور فریب نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں وہ ایک شخص کی روح ہے اور ساری ہستی کے لوگ اس روح سے واقف اور شاسا ہیں پہلے لوگ خوفزدہ ہوتے تھے ڈرتے تھے لیکن اب ایسا معاملہ نہیں اس لیے لوگوں کو یقین ہو گیا ہے کہ وہ روح انہیں کچھ کہتی نہیں۔

جب میں نے اپنے ماموں سے اس روح سے متعلق تفصیل جانتا چاہی تو میرے ماموں نے مجھے آپ کی طرف بھیج دیا اب میں آپ کے پاس اسی لیے آیا ہوں تاکہ آپ مجھے اس روح اس ہیولے سے متعلق تفصیل سے بتائیں۔ دیکھئے انکار نہ کیجئے گا۔ ورنہ میں بار بار آپ کے پاس آؤں گا۔ اور اس وقت تک آثاروں کا جب تک مجھے اس ہیولے کی اس روح کی حقیقت کا علم نہیں ہو جاتا۔

یہاں تک کہنے کے بعد احمد ٹھوڑی دیر کے لیے رکا بڑے غور سے وہ بوڑھے گورکن رمضان کی طرف دیکھتا رہا جس کی کمر بھکی ہوئی تھی اور اس موقع پر اس کی گردن بھی خم تھی۔ رمضان کو یوں خاموش اور چپ دیکھتے ہوئے احمد ایک بار پھر بول پڑا۔

رمضان بچا دیکھتا مجھ سے کوئی بات پوشیدہ مت رکھنا میرے ماموں نے مجھے یہ تسلی اور دھارس دے کر جہادری طرف روانہ کیا ہے۔ کہ تم مجھے اس راز کی تفصیل سے آگاہ کرو گے میں تم سے اتماس کرتا ہوں مجھ سے کوئی چیز چھپانا ست۔

احمد کے ان الفاظ پر بوڑھے گورکن رمضان نے اپنی خم کی ہوئی گردن کو

رمضان دراصل بات یہ ہے کہ میں نے ایک مافوق الفطرت معاملہ اس ہستی میں دیکھا ہے چند روز پہلے رات کے وقت میں رفع حاجت کے لیے ہستی سے نکل کر برساتی نالے کے کنارے آیا جب میں فارغ ہو کر ہستی کی طرف لوٹ رہا تھا تو میرے قدم رک گئے اس لیے کہ قبرستان سے ایک ہیولے کو نکلے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بالکل چاندنی کی طرح روشن تھا۔ ہیولہ کسی انسان کا تھا اس ہیولے کے ایک ہاتھ میں بھتی ہوئی جتی تھی۔ اور دوسرے کندھے پر اس نے مانگنے والے فیتروں جیسا ایک کشکول لٹکا رکھا تھا۔

پہلے تو میں نے اس ہیولے کو جو چاند کی طرح روشن تھا ایک واہمہ ایک فریب ایک دھوکہ خیال کیا لیکن قبرستان سے نکل کر وہ ہیولہ دائیں جانب اس حویلی کی طرف گیا تھا جو برسوں پہلے کی ابھری پڑی ہوئی تھی اور آج بھی ابھری اور ویران کنڈر پڑی ہوئی ہے۔ وہ ہیولہ قبرستان سے نکل کر جب اس ویران حویلی کی طرف گیا تھا تو ادھر جانے کے لیے اسے میرے پاس سے گزرنا تھا لہذا میں زمین پر لیٹ گیا تھا۔

ویران حویلی کی طرف جانے کے لیے جب ہیولہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے سے گزرا تو میں نے دیکھا وہ واقعی چلتے ہوئے شطوں جیسا ایک انسانی ہیولہ تھا میں رات کی تاریکی میں آنکھوں کی طرح ہلکا ہوا اس کا سفید لباس بھی دیکھ سکتا تھا اس کے ہاتھ میں رات کو پہرہ دینے والے چوکیداروں جیسی جتی اور دوسرے کندھے پر مانگنے والوں کا کشکول تھا میں اسے دیکھتا رہ گیا میرے پاس سے گزر کر وہ ویران حویلی کی طرف چلا گیا اور ویران حویلی میں داخل ہونے کے بعد وہ نگاہوں سے ادھمچل ہو گیا۔

میرے بزرگ پہلے روز تو میں نے اسے اپنی آنکھوں کا وہم دھوکہ اور فریب جانا میں نے کسی سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا میں یہ سمجھتا رہا کہ اگر میں نے اس کا ذکر کسی سے کیا تو لوگ میرا مذاق اور شخصہ اڑائیں گے اس لیے کہ میں نے اسے اول روز اپنی نظر فریب اور نگاہوں کا دھوکا ہی سمجھا تھا لہذا وقتی طور پر یایوں جائیں ظاہری طور پر میں نے اسے فراموش کر دیا تھا لیکن میرے اندر ایک حسرت ایک کریدنی ایک کھوج سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور میرا جی میرا دل میرا ذہن چاہتا تھا کہ اس روشن ہیولے کے راز ضرور جانتا چلیے۔

کا نوجوان ہوں گا۔ میرا دوست حسن جس کی یہ روح بھٹکتی پھرتی ہے مجھ سے چار پانچ سال بڑا تھا۔ ہم دونوں ہی غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم دونوں میں غربت ہی قدرے مشترک تھی۔ اور وہی غربت ہم دونوں کی دوستی اور رفاقت کا باعث بنی تھی۔

آج کل میں اس قبرستان کا گورکن ہوں۔ مجھ سے پہلے میرا باپ اس قبرستان میں گورکن ہوا کرتا تھا۔ ہماری گزر اوقات بڑی مشکل سے ہوا کرتی تھی۔ میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ میری ماں میرا باپ دونوں میرے ساتھ اسی کلیا میں رہتے تھے۔ یعنی کا جب کوئی شخص مرنا تھا یا اس پاس کی بستی میں کوئی فوت ہوتا تھا تو ہم دونوں باپ بٹال کے قبر کھودتے تھے جس اس سے ہمیں چند کسے ملتے تھے جن سے ہم بڑی مشکل سے گزر بسر کرتے تھے۔

جہاں تک میرے دوست حسن کا تعلق ہے تو اس کا باپ اپنی بستی میں چوکیدار تھا۔ اس کی دو بہنیں تھیں۔ اور بھائی وہ اکیلا ہی تھا۔ ماں باپ بڑی غربت بڑی محنت کی زندگی بسر کرتے تھے جس طرح ہمارا گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا اسی طرح حسن کے گھرانے کا گزارہ ہم سے بھی زیادہ مشکل تھا اس لیے کہ ہم گھر کے تین ہی افراد تھے جبکہ حسن کے گھر کے پانچ افراد تھے دو اس کے ماں باپ۔ دو بہنیں اور ایک وہ خود۔ اس طرح وقت گزرتے لگا۔

جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کہ میرا اور میرے دوست حسن کا گھرانہ دونوں ہی غربت کے مارے ہوئے تھے۔ یہ بھی میں بتا چکا ہوں کہ غربت ہی ہم دونوں کی قدرے مشترک تھی۔ اور اسی بنا پر ہم دونوں میں گہری دوستی اور رفاقت تھی بلکہ یوں جانو میں اور حسن آپس میں دونوں گئے بھائیوں کی طرح تھے۔ میرا بھی کوئی بھائی نہیں تھا حسن کا بھی کوئی بھائی نہیں تھا۔ لہذا حسن مجھے اپنا چھوٹا بھائی اور میں اسے اپنا بڑا بھائی خیال کرتا تھا۔ یوں یہ رفاقت چلتی رہی۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ دن رات کام کرتے ہوئے کسی نہ کسی طرح ہم پیت کے اس وزن کو لیندہ فرامی لے رہے پھر اس بستی میں ایک انقلاب رونما ہوا۔

وہ اس طرح کہ شاید یہ 1895ء کا واقعہ ہے۔ ہماری بستی سے باہر

سیدنا کیا تھوڑی دیر تک وہ عجیب سی سہاہی میں احمد کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کی مری مری بکھری بکھری سی آواز اس جھونپڑے میں بلند ہوتی تھی۔

احمد میرے بیٹے اگر تم ضد ہی کرتے ہو تو میں اس کے راز سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں میرے بیٹے یہ بڑی تلخ کہانی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ ایک دلچسپ داستان بھی ہے عام سننے والا جب اسے سنے تو اسے ناقابل اعتبار ہی جانے لیکن چونکہ میں خود اس داستان کا ایک کردار رہا ہوں لہذا جو کچھ میں تم سے بیان کروں گا وہ حرف بہ حرف سچ ہوگا۔

جہاں تک کہنے کے بعد بوڑھا گورکن رمضان ایک بار پھر خاموشی اودھ کر چپ ہو رہا کچھ سوچا اس کے بعد اس نے اپنا شروع کیا۔

احمد میرے بیٹے یہ جو بیولہ رات کے وقت چاندنی کی طرح چمکتا ہوا تم دیکھتے ہو یہ میرا دوست ہے اس کا نام حسن تھا۔ یوں جانو یہ ہے چارہ سکون اور آشتی تلاش کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں ادھر ادھر سرگرداں رہتا ہے۔ اکثر و بیشتر اسی طرح اپنے ہاتھ میں لالٹین اور کندھے پر کٹھنول لٹکائے میرا یہ دوست یا یوں جانو میرے دوست کی یہ روح میری اس کلیا میری اس جھونپڑی میں بھی داخل ہوتی میں نے اسے اپنے سانسے بالکل سمجھی حالت میں دیکھا جس طرح تم میرے سانسے بیٹھے ہو کئی بار وہ سانسے آکر پیٹھا میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوتا جس وقت وہ میری کلیا میں آتا ہے اس کی آنکھوں میں ایک غیب طرح کا تجسس ایک انوکھا سا اضطراب اور ایک ناآشاسی آسودگی ہوتی ہے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا یہ دوست میرا چکا ہے اس کا نام حسن ہے اور اس کی یہ روح اب ان علاقوں میں سرگرداں ہے قبرستان سے نکل کر یہ پرانی کھنڈر عمارت کی طرف کیوں جاتی ہے قبرستان سے نکل کر یہ روح برائری اسکول کی طرف کیوں جاتی ہے کبھی یہ برساتی نالے کے اس پار جنگل اور پھر وہاں سے نکل کر قبرستان کی طرف کیوں آتی ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں پہلے میں تمہیں پوری داستان سناتا ہوں کہ میرا یہ ساتھی کون تھا کیسے اس نے ترقی کی کیسے اسے قتل کیا گیا پھر کیسے انتقامی جذبے لیے اس کی روح حرکت میں آئی۔

احمد میرے بیٹے۔ یہ برسوں پہلے کا ذکر ہے۔ اس وقت میں پندرہ سولہ سال

سمتا ہے یہ سیاسی ہماری خدمت سے خوش ہونے کے بعد جب یہاں سے جا میں تو ہمیں موازتے جائیں۔ اسی بنا پر شاید ہم اپنے خاندان کی حالت بدلنے میں کامیاب رہیں۔

احمد میرے بیٹے۔ وہ سارے سیاسی میری اور حسن کی خدمت اور چاکری سے ایسے خوش ہونے کے جس روز انہوں نے ہماری بستی سے پڑاؤ اٹھانا تھا اس سے ایک روز پہلے سارے سنیاہوں نے اپنے بادا سے یہ اہماس کی کہ میں اور حسن ان کی بہترین خدمت کرنے والے ہیں انہوں نے بادا سے ہماری یہ بھی سفارش کی کہ ہم دونوں عریب بچے ہیں لہذا ہمیں اپنے ساتھ رکھ لینا چاہیے۔ تاکہ ہم ان کی خدمت کرتے رہیں۔

سنیاہوں کے بادا نے اپنے ساتھی سنیاہوں کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور جس روز شام کے وقت سنیاہوں نے اپنا پڑاؤ اٹھا کر کوچ کرنا تھا اس روز دوپہر کے وقت بادا نے مجھے اور حسن کو اپنے خیمے میں بلایا۔ اس وقت خیمے میں بادا کی حسین و خوبصورت بھتیجی بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی بھتیجی کی موجودگی میں بادا نے ہمیں یہ پیشکش کی کہ میں اور حسن ان کے پڑاؤ میں شامل ہو جائیں جس طرح ہم دونوں ان کے قیام کے دوران ان کی خدمت کرتے رہیں۔ اگر آئندہ بھی وہ اسی طرح ان کی خدمت کرتے رہیں تو بادا نے ہمیں یقین دلایا کہ ایک سال کے اندر سنیاہ ہم دونوں بھائیوں کی کایا بلت کر رکھ دیں گے۔

میں اور حسن اس پیشکش پر بڑے خوش ہوئے۔ دراصل ہم عریب تھے ہم تو چاہتے تھے کہ کوئی ایسا سبب بنے جس کی وجہ سے ہم اپنی غربت کو دور کر کے کم از کم اپنے ماں باپ اپنے لواحقین کی خوشحالی کا سامان کر سکیں۔ اس بنا پر جب بادا نے ہمیں یہ پیشکش کی تو میں اور حسن نے بڑی رازداری کے ساتھ آپس میں صلاح و مشورہ کیا اس کے بعد ہم نے بادا سے حامی بھری کہ ہم اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔ لیکن ہم نے بادا کے سامنے ایک شرط رکھی۔

جب ہم نے مشروط طور پر حامی بھری تو بادا نے چونکہ کر پوچھا تو دونوں کی کیا شرط ہے اس پر حسن نے بادا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

سنیاہوں نے اپنا پڑاؤ کیا۔ انہوں نے جھوٹے جھوٹے خیمے نصب کیے تھے۔ ایک ہفتہ ہماری بستی سے باہر جس جگہ یہ پرانی اجڑی ہوئی حویلی ہے یہاں انہوں نے قیام کیا تھا ان سنیاہوں میں مسلمان بھی تھے سکھ اور ہندو بھی تھے۔ میں اور حسن دونوں بھائی چونکہ فارغ ہوا کرتے تھے غربت کے مارے تھے لہذا اکثر و بیشتر ہم ان سنیاہوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ جنہوں نے ہماری بستی سے باہر آکر پڑاؤ کیا تھا۔ ان سنیاہوں کا جو بڑا اور سرگرد تھا وہ ہندو تھا اور اسے سارے سنیاہ باوا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اس باوا کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ جس کی عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ لڑکی بڑی خوبصورت اتہارہ جہ کی پر بھال تھی۔ وہ سنیاہ سارے ہی غیر شادی شدہ تھے اور ان کا اہل و عیال سے کوئی تعلق نہ تھا۔ سنیاہوں کے بڑے بادا کے ساتھ جو سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی تھی جس کا میں نے ذکر کیا ہے وہ سنیاہ کے چھوٹے بھائی کی بیٹی تھی۔ اس لڑکی کے ماں باپ دونوں چونکہ مر چکے تھے لہذا سنیاہوں کے اس بڑے یعنی بادا نے اپنی بھتیجی کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ یا یوں جانو وہ لڑکی بادا کی محبوبی تھی۔ جسے وہ اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور تھا اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ اس لڑکی کی پرورش کرنے والا کوئی اور نہ تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد بوڑھا گورکن رمضان رکاوہ لیا اس کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا تھا۔

احمد میرے بیٹے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ میں اور میرے دوست حسن نے ان سنیاہوں کی خدمت کرنے میں دن رات ایک کر دیا تھا ان کے سامنے ہم ہر وقت چوکس اور چوکے ہوتے تھے۔ بھاگ دوڑ کر ان کا کام کرتے تھے۔ اپنی بستی سے ان کے لیے سودا سلف لا کر دیتے تھے۔ ان کے پیچھے کے لیے بستی سے تازہ پانی مہیا کرتے تھے۔ ان کے پاس لکڑی کے بڑے بڑے ڈرم تھے جنہیں ہم ہر وقت پانی سے بھرا رکھتے تھے۔ اور پھر ان کے بڑے بڑے دھنوں میں ان کے پڑاؤ ہی میں جنگل سے لکڑیاں لکھ کر ان کے نہانے کے لیے پانی بھی گرم کرتے تھے۔ یوں جانو ان کی خدمت میں ہم دن رات لگے رہتے تھے۔ دراصل ہم عریب تھے سنیاہوں کے متعلق ہم نے بڑی نجیب اور مافوق الفطرت باتیں سن رکھی تھیں لہذا میں اور حسن یہ امید رکھتے تھے کہ ہو

ہمارے ساتھ ہیں۔ اب جہارے پہلے سوال کا جواب تو میں نے دے دیا یعنی کوہستان ہمالیہ تک ہم سفر کریں گے۔ دوسرا سوال جہارہا یہ ہے کہ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے ہمیں کیا کام کرنے ہوں گے۔

پھر اس پڑاؤ کے دوران جو کام تم کرتے رہے ہو اس کام کی نوعیت سے تم واقف ہی ہو۔ اس کام کے علاوہ ہمیں ہمارے ساتھ رہتے ہوئے ہمالیہ کی بلندیوں میں مختلف پودوں کی کھدائی کر کے جڑیں لگانا ہوں گی۔ تم لوگ جلتے ہو کہ ہم سیاسی ہیں۔ مختلف قسم کی ادویات تیار کرتے ہیں اسی سلسلے میں ہم ہمالیہ کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں سے مختلف پودوں کی جڑیں حاصل کرتے ہیں جن سے ہم دوائیاں تیار کرتے ہیں۔ وہی دوائیاں ہم گلی گلی کوچے کوچے بسنی بسنی شہر شہر گھوم کر بیچتے ہیں بنی نوع انسان کی بہتری اور بھلائی کا کام کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے پیٹ کی بھی پوجا پالت کر لیتے ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد بادا تھوڑی دیر کے لیے رکا تھا اس کے بعد اس نے دوبارہ کھنا شروع کیا تھا۔

میرے بچہ۔ میں نے کہیں یہ بھی بتا دیا کہ پڑاؤ اٹھانے کے بعد ہمارا رخ کس سمت ہو گا ہمارے ساتھ رہتے ہوئے تم دونوں کو کیا کام کرنے ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھی میں تم پر انکشاف کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر تم دونوں لگاتار ہمارے ساتھ رہو تو ہمارے ساتھ رہتے ہوئے آہستہ آہستہ جن جڑی بوٹیوں کا ہم راز رکھتے ہیں اور جن کا ہم کسی پر بھی انکشاف نہیں کرتے تم ان سے بھی واقف ہو جاؤ گے۔ اور پھر ہماری طرح تم بھی انتہائی خوشگوار زندگی بسر کر سکو گے اور اپنے اہل خانہ کے بھی رودی رزق کا انتظام کرنے کے بھی قابل ہو جاؤ گے۔ اب بولو تم ہمارے ساتھ جانے کے لیے کیا تیار ہو؟ میں تم دونوں کی یہ شرط بھی مانتا ہوں کہ جہارہا بسنی کے کسی فرد کو مجھی یہ نہیں بتایا جائے گا کہ تم ہمارے ساتھ کوچ کر رہے ہو اور کوچ بھی آج رات کے وقت یہاں سے ہو گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد بودھا گورکن رمشان رکا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ نطافوں میں گھورتا رہا۔ پھر اپنے سلسلے بیٹے احمد کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا

ہماری شرط یہ ہے کہ آپ لوگ اپنا پڑاؤ رات کے وقت یہاں سے اٹھائیں اور ہماری بسنی کے کسی بھی فرد کو یہ نہیں بتے چلنا چلیے کہ ہم دونوں نے آپ کے پڑاؤ میں شمولیت کر لی ہے اور آپ کے ساتھ ہی ہم روانہ ہو گئے ہیں۔

بادا نے میری اور حسن کی اس شرط کو فوراً قبول کر لیا اس پر حسن کے ذہن میں شاید کوئی اور سوال ابھرا اس موقع پر حسن نے بادا کو پھر مخاطب کیا۔

بادا کوچ سے پہلے ہمیں یہ بھی بتایا جائے کہ آپ لوگ یہاں سے کوچ کر کے کدھر کا رخ کریں گے اور آپ کے ساتھ رہتے ہوئے ہمیں کیا کام کرنا ہو گا۔ حسن کے اس سوال پر بادا کے ہجرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ ہلکے سے تبسم میں حسن کی طرف دیکھتا رہا اس کی حالت سے لگتا تھا جیسے اس نے حسن کے اس سوال کو بڑا پسند کیا ہو پھر حسن کی طرف دیکھتے ہوئے بادا نے کھنا شروع کیا تھا۔

دیکھ حسن تم نے بہت اچھے سوال کئے ہیں یوں جانو تم دونوں کی طرف سے میں ایسے سوالات کی توقع رکھتا تھا یہ سوال کر کے تم نے میرے خیالات ہی کی ترجمانی کی ہے تم دونوں کو آنکھیں بند کر کے ہمارے ساتھ نہیں ہو لینا چلیے۔ بلکہ ہم سے پوچھنا چلیے کہ ہمارا رخ کن سرزمینوں کی طرف ہو گا۔ اور ہمارے ساتھ رہتے ہوئے تم لوگوں کو کیا کام کرنا ہو گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد بادا رکا تھا اس دوران ایک بھرپور لنگہ اس نے اپنے پہلو میں پیٹھی اپنی پیٹھ پر ڈالی تھی۔ اس کے بعد حسن کی طرف دیکھتے ہوئے بادا پھر کہہ رہا تھا۔

سنو بچہ۔ خصوصیت کے ساتھ حسن تم میری بات غور سے سنو۔ اس لیے کہ رمضان کی نسبت تم مجھے زیادہ ڈانا پیش لگتے ہو مجھے تم نے دو سوال کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہاں سے کوچ کرنے کے بعد ہمارا رخ کدھر ہو گا اور ہمارے ساتھ رہتے ہوئے تم لوگوں کو کیا کام کرنے ہوں گے۔

جہارے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں سے ہم اس شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے جو کشمیر کی طرف جاتی ہے۔ یہ سفر ہمالیائی بلندیوں تک جاری رہے گا یا یوں جانو ہمالیہ تک ہم اپنے ان پتھروں اور ٹڈوں پر سفر کرتے رہیں گے۔ جو

نے پڑاؤ کیا تھا۔ فیہ لصب کر دیئے گئے تھے۔ اور ٹاٹ کا بنا ہوا ایک بڑا سا خامیاند تان کر اس کے نیچے چٹروں اور گدھوں کو باندھ دیا گیا تھا۔ پھر سنیا سیوں نے اس تالاب کے کنارے مخصوص گھاس کاٹنے ہوئے اپنے چٹروں اور گدھوں کے آگے ڈال دی تھی۔

احمد میرے بیٹے۔ میں تمہیں یہ بھی بتاتا چلوں کہ حسن جس کی روح اس بستی کے اطراف میں اب بھی سرگرداں رہتی ہے۔ جس کو تم بھی کئی بار دیکھ چکے ہو۔ وہ انتہائی سیانا۔ انتہائی عاقل بالغ نوجوان تھا۔ اس کے مقابلے میں یوں جانو میں بالکل کند ذہن سیدھا سادھا تھا۔ حسن کا باپ بھی بڑا تیز بڑا صاحب عقل بڑا دنددار اور ایک عالم شخص تھا۔ گو وہ بستی میں اپنے بیٹے حسن کے ساتھ جو کیدار کا ہی کام کرتا تھا لیکن تھا بڑا صاحب عقل اور صاحب علم۔

احمد میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ہمارے پاس سردی کے لیے کپڑے نہیں تھے۔ اور پھر اپنی زندگی میں ہم پہلی بار ایسے علاقوں میں داخل ہوئے تھے جہاں برف پڑی ہوتی تھی۔ لہذا حسن تو کسی نہ کسی طرح بچا رہا یا یوں جانو کہ وہ جسمانی صحت کے لحاظ سے مجھ سے بہت بہتر تھا اس بنا پر ابھی تک اس نے سردی کو برداشت کیا ہوا تھا۔ لیکن جس وقت سنیا سیوں نے برف سے ڈھکے ہوئے کوہستانی سلسلے کے پاس ایک چٹنے کے نواح میں پڑاؤ کیا تو سردی کے باعث مجھے بخار ہو گیا۔ میرا جسم کپکپانے لگا تھا دانت جھٹنے لگے تھے میری یہ حالت حسن نے بھی دیکھ لی تھی۔ لہذا وہ بھگا بھگا بادا کے پاس گیا۔ اور اسے میری صورتحال سے آگاہ کیا۔

بادا نے بڑی ہمدردی کی۔ اپنے خیمے سے نکل کر اپنی چھتھی پاروقی کے ساتھ وہ میرے خیمے میں آیا۔ میری حالت دیکھی پھر وہ حسن کو بکڑ کر خیمے کے ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا تم اپنے ساتھی کا خاص خیال رکھنا اسے خونہ ہونے والا ہے۔ دیکھ میں اسے دوانی دیتا ہوں۔ وہ اسے کھلاڑنا۔ مجھے امید ہے یہ فی الفور ٹھیک ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی بادا اپنی چھتھی پاروقی کے ساتھ باہر نکلا۔ حسن کو ان سنیا سیوں کے متعلق بڑی جستجو تھی۔ شاید اس نے اپنی بستی سے کوچ کرتے وقت ہی یہ تبیر کر لیا تھا کہ وہ سنیا سیوں کے دراز حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ یا ان کے

تھا۔

احمد میرے بیٹے یوں میں اور حسن دونوں دوستوں دونوں مصاحبوں نے ان سنیا سیوں کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا ہماری خواہش کے مطابق اسی روز جس وقت لوگ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھروں کو چائیکے تھے سنیا سیوں نے پڑاؤ کو شتم کر دیا اور وہاں سے کوچ کیا۔ ان کے پاس چٹریں اور گدھے تھے جن پر وہ خود بھی سوار ہوتے تھے اور لپٹا سامان بھی لاتے تھے۔ سامان سے لادی ہوئی ایک چٹری پر میں دوسری پر حسن سوار ہو گیا تھا۔ یوں وہ اجنبی کاروان ہماری بستی سے رات کی تاریکی میں کوچ کرتا ہوا کٹھمر کے کوہستانی سلسلے کی طرف بڑھا تھا۔

احمد بیٹے۔ جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں ان سنیا سیوں کے ساتھ ہم اپنے گھردانوں سے اجازت لیے بغیر گئے تھے چونکہ گھردانوں سے چوری ہم نے ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا تھا لہذا سردی کے باوجود ہم نے اپنے گھر سے اپنے لیے کوئی فالتو یا اچھے کپڑے نہیں لیے تھے۔ بلکہ جن عام سے کپڑوں میں ہم دونوں بھائی ان سنیا سیوں کی خدمت اور چاکری کیا کرتے تھے۔ انہی کپڑوں میں ہم ان کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔

جوں جوں رات گہری ہوتی گئی تھی سردی بھی زیادہ بڑھتی گئی تھی۔ جن چٹروں پر میں اور حسن سوار تھے ان پر کائی کپڑے لٹائے ہوئے تھے ان میں سے کچھ چادریں نکال کر میں نے اور حسن نے اپنے اوپر لے لی تھیں۔ یوں وہ رات سردی میں کسی نہ کسی طرح کٹ گئی۔ اگلے دن کا کچھ حصہ سنیا سیوں نے ایک جگہ آرام کیا۔ اس کے بعد انہوں نے پھر کوچ کر لیا تھا۔ اس طرح آرام اور کوچ کرتے ہوئے وہ کوہستانی سلسلے میں داخل ہو گئے تھے۔ چونکہ موسم سرما اپنے عروج پر تھا لہذا جس رات وہ ان علاقوں میں داخل ہوئے جہاں برف پڑی تھی تو سردی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ ایک جگہ چاندنی رات میں سنیا سیوں نے پڑاؤ کیا۔ یہ پڑاؤ ایک چٹنے کے قریب تھا چٹنے کا پانی کوہستانی سلسلے کے اوپر سے گزرتے ہوئے نیچے جا کر چھوٹے سے تالاب کی صورت بناتا تھا اس کے بعد ایک کافی بڑی نالی کی صورت میں کوہستانی سلسلے کے نشیب کی طرف چلا جاتا تھا۔ بس پانی کے اسی چھوٹے سے حوض کے پاس سنیا سیوں

ہمیں ہو کر رہ گیا تھا۔ میں یوں جانے لگا جیسے مجھے گرما کی چٹلائی دہریہ میں کودا کر دیا گیا ہو۔ اس وقت میں نے اپنے اوپر جو کھل اور ڈھ رکے تھے وہ بھی اتار دیئے تھے۔

میری یہ صورتحال دیکھتے ہوئے احمد بیٹے میرا دوست حسن بڑا خوش ہوا۔ ایک طرح سے وہ تجسس اور پریشان بھی تھا۔ تین پتیاں وہ مجھے کھلا چکا تھا اور دو پتیاں جن کے ساتھ چھوٹے چھوٹے دخل بھی تھے وہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھیں۔ اس موقع پر میں تو اپنے بستر پر ہی بیٹھا رہا لیکن حسن کے ذہن میں نہ جانے کیا سمانی کہ دخل والی جو پتیاں اس کے ہاتھ میں تھیں وہ انہیں اپنی ہتھیلی میں لیے رات کے وقت اپنے خیمے سے نکلا چاندنی رات میں وہ تالاب کے کنارے گیا توڑی در تک وہ گھومتا ہوا اس وقت تو میں اندازہ نہ لگا سکا لیکن بعد میں مجھے خیال ہوا کہ وہ انہیں پتوں کی تلاش میں تھا جو باد نے کات کر نیچے کھلائی تھیں۔ توڑی در بعد حسن مسکراتا ہوا لوٹا تھا۔ شاید اس نے اس گھاس کو پہچان لیا تھا جس کی پتیاں توڑ کر بادا نے مجھے کھلائی تھیں۔ یوں جانو اس غریب الوطنی میں اس کو ہستانی سلسلے کے برف زاروں میں حسن کی یہ پہلی کامیابی تھی کہ وہ سنیاہیں کا ایک راز حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ بعد میں اس گھاس کو حسن عام لوگوں کے لیے استعمال کرتا رہا۔ جنہیں سردی لگ جاتی تھی۔ یا جنہیں نمونیہ ہوتا تھا۔ یہ گھاس حسن انہیں کھلاتا تھا اور لوگوں کے اندر انہیں ٹھیک کر دیتا تھا۔ بہر حال یہ بعد کی باتیں ہیں۔ جو میں بیٹے تفصیل سے تمہیں بتاؤں گا۔

احمد میرے بچے میں جنہیں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میرا اپنا اندازہ ہے بلکہ مجھے پختہ یقین ہے کہ سنیاہیں نے جو ٹاٹ کے تے ہوئے ایک بہت بڑے شامبانے کے نیچے اپنے فخر اور اپنے گدھوں کو باندھا تھا تو ان کے آگے دسری گھاس کے علاوہ اس گھاس کا کچھ حصہ بھی ڈالا گیا تھا جو گھاس مجھے کھانے کو دی گئی تھی تاکہ فخر اور گدھے اس برقرار میں سردی محسوس نہ کریں۔ بہر حال سنیاہیں نے صرف ایک رات چھٹے کے کنارے پڑا کچھ اس کے بعد انہوں نے پھر سفر جاری رکھا۔ آخر کار منزل پر منزل مارتے ہوئے وہ سنیاہی ایک بلند کوہستانی سلسلے کے اوپر ایک روز صبح ہی صبح پہنچے۔

پاس جو سر بہتہ علوم ہیں ان سے بہرہ مند ہو گا تاکہ اپنی آنے والی زندگی میں انہی علوم کو استعمال کرتے ہوئے اپنی بہتری اور بھلائی کے کام سر انجام دے سکے۔ لہذا جس وقت بادا اپنی بھتیجی کے ساتھ میرے گھونپہ منا خیمے سے نکلا وہ خیمہ میرے اور حسن دونوں کے استعمال میں تھا تو خیمے کے دروازے کی اوٹ میں حسن کودا ہو گیا تھا اور دیکھنے لگا کہ بادا اور اس کی بھتیجی کھر جاتے ہیں۔

وہ رات بڑی چاندنی تھی چاروں طرف چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بہرچیز میاں اور نمایاں تھی۔ رات کے وقت کوہستانی سلسلے پر پھیلی ہوئی برف صاف دکھائی دے رہی تھی۔ چھٹے کا پانی ایک ترم کے ساتھ گزرتا ہوا حوض کی طرف آ رہا تھا۔ بادا اور اس کی بھتیجی پاروقی دونوں چھٹے کے اس حوض ہی کی طرف گئے تھے حسن بڑے غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بادا پانی کے کنارے جا کر جھکا ایک گھاس کی چھو پتیاں اس نے توڑیں پھر وہ لوٹا۔ اسے لوٹا دیکھ کر حسن فوراً گھونپہ منا خیمے کے دروازے سے ہٹ کر میرے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔ میرا بستر ننگے فرش پر لگا ہوا تھا۔ اور میں اسی پر لیٹا ہوا تھا میرے بستر کے قریب ہی حسن کا بھی بستر تھا۔ بادا اپنی بھتیجی پاروقی کے ساتھ اندر آیا اور گھاس کی جو پانچ سات پتیاں اس نے توڑی تھیں وہ اس نے حسن کو تھمتاے ہوئے کہا

یہ پتیاں لو اور اس میں سے صرف تین اسے دو کہ یہ اپنے منہ میں چبا کر نگل جائے۔ مجھے امید ہے ان پتیوں سے اسے آرام آجائے گا اور پھر بھی آرام نہ آئے تو دو پتیاں جو باقی بچی ہیں وہ بھی اسے کھلا دینا۔ اگر پھر بھی اس کی حالت نہ سنبھلے تو میرے خیمے میں آکر مجھے اطلاع دینا اس کے ساتھ ہی بادا اپنی بھتیجی کو لے کر اپنے خیمے کی طرف چلا گیا تھا۔

حسن پہلے بڑے غور سے گھاس کی ان پتیوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے تین پتیاں نکالیں میرے منہ میں ڈالیں اور مجھ سے کہا چبا جاؤ۔ میں نے وہ پتیاں چبا ڈالیں اور نگل گیا۔ ان پتیوں کے کھانے کے توڑی ہی در بعد میرے جسم میں ایک حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا۔ سردی کے بجائے میں گرمی محسوس کرنے لگا میرا جسم ہلینے

ہماری اس کارگراری سے باوا ہی نہیں سنیا ہی بھی بے حد خوش ہوئے تھے۔

یہاں تک کہتے ہوئے بوڑھا گورکن رمضان خاموش ہو گیا تھا تو وہی در تک اس کی گردن جھکی رہی شاید وہ اگلے واقعات سے متعلق سوچ پچھا کرنے لگا تھا۔ اس دوران احمد بڑے عجیب سے انہماک اور بڑی جستجو میں اس کی طرف دیکھ جا رہا تھا بعد ازاں اس کے توقف کے بعد گورکن رمضان نے پھر کہنا شروع کیا۔

احمد میرے بیٹے ان ہمالیائی بلندیوں پر پڑاؤ قائم کرنے کے بعد دو روز تک سارے سنیا ہی آرام اور استراحت کرتے رہے۔ اس دوران ہمیں بھی آرام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا تاہم جہاں پڑاؤ تھا کیا وہاں قریب ہی ذرا نیچے جا کر پانی کا ایک چشمہ تھا میرے اور حسن کے ذمے یہ کام تھا کہ دن کے وقت ہم وہاں سے پانی لے لے کر لکڑی کے بڑے بڑے ڈروں میں بھر دیتے تھے اور ضرورت کے وقت سنیاہیں کو بڑے بڑے دنگوں میں پانی بھی گرم کر کے دے دیتے تھے میں یہاں بے بھی کہتا چلیں کہ حسن نے شاید سنیاہیں کے ساتھ کوچ کرتے وقت ہی ایک مقصد ایک آدرش اپنے ذہن میں اٹھایا تھا اس نے شاید تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ ہر صورت میں سنیاہیں سے کچھ نہ کچھ سیکھ رہے گا اس کا انکشاف اس نے پھر پر بھی نہیں کیا تھا۔ اس لیے کہ اسے شاید خطرہ تھا جیسا کہ بعد میں اس نے مجھ پر ابھار بھی کیا اسے ڈر تھا کہ کہیں اگر وہ اپنا راز مجھ پر فاش کر دے تو سنیاہیں کو بھی خطرہ ہو جائے اور وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں اسی بنا پر سنیاہیں جب بھی کوئی غیر معمولی حرکت کرتے حسن بڑی گہری نگاہوں سے ان کا جائزہ لیتا تھا جہاں تک میرا تعلق ہے میں پہلے ہی بتا ہوں میرا ذہنی طور پر بس یو نہیں ساتھ دلیے بھی شروع ہی سے میرے ذہن میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ میں نے ان سنیاہیں سے کچھ حاصل کرنا ہے میں تو حسن کے ساتھ بس سنیاہیں کے گردہ میں شامل ہو گیا تھا تاکہ میں اگر حسن کے ساتھ ان کی خدمت کروں تو شاید وہ مجھے خدمت کا سہلہ دیں جن سے میں اپنے ماں باپ کی خدمت کر سکوں بہر حال وہ ان کے بعد سنیاہیں سے اپنے کام کی اجازت کی۔

وہ اس طرح کہ دو دن بعد کوئی رات گئے پڑاؤ میں آوازاں کا شور سن کر میری اور حسن کی نیند کھل گئی میرے اور حسن کے لیے ایک ہی چشمہ جس میں ہم دونوں

یہاں تک کہتے کے بعد بوڑھا گورکن رمضان رکا کچھ سوچا پھر کہنا چلا گیا۔

احمد میرے بیٹے۔ اس کو ہستانی سلسلے کا منظر بھی خوب تھا۔ بادلوں کی اکثریت اس کو ہستانی سلسلے کے نیچے تھی ہم اوپر تھے۔ کوئی بھولا بھٹکا بادلوں کا ٹکڑا اس کو ہستانی سلسلے کے اوپر سے بھی گزرتا اور ہر چیز کو بھگوتا چلا جاتا تھا۔ بہر حال اس کو ہستانی سلسلے کے اوپر سنیاہیں نے پڑاؤ نصب کر دیا۔ غیے بالکل قریب قریب رکھے گئے اور پھر جس وقت غیے نصب ہو گئے باوا نے ہم دونوں کو اپنے پاس بلایا۔ میں اور حسن دونوں باوا کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

باوا نے میرے اور حسن کے حوالے دو کدالیں اور دو پیٹلے کئے اور ہم دونوں کو یہ حکم دیا کہ سارے شیون کے ارد گرد ایک گہری کھائی کھودیں اس کے بعد اس کھائی کے اندر کانٹے دار جھاڑیاں بچھیں اور یہ کام شام سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔

باوا نے مجھے اور حسن کو یہ بھی تہیہ کی کہ اس کو ہستانی سلسلے کے اوپر ایک انتہائی زہریلا سانپ ہوتا ہے ایسا زہریلا سانپ کہ اگر وہ انسانی جسم کو مس بھی کر جائے تو انسان کو چکر آنے شروع ہو جائیں اور اگر بروقت اس کی پیش بندی نہ کی جائے تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

باوا کی اس گفتگو سے ہم بڑے خوفزدہ ہوئے باوا نے ہمیں مزید بتایا کہ کھائی کھودنے کے بعد اس میں کانٹے دار جھاڑیاں اس لیے بچھنی ہیں تاکہ رات کو جس وقت سب اپنے اپنے شیون میں زمین پر سوتے ہوں تو سانپ خیرہ گاہ میں داخل نہ ہو سکے۔ باوا کا کہنا تھا کہ سانپ جھاڑیاں عبور کر کے اندر نہیں آ سکتا خیرہ گاہ میں داخل ہونے کے لیے ایک چھوٹا سا راستہ رکھا جائے گا۔ اور رات سونے سے پہلے اس راستے کو بھی جھاڑیوں سے پٹا دیا جائے گا۔

باوا کے حکم پر میں اور حسن دونوں حرکت میں آئے کدالیں اور پیٹلے ہم نے سنبھالے اندھا دھند کام کرنے لگے میں اور حسن زیادہ سے زیادہ کام کر کے ان سنیاہیں کی دلوگنی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ ہماری بہتری کے لیے فرائضی سے کام لیں۔ شام سے پہلے ہی پہلے خیرہ گاہ کے ارد گرد کافی گہری کھائی کھود کر اس کے اندر پتلیوں سے جھاڑیاں کاٹ کر میں اور حسن نے کھائی میں جھاڑیاں بچھ دی تھیں۔

برابر فرق نہیں تھا بس جب مشغل ان کے قریب لے جاتے تھے تو کچھ سرفی مائل چمک دیتی تھیں کچھ سفیدی مائل یہی ان میں فرق اور امتیاز تھا۔ اور اس فرق میں کوئی امتیاز کو سامنے رکھتے ہوئے وہ سنیاں اور پاروتی ان بوٹیوں کے ساتھ سفید اور سرخ کپڑے باندھتے گئے تھے۔

کچھ درمیک یہ سلسلہ جاری رہا جب میں اور حسن نے اندازہ لگایا کہ ان کے پاس جس قدر سرخ اور سفید پتیاں تھیں وہ ختم ہونے والی ہیں تب بڑی تیزی کے ساتھ رینگتے ہوئے ہم بچھے بنے پھر بہتوں کی اوٹ میں جانے کے بعد ہم کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے اپنے بڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد خیمے میں جا کر اس طرح لیٹ گئے تھے جس طرح ہم گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔

ہمارے پیچھے تھوڑی ہی دیر بعد سنیاں اور پاروتی بھی بڑاؤ میں آئے ان میں سے کچھ سنیاں نے ہمارے خیمے کا پردہ ہٹا کر دیکھا اس وقت گو ہم جاگ رہے تھے۔ ہمارے چہروں پر ہم نے ہاتھ رکھے ہوئے تھے پر سنیاں نے یہ جان کر کہ ہم گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔ مطمئن ہو گئے اس کے بعد وہ بھی اپنے خیموں میں جا کر آرام کرنے لگے تھے۔

اگلے روز میں اور حسن دونوں صبح سویرے اٹھ گئے تھے میں اور حسن نے مل کر نماز پڑھی تھی تمام ان میں جو مسلمان سنیاں تھے وہ بھی سویرے اٹھ کر ہمارے ساتھ فخری نماز ادا کرنے لگے تھے باقی سنیاں اور پاروتی کافی دن گئے تک اپنے خیموں میں سوئے رہے جب دن کافی چڑھ آیا تب بڑا باوا اور دوسرے سنیاں اٹھے پہلے سب نے مل کر کھانا کھایا اس وقت تک سورج سررا چکا تھا۔ پھر باوا نے مجھے اور حسن کو بلایا۔ میں اور حسن جب باوا کے سامنے گئے تو باوا نے پہلے ہم دونوں کا بغور جائزہ لیا پھر ہم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

بھو! گزشتہ رات تم گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اور ہم نے گزشتہ رات اپنی مہم کا آغاز کر دیا تھا ہم چونکہ سارے سنیاں رات کو جاگنے کے عادی ہیں لہذا ہم نے گزشتہ شب اپنے کام کی اجازت کی تم جانتے ہو ہم سنیاں ہیں جہزی بوٹیوں سے چھلپے ہیں رات کے وقت میں پاروتی اور میرے ساتھی سنیاں نے کچھ بوٹیوں کے ساتھ سرخ

بھائی فرش پر بستر لگا کر سوئے تھے۔ جن آوازوں سے ہم چونک کر جاگے تھے وہ آوازیں سنیاں اور ان کے بڑے باوا کی تھیں ان میں کبھی کبھی باوا کی لڑکی کی آواز بھی شامل ہو باقی تھی۔

پہلے ان آوازوں پر چونک کر حسن جاگا تھا پھر اس نے مجھے بھی بگا دیا تھا۔ اس کے بعد حسن خیمے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ سارے سنیاں تھوڑی دیر تک خیموں سے باہر باہم گفتگو کرتے رہے اس دوران میں نے اور حسن نے دیکھا پاروتی کے کندھے پر سرخ اور سفید رنگ کے کپڑے کی پتیاں تھیں۔ پھر ہمارے دیکھنے ہی دیکھتے انہوں نے آپس میں کچھ صلاح و مشورہ کیا پھر بڑاؤ کے ارد گرد جو جھاڑیاں تھیں ایک جگہ سے جھاڑیاں اٹھا کر وہ باہر نکلے اور جھاڑیاں پہلے کی طرح انہوں نے اپنی جگہ پر کر دی تھیں۔ شاید انہوں نے پہلے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہم گہری نیند سو رہے ہیں لہذا وہ خفیہ طور پر کسی مہم پر نکلے تھے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے اور حسن نے بھی آپس میں صلاح و مشورہ کیا جب کوہستانی سلسلے کے اندر ہمیں ان کے دھندلے دھندلے نقوش نظر آئے تب ہم بھی خیمے سے نکلے باڑھ اٹھا کر باہر نکلے اور ان کے پیچھے پیچھے ہولے بڑاؤ سے تھوڑی ہی فاصلے پر وہ سب رک گئے تھے میں اور حسن اپنے ہی لیٹنے ان کے قریب گئے پھر سارے سنیاں نے پاروتی سے کچھ سرخ اور کچھ سفید پتیاں لیں کچھ پتیاں پاروتی نے بھی اپنے پاس رکھ لی تھیں۔ اس کے بعد وہ سنیاں اپنے خیموں میں مشغول رہے مختلف جہزی بوٹیوں کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے تھے میں اور حسن زمین پر رینگتے ہوئے مزید ان کے قریب گئے حسن ذہن طور پر جاسوسی کرتا تھا اس نے تاؤ لیا تھا کہ یہ کوئی اہم کام کرنے والے ہیں حسن اور میں نے دیکھا وہ سنیاں اور پاروتی کچھ بوٹیوں کے ساتھ سرخ کپڑے اور کچھ کے ساتھ سفید کپڑے باندھتے گئے تھے میں اور حسن نے یہ بھی دیکھا کہ جس بوٹی کے ساتھ وہ سرخ کپڑا باندھتے تھے مشغول کی روشنی میں اس کے پتے چمکتے ہوئے اور سرفی مائل روشنی دیتے تھے اور جن بوٹیوں کے پتوں کے نزدیک وہ مشغل لاتے تھے اور اس کے پتے چمکتے ہوئے سفیدی مائل روشنی دیتے تھے ان کے ساتھ وہ سفید پتیاں باندھتے گئے تھے۔ تاہم دونوں بوٹیوں کے پودے بالکل ایک جیسے تھے اور ان میں ذرہ

دو پودے کو کم از کم سات گانٹھوں تک نیچے لے جانا ہے۔ سات سے تم گانٹھ نہیں رکھنی۔

دوسری بات یہ کہ چوتھی یا پانچویں گانٹھ کے آس پاس ان بوٹیوں سے سانپ بھی پایا جاتا ہے جو انتہا درجہ کا زہر بلا ہے۔ وہ اگر ڈس لے تو عام آدمی ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر وہ سانپ صرف انسانی جسم کے ساتھ مس بھی کر جائے تب بھی اس کے جسم میں زہر گھل جاتا ہے۔ اور بندہ سسک سسک کر مر جاتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد احمد میرے بیٹے وہ بادا تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ پھر وہ اپنے دائیں جانب گیا اور دو مختلف بوٹیوں کے اس نے پتے توڑے اس موقع پر میں نے جس کی طرف دیکھا پڑی تیر لگانوں سے وہ بادا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جن بوٹیوں کے پتے توڑ کر بادا لایا تھا ان میں سے ایک پتے پالک جیسے تھے لیکن تھے چھوٹے بڑے باریک اور پتلے دوسرے کے پتے گاہر جیسے تھے۔ گاہر کے پتے بالکل چھوٹے اور پتلے ہوتے ہیں اس کے پتے بھی گاہر جیسے چھوٹے ہی تھے پر بہت موٹے تھے۔

حسن نے بخور دیکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ لگایا تھا کہ بادا ان کے قریب ہی کن بوٹیوں کے پتے توڑے ہیں۔ پتے لے کر بادا میرے اور حسن کے قریب آیا پھر دونوں قسم کے پتوں کو اس نے دو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ دونوں قسم کے کچے پتے اس نے میری جیب میں کچے حسن کی جیب میں ڈالے پھر کہنے لگا۔

بچو! اگر تم میں سے کسی کو سانپ ڈس لے تو جو پتے پالک جیسے ہیں بچا لینا اور جس جگہ سانپ کاٹے اس جگہ یہ جو پتے گاہر کے پتوں کی مانند ہیں یہ مژدہ کر ڈنم پر رکھ دینا۔ تم میں سے جس کے ساتھ بھی یہ حادثہ پیش آئے اسے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

اور اگر سانپ تم میں سے کسی کے جسم مس کر جائے تب بھی یہ جو پالک جیسی پتیاں ہیں انہیں کھا لینا تمہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

اس کے بعد بادا باریقی اور دوسرے سنیا سیوں نے تھوڑا سا پیچے ہٹ کر بڑا سا ٹیک ٹاٹ بٹھایا اور اس پر بیٹھ گئے تھے۔ میں نے اس موقع پر حسن کی طرف دیکھا۔

اور سفید کپڑے باندھ دیے ہیں جنہیں اس لیے نہیں جھگایا کہ تم لوگ جاگنے کے عادی نہیں ہو ویسے بھی جس وقت ہم بوٹیوں کی تلاش میں گئے تم دونوں گہری نیند سوئے ہوئے تھے اس لیے ہم نے جگانا مناسب نہیں سمجھا میں اور میرے ساتھی سنیا سی چونکہ رات کے وقت اپنے کام کی تکمیل کر چکے ہیں لہذا اب تم دونوں کے کام کی ابتدا ہو گئی

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لیے گور کن رمضان رک گیا تھا تھوڑی دیر تک وہ بخور اپنے سامنے بیٹھے احمد کی طرف دیکھتا رہا کچھ سوچا مناسب الفاظ تلاش کیے اس کے بعد دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

احمد میرے سچے تو میں کہہ رہا تھا بادا نے ہم سے کہا کہ وہ گر شتہ شب اپنے کام کی تکمیل کر چکے ہیں لہذا اب میرے اور حسن کے کام کی ابتدا ہو گئی۔ ساتھ ہی بادا نے ہمیں اپنے خیمے میں ساتھ لے جا کر بیٹھے اور حسن دونوں کو دو لمبے بھل والے کھرپے دیے اور پھر ہم دونوں کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں اور حسن بادا کے ساتھ ہو لیے تھے پاروقی بھی ہمارے ہمراہ تھی۔ باقی سارے سنیا سی بھی ہمارے پیچھے پیچھے چل پڑے تھے۔ بادا ہمیں اس جگہ لے گیا جہاں وہ رات کو بوٹیوں کے ساتھ سرخ اور سفید پتیاں باندھ رہے تھے۔ ان بوٹیوں کے پاس جانے کے بعد بادا رکا۔ کچھ دیر وہ ان بوٹیوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میری اور حسن کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا

بچو! یہ تم اپنے سامنے دیکھتے ہو کچھ بوٹیوں کے ساتھ سفید پتیاں بندھی ہیں کچھ کے ساتھ سرخ۔ حسن تم ان بڑی بوٹیوں کو کھرپے سے نکالنا شروع کرو جس کے ساتھ سرخ پتیاں بندھی ہوئی ہیں اور رمضان تم سفید پتی والی بوٹیوں کو اپنے اس کھرپے سے نکودنا شروع کرو۔ ایک احتیاط رکھنا۔

اور وہ یہ کہ جب تم ان پودوں کو نکودو گے تو ان کے نیچے گانٹھ دار جڑیں نمودار ہوں گی کسی گانٹھ کو نقصان نہیں پہنچانا۔ سات گانٹھ تک برابر پودے کو نکودنا ہے۔ اس کے بعد تمہاری مرضی نکودنا نکودنا۔ اگر پودے کو کھینچو اور وہ باہر نکل آتا ہے تو تھیک ورنہ ساتویں گانٹھ کے بعد پودے کی جڑ کو کاٹ کر اوپر کھینچ لینا۔ لیکن ہر

جیب سے دونوں قسم کی پٹیاں نکال کر تھوڑی دیر تک بڑے غور سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کھرا اٹھایا تھوڑی دیر تک وہ اپنے سامنے ان پودوں کو دیکھتا رہا۔ جن کے ساتھ سرخ اور سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اور وہ پودے قد کاٹھ میں بالکل چھوٹے چھوٹے تھے۔ ان کا پھیلاؤ زمین پر نہیں تھا وہ سیدھے زمین سے اٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حسن تھوڑا سا بائیں جانب ان بوٹیوں کی طرف گیا جن کے پتے نوچ کر بادانے دونوں کی بیسیوں میں ڈالے تھے۔ کچھ بھر کے لیے اپنی جیب میں رکھے پتوں اور ان بوٹیوں کی طرف حسن غور سے دیکھتا رہا۔ شاید اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ پتے ان بوٹیوں میں سے کن کن کے تھے۔ جب وہ ایسا کر چکا تو میں نے دیکھا حسن کے چہرے پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ تھی پھر وہ اپنے کام میں لگ گیا۔ جن بوٹیوں کے ساتھ جن پودوں کے ساتھ سرخ پٹیاں بندھی تھیں انہیں حسن کھودنے لگا سفید پٹیاں والی جڑی بوٹیوں کی کھدائی میں کرنے لگا سات گائیکوں کے بعد ہم پودے کو یا تو جڑ سے اکھاڑ لیتے تھے۔ یا کاٹ لیتے تھے۔ اور جو سرخ اور سفید پٹیاں ان کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں وہ بادا کی ہدایت کے مطابق ہم اتار دیتے نہیں تھے۔

لگ بھگ پچاس پچاس ساتھ ساتھ پودوں کے بعد سفید اور سرخ پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔ میں کوئی پتہ نہیں پودے اکھیر چکا ہوں گا کہ ایک دم ایک پودے کی میں نے چار ہی گائیکوں تھوڑی تھیں کہ جھونا سا ایک سانپ برقی کے کوندے کی طرح سرسراتے ہوئے نکلا وہ میرے جسم کے ساتھ مس بھی ہوا۔ اور بازو پر اس نے کاٹ بھی لگا تھا۔ اس سانپ کا کاٹنا تھا کہ مجھے جھکر اٹھا شروع ہو گئے۔ میں چیخ پڑا۔ حسن اس موقع پر میرے قریب ہی تھا وہ اپنی جگہ سے جھاک کر اٹھا جو بوٹی پالک کے پتوں جیسی تھی وہ فوراً اس نے میرے منہ میں ڈالی میں اسے جھانے لگا گاجر کے پتوں جیسی جو بوٹی تھی وہ اس نے میری نشانہ ہی پر اس جگہ رکھ دی جہاں سانپ نے مجھے ڈسا تھا اس کے علاوہ پاروٹی اور دیگر سنہاسی بھی میرے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ حسن کی اس چابکدستی اس کی تیزی اور بروقت میری امداد پر سب حسن کو توصیفی انداز میں دیکھ رہے تھے۔

جس وقت سانپ میرے جسم سے مس ہوا تھا اس وقت مجھے ایسا لگا تھا جیسے

میرے جسم میں کسی نے برقی کے کوندے اتار دیئے ہوں۔ اور جس وقت سانپ نے مجھے ڈسا تھا بازو میں ایسی غشت کی دردانی تھی جو الفاظ میں میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر حسن اپنی جگہ سے اٹھ کر بروقت پتے میرے منہ میں نہ ڈالتا تو ہو سکتا ہے مجھ پر جو اس کو اتھنی جی توفیق نہ ہوتی کہ میں اپنی جیب سے پتے نکال کر اپنے منہ میں ڈالتا۔ یا دوسرے قسم کے پتے نکال کر اس جگہ رکھتا جہاں سانپ نے ڈسا تھا۔ بہر حال یہ دونوں فعل چونکہ بروقت حسن نے انجام دیدیئے تھے لہذا پتے کھانے کے بعد سانپ کے ڈسنے سے جو خطرناک کیفیت مجھ پر طاری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ لمحوں کے اندر ختم ہو گئی۔ جو پتے بازو پر زخم کی جگہ حسن نے رکھے تھے انہوں نے بھی ایسا رنگ دکھایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مجھے ہاں نہ کوئی درد رہا میں ایسا محسوس کر رہا تھا۔ جیسے میرے ساتھ نہ کوئی حادثہ پیش آیا ہو نہ کوئی سانپ میرے ساتھ مس ہوا ہو۔ نہ مجھے کسی سانپ نے ڈسا ہو۔ اس کے بعد میں پھر کسی حذرست انسان کی طرح وہ جڑیں کھودنے لگا تھا۔

شام تک ہم یہ کام سرانجام دیتے رہے جہاں تک کہ جتنی بوٹیوں کے ساتھ سرخ اور سفید کپڑے باندھے گئے تھے وہ سارے ہم نے اکھاڑ ڈالے۔ جب یہ سارا کام ہو چکا تب سرخ اور سفید بوٹیوں کو علیحدہ کر دیا گیا اور ان کے ساتھ بندھے ہوئے سرخ سفید کپڑے بھی اتار لیے گئے۔

اب بادا اور سنہاسی اور پاروٹی سب مل کر سرخ سفید کپڑے باندھتے اور اگلے روز ہم کھدائی کرتے اس طرح ہفتہ بھر یہ کام جاری رہا اور پڑاؤ کے آس پاس دو قسم کے ان بوٹیوں کے ذمیر لگا دیئے گئے تھے۔ جو بوئیاں ہم نے اکھیری تھیں وہ خشک ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

آخر خدا نوا کر کے یہ کام اپنے انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد مزید سات آٹھ دن تک بادا اور اس کے ساتھی سنہاسی مجھ سے اور حسن سے دوسری مختلف قسم کی جڑی بوئیاں اکٹھی کر داتے رہے اور ہم یہ سارا کام جوش و خروش سے کرتے رہے ساتی دوران حسن پریشانی اور تجسس تھا۔ جو فنی بوئیاں ہم کھروں کی مدد سے اکٹھی کر رہے تھے۔ اس کے متعلق حسن کو ابھی تک کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ وہ کس نوع کی

دونوں اپنے خیمے میں گہری نیند سو گئے جس وقت بادا نے اندازہ لگایا کہ ہم دونوں گہری نیند سو چکے ہوں گے جب وہ خیمہ گاہ کے سامنے جو کھلی جگہ تھی وہاں متنب ہوئے۔ پہلے وہاں ہتھوں کا ایک پوہا بنایا گیا اس پوہے میں آگ روشن کی گئی۔

وہاں تک پہنچنے کے بعد گورکن رمضان رک گیا تھا۔ یہ سارے حالات سننے ہوئے سامنے بیٹھے احمد کی جستجو اور کریدنی اپنی اہتا کو پہنچ چکی تھی۔ لہذا گورکن رمضان جب رکا تو بڑی بے ثباتی سے احمد بول پڑا۔

رمضان، بچاؤ کو نہیں جو سلسلہ تم نے جاری کیا ہوا ہے اسے جاری رکھو۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ اس سے آگے کیا ہوا۔

احمد کے ان الفاظ سے بوڑھے رمضان کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے مسکراہٹ کھیل گئی تھی تھوڑی دیر تک وہ بڑی شفقت سے احمد کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

احمد میرے بیٹے جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ میں ذہن کا کمزور ہوں اس لیے میں نے شروع ہی سے ان کاموں کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ جو باتیں میں تم سے کہنے لگا ہوں وہ بعد میں مجھ سے حسن نے کہیں کہیں۔ میں اپنے بستر پر لیٹا رہا سردی بہت تھی میں جھونپڑے سے باہر نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ لیکن حسن کہیں اودھ کر خیمے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا تھا۔ جس جگہ آگ روشن کی گئی وہ جگہ بالکل ہمارے خیمے کے قریب تھی۔ حسن دیکھتا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرنے لگے ہیں۔ میں اس لیے اپنے بستر میں دیکھا رہا اور دلچسپی نہ لی کہ جب حسن جان جائے گا تو مجھے بھی بتا دے گا اس لیے میں نے کوئی بدحواسی ضرورت محسوس نہ کی کہ میں خیمے کے دروازے پر جا کر دیکھوں کہ پڑاؤ کے سامنے سنیا سی کیا کرنے لگے ہیں۔

آگ روشن کرنے کے بعد اس کے اوپر سنیا سیوں نے چٹل کی ایک چھوٹی سی لڑائی رکھی۔ کچھ دیر تک آگ جلتی رہی یہاں تک کہ وہ لڑائی خوب گرم ہو گئی۔ اس موقع پر بادا کے علاوہ اسکی چھبھی یاروٹی اور سارے سنیا سی آگ کے اس چولے کے گرد جمع تھے جب لڑائی خوب گرم ہو گئی تب بادا نے اپنے لباس کے اندر سے تھوڑا سا سونا نکال کر چھبھی کو ملی اس لڑائی میں ڈالا۔ اس کے بعد اس نے اپنے لباس کے اندر سے

ہیں اور کس کام آتی ہیں۔ تاہم وہ بڑی جانفشانی کے ساتھ میرے ساتھ کام میں مصروف رہا اس طرح کوئی ایک ماہ تک وہ سنیا سی ان ہمالیائی پلندروں میں مختلف جہزی بوئیاں تلاش کرتے رہے اور ہم سے وہ بوئیاں کھدواتے ہوئے جمع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ کام ختم ہوا۔

جو سفید اور سرخ کپڑوں والی بوئیاں تھیں وہ تو بادا اور سنیا سیوں نے دھوپ میں خشک ہونے کے لیے رک دی تھیں اور بعد میں جو بوئیاں ہم سے کٹوائی گئی تھیں۔ انہیں جس دن کٹوایا جاتا اس کے دوسرے روز انہیں سامنے میں رکھ کر بچھ سے اور حسن سے ان کے پتے علیحدہ علیحدہ کرواتے جاتے اس عمل سے حسن ان ساری بوئیوں کی پہچان کر گیا تھا۔ جو اس دوران ہم نے ان سنیا سیوں کے لیے کافی تھیں۔ پھر حسن روز یہ کام تمام ہوا اس سے ایک روز پہلے سارا دن حسن اور مجھ سے کام لیا جاتا رہا۔ شاید بادا یہ کام جان بوجھ کر ہم سے لے رہا تھا۔ یہ کام چونکہ معمول سے زیادہ تھا کبھی وہ ہمیں پانی لانے کو کہتا۔ کبھی وہ مزید ہتھاریاں کٹ کر خیمہ گاہ کے ارد گرد رکھنے کو کہتا۔ حالانکہ ہتھاریاں رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال اس نے سارا دن ہمیں مصروف رکھا۔ اس غیر معمولی کام سے حسن بوجھتا تھا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں چونکہ ذہن کا کمزور تھا۔ لہذا میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں جس کو کہو کے بیل کی طرح جتنا جتا رہا تھا بس کام کرتا رہا۔

تاہم حسن کا ہاتھ اٹھتا تھا کہ آخر وہ سنیا سی اس روز معمول سے زیادہ کام کیوں لے رہے ہیں۔ جب سورج غروب ہوا تب بادا نے مجھے اور حسن کو بلایا اور کہنے لگا۔ بچو! آج سارا دن تم نے بڑی بھاگ دوڑ کی ہے بڑی تھکت کی ہے۔ بڑا کام کیا اب تمہارا کام ختم ہو چکا ہے۔ تم دونوں آنے والی شب اپنے خیمے میں مکمل آرام کرو۔ ہم سب ساتھی رات کے وقت ان سب بوئیوں کو جمع کریں گے۔ جو اب تک ہم نے کٹی ہیں۔ اور انہیں آئیں میں بائیں گے۔

بادا کی اس گفتگو سے میں تو بے بہرہ ہی رہا سستی کا مارا پڑا ہی رہا پر حسن بڑا تیز بڑا چالاک تھا وہ سمجھ گیا تھا کہ بادا اور اس کے ساتھی سنیا سی رات کو کچھ کرنے والے ہیں۔ اس وقت تو اس نے بادا کی بات مان لی۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد ہم

بادا نے ہمیں حکم دیا کہ ان ساری بوٹیوں کو علیحدہ علیحدہ رکھتے ہوئے ان کے پتے ان سے جدا کریں اور پتوں کو بھی علیحدہ علیحدہ رکھیں اس کام کی نگرانی پر بادا نے اپنی بیٹی اپنی بھینجی پاروتی کو مقرر کیا تھا۔ میں نے دیکھا حسن پاروتی کی موجودگی میں بڑی برقی رفتار سے کام کرتا تھا اور جب پاروتی اوجھل ہو جاتی تو وہ اپنی رفتار کم کر دیتا تھا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ حسن اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا کہ پاروتی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کرے یا اسے اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرح چند روز تک ان بوٹیوں کے پتے۔ عہدہ علیحدہ کر کے ہم ڈھیر کرتے رہے اس دوران پاروتی ہمارے ساتھ رہی پاروتی نے جب حسن کو آندھی اور طوفان کی طرح کام کرتے دیکھا اور جو بھی کام پاروتی کہتی وہ بھاگ بھاگ کر دوڑ دوڑ کر کرتا تو حسن کی یہ بھت اس کی یہ جدو ہمدرد نگ لائی میں نے دیکھا پاروتی اب اکثر و بیشتر حسن کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہنسی مذاق کی باتیں بھی کرتی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے اٹھتے خوش بھی ہوتی تھی قبضے بھی لگاتی تھی اس طرح جب دن گزرنے لگے تو یہ بات یقینی حد تک پہنچ گئی کہ پاروتی حسن کو پسند کرنے لگی تھی۔

گورکن رمضان تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا ہوا اس کے بعد اس نے ایک لمحہ کے لیے اپنے سامنے بیٹھے احمد کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

احمد میرے بیٹے شروع میں حسن نے بادا کی بھینجی پاروتی کو اپنی طرف مائل کرنے اور اس کے سامنے بھاگ بھاگ کر کام کرنے اور انتہائی جوش اور جذبہ دکھانے کا مدعا صرف یہ کہ تھا تاہم جن جڑی بوٹیوں سے متعلق وہ تفصیل حاصل نہیں کر سکا وہ پاروتی سے جان سکے۔ وہ یہ تو جان چکا تھا کہ اگر برف باری میں سردی لگ جائے تو کس گھاس کا ڈٹھل کھایا جائے تو جسم پسینہ پسینہ ہو جائے وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ سانپ کے کاٹنے کے لیے کونسی بوٹی کا آدہ ہے وہ یہ بھی جان چکا تھا ہے سونا دنگا کرنے اور چاندی دنگا کرنے کے لیے کس بوٹی کی جڑیں کا آدہ ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ سنیا سیوں نے جو ہم سے جڑی بوٹیاں کھوائی تھیں۔ اور انہیں سامنے میں رکھنے کے بعد ان کے پتے ہم سے وہ علیحدہ کر دیا ہے تھے۔ ان سے متعلق حسن کچھ نہیں جان سکا تھا۔ شروع میں پاروتی کو اپنی طرف مائل کرنے سے اس کا مقصد یہی تھا کہ جن

ایک چاقو نکالا اور وہ جڑی بوٹیاں جن کے ساتھ سرخ کپڑے بندھے ہوئے تھے اسکی ایک گانٹھ بھی اس نے کافی اس گانٹھ کو اس نے لوہے کے دستے سے مونا مونا سا کوٹا۔ اس کے بعد کئی ہوئی اس گانٹھ کو اس نے تپتی ہوئی اس کڑھائی میں ڈال دیا تھا جس میں تھوڑی دیر پہلے اس نے سونا ڈالا تھا۔

تھوڑی دیر تک یہ عمل جاری رہا یہاں تک کہ وہ گانٹھ بالکل ختم ہو گئی اور سونا اپنے حجم اور وزن میں دو گنا ہو گیا۔ اس عمل سے حسن نے یہ اندازہ لگایا تھا۔ کہ سرخ کپڑے والی گانٹھیں جو ہیں وہ اگر ایک گانٹھ گرم سوئے میں ڈالی جائے تو وہ سونے کو دو گنا کر دیتی ہے۔

اس کے بعد سنیا سیوں نے دوسرا تجربہ کیا۔ حسن وہیں کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا انہوں نے سونا نکال کر اتنی ہی وزن کی چاندی تپتی ہوئی کڑھائی میں ڈالی۔ اس کے بعد بادا نے چاقو سے ایک گانٹھ ان بوٹیوں کی کافی جن کے ساتھ سفید کپڑے بندھے ہوئے تھے۔ اسے سونائی مونا دستے سے کوٹا پھر کڑھائی میں ڈالا۔ تھوڑی دیر بعد پہلی گانٹھ کی طرح وہ بھی گانٹھ غائب ہو گئی اور جو چاندی کڑھائی ڈالی تھی وہ دو گنی ہو گئی تھی۔

یہ دونوں تجربے کرنے کے بعد بادا سنیا سی اور پاروتی حرکت میں آئے خبیے میں جا کر سنیا سی بادا پاروتی چھوٹی چھوٹی کھڑیاں لے آئے پھر انہوں نے سرخ اور سفید کپڑے والے بوٹیوں کی گانٹھیں شروع کر دی تھیں کافی دیر تک وہ یہ عمل کرتے رہے گاٹھیں علیحدہ کرنے کے بعد اوپر جو خاصیت اور پتیاں تھیں وہ انہوں نے ایک طرف پیٹھیک دی تھیں میں اپنے بستر میں اونگھتا رہا سردی کے باوجود حسن دروازے پر کھڑا رہا ساری گانٹھیں کاٹنے کے بعد سنیا سیوں اور بادا نے وہ گانٹھیں آپس میں برابر برابر تقسیم کر لی تھیں۔

جب وہ بادا اور سنیا سی اٹھ کر اپنے خیموں کی طرف جانے لگے تو حسن بھی چپکے سے اپنے بستر میں گھس گیا تھا۔ اس طرح وہ رات گزر گئی۔

اگلے روز بادا نے پھر ہمیں بلایا اور ان دو بوٹیوں کے علاوہ جو ہم نے دوسری بے شمار بوٹیاں کافی تھیں اور جنہیں بادا کی اور سنیا سیوں نے سامنے میں رکھا ہوا تھا

گھاس خفیہ طور پر حسن نے بھی اپنے پاس جمع کر لی تھی۔ بہر حال سفر جاری رہا سری نگر کی طرف جاتے ہوئے جب میں دونوں سنیاہی حسن اور پاروتی ایک بلند چوٹی سے ہوتے ہوئے نشیب اور پستی کی طرف اترنے والے تھے تب دوران گفتگو باوا اور اس کے ساتھ سنیاہی کو شک ہی نہیں یقین ہو گیا کہ حسن ان کی جڑی بوٹیوں کے خواص سے آگاہ ہو گیا ہے شاید یہ صورت حال گفتگو کے دوران اعتیاد بہتے کی وجہ سے پیش آ گئی تھی۔ بہر حال یہ امر یہ شدہ تھا کہ باوا اور اس کے ساتھی سنیاہی کو جتنہ یقین ہو گیا تھا کہ حسن کچھ بوٹیوں کے خواص سے آگاہ ہو چکا ہے۔ اس وقت تو نہ باوا اور اس کے ساتھی سنیاہی نے اس بات کا اظہار کیا نہ حسن اور مجھے جی یہ احساس ہوا کہ جس وقت ہم بلند چوٹی پر گفتگو کرتے ہوئے نشیب میں اتر رہے تھے تو گفتگو کے دوران باوا اور اس کے ساتھی کو حسن پر شک ہو گیا تھا ان دونوں نے اپنے چہرے پر کوئی اس طرح کے تاثرات نہیں آنے دیتے تھے۔

نشیب میں اترنے کے بعد پھر ہم نے ایک کوہستانی سلسلے پر چڑھنا شروع کیا سنیاہیوں کی ٹخریں رہی تو انہیں کوہستانی سلسلے کی ان مسافتوں کو وہ بڑی تیزی سے ناپتی تھیں جہاں تک کہ ہم ایک ایسے بلند سلسلے کے اوپر گئے جہاں بادل گہری دھند کی صورت میں چھانے ہوئے تھے۔ اس وقت دن تمام ہو رہا تھا۔ سورج غروب ہونے کے لیے مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ آسمان پر تاریکیاں پھیلنے کی تیاریاں کرنے لگی تھیں شفق کے شائبے سرخ ہونا شروع ہو گئے تھے باوا نے اس کوہستانی سلسلے کی چوٹی پر چڑھ کر نے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لہذا وہاں خیمے نصب کر دیئے گئے۔

گورکن رمضان پیر دم لینے کے لیے رکھ لیا پھر کے لیے اس نے احمد کی طرف دیکھا اس کے بعد پیر سلسلہ کلام شروع کیا۔

میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میرے اپنے ذاتی خیال کے مطابق اس وقت باوا اور اس کے ساتھی سنیاہی کو یہ بھی شک ہو گیا تھا کہ باوا کی جھنجھٹی پاروتی اور حسن ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ بہر حال اس وقت تک باوا اور اس کے ساتھی سنیاہی نے اپنے چہرے اپنے اطوار اپنی گفتگو سے کسی قسم کا شک شبہ ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔

بوٹیوں سے متعلق وہ نہیں جانتا کہ اگر پاروتی اس کے قریب ہو جائے تو وہ پاروتی سے سارے راز جان سکتا ہے لیکن آہستہ آہستہ پاروتی اور حسن دونوں ہی ایک دوسرے کی محبت اور الفت میں کھ گئے تھے۔

ان سارے سنیاہیوں نے چند وقتوں تک انہیں ہمالیائی چوٹیوں پر قیام کیے رکھا جب جڑی بوٹیوں کے پتے علیحدہ ہو گئے تب وہ پتے بھی انہوں نے آپس میں بانٹ لیے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی ایک مجلس مشورہ کی جس میں سارے سنیاہیوں کے علاوہ پاروتی اور ہم دونوں بھی شامل ہوئے۔ اب انہوں نے اپنے کوچ کا پروگرام بنانا شروع کیا تھا۔

کوچ اس طرح ہوا کہ دو دو سنیاہیوں کو یکجا کیا گیا اور ان کے لیے مختلف شہر معین کر دیئے گئے یہ سارا کام ان کا باوا سر انجام دے رہا تھا۔

باوا اور اس کے ساتھ ایک دوسرے سنیاہی کے حصے کشمیر کے کچھ شہر اور سری نگر آیا کچھ دوسرے سنیاہیوں کو لاہور دہلی اور دیگر شہروں کی طرف جانے کے لیے کہا گیا۔ جب سنیاہیوں کو یہ بتا دیا گیا کہ کس کس نے کس کس شہر کی طرف جانا ہے تب باوا نے ایک سال بعد کی تاریخ مقرر کی یہ وہ تاریخ تھی جس تاریخ کو لاہور میں داتا کا عرس گنتا ہے باوا نے یہ حکم دیا تھا کہ داتا کا عرس کے دنوں میں سارے سنیاہی لاہور میں داتا دربار کے سامنے جمع ہوں گے اس کے بعد اپنے سینے لائے عمل کا آغاز کیا جائے گا۔

میرے اور حسن سے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ باوا بڑا زحما ہے لہذا مجھے اور حسن دونوں کو باوا کی خدمت پر لگ دیا گیا اس طرح ہم نے بھی باوا اور ایک دوسرے سنیاہی کے ساتھ کشمیر کے مختلف شہروں کی طرف جانا تھا۔ جب یہ سارا لائحہ عمل اپنی آخری شکل کو پہنچا تب سارے سنیاہی ان ہمالیائی بلند یوں سے اپنے اپنے شہروں کو کوچ کر گئے تھے۔

احمد میرے سینے ان سنیاہیوں کے ساتھ سفر کرنا بڑا آسان تھا نہ گرمی کا ڈر نہ سردی کا خطرہ اگر سردی محسوس ہو تو باوا کے پاس اس گھاس کا کافی ذخیرہ تھا۔ جو سردی اور برف باری کے باوجود انسانی جسم کو پسینہ پسینہ کر کے رکھ دیتا تھا اور یہ

بادا کے ہاتھ میں پیٹل کی ایک سرمہ دانی تھی جس کے اندر سلائی بھی رکھی ہوئی تھی اور اپنے دانتیں ہاتھ سے سرمہ دانی کے اندر سے بادا نے سلائی نکالی اور حسن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

حسن میرے بیٹے میں آج پہلی بار تمہارے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اپنی ہمتی سے لے کر جہاں تک جو تو نے ہماری خدمت کی ہے کوئی سرا اپنا بیٹا ہوتا تو ایسی خدمت وہ ہرگز نہیں کرتا۔ میں تیری اس خدمت کا اعتراف کرتا ہوں اور ساتھ تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سری نگرنیج کر میں تمہیں کچھ اس طرح نوازدں گا کہ اپنی آنے والی زندگی کے سارے دنوں میں تم بغیر کچھ کام کے عیش کرتے رہو گے۔ دیکھ بیٹے جس کوستانی سلسلے کے اوپر ہم اسوقت کھڑے ہیں تم دیکھتے ہو جہاں بادل کبھی کبھی اس طرح پھیلا ہوا ہے جہاں آنکھوں کی بنیائی فصاع ہونے کا خطرو ہے۔ لہذا تم اور رمضان دونوں اس سرے کی ایک ایک سلائی اپنی آنکھوں میں پھیر لو اس طرح تم بنیائی کی محرومی سے محفوظ رہو گے۔ میں اور میرا ساتھی بھی اس کی ایک ایک سلائی ڈال چکے ہیں تم دونوں کے بعد اسی سرے کی ایک ایک سلائی پاروتی کی آنکھوں میں بھی ڈالی جائے گی تاکہ ہم سب محفوظ رہ کر اپنے سفر کو جاری رکھ سکیں۔

جس وقت بادا یہ گفتگو کر رہا تھا اس وقت بادا کے پیچھے کھڑی بادا کی بھتیجی پاروتی غیب سے انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے حسن کو اشارہ کر رہی تھی وہ دو طرح کا اشارہ دے رہی تھی ایک یہ کہ سرمہ مت ڈلوانا دوسرا کبھی کبھی وہ اپنی آنکھوں کی طرف ہاتھ لیٹاتی تھی اور یہ اشارہ دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ اگر سرمہ ڈالو گے تو اندھے ہو جاؤ گا۔

حسن پہلے ہی بادا اور سنیاس کی طرف سے مشکوک تھا اور پھر پاروتی بھی اشارہ کرتے ہوئے اسے سرمہ لگانے سے منع کر رہی تھی۔ اب مجھے اور حسن کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ بادا کو ہمت یقین ہے کہ حسن کو اس کے کچھ رازوں کی خبر ہو گئی ہے۔ لہذا وہ سرمہ ڈال کر بادا مجھے اور حسن کو اندھا کرنا چاہتا تھا۔ بادا کی اس ساری گفتگو کے جواب میں حسن بادا کے قریب ہوا اور بڑی جرات مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بادا کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ پہلے یہ سرمہ تم میری موجودگی میں اپنی

کوستانی سلسلے کی جس چوٹی کا میں نے ذکر کیا ہے جس کے اوپر ہم نے پڑاؤ کیا تھا میں بتا چکا ہوں اس کے اوپر کبھی صورت گہرے بادل پھیلے ہوئے تھے۔ بادا نے مجھے اور حسن کو شیے نصب کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سامنے لکڑیاں کاٹ کر پڑاؤ کرنے کے لیے کہا خود وہ اپنے ساتھی سنیاس کے ساتھ ایک چٹان پر بیٹھ گیا اور دونوں مل کر لکڑیوں میں صلاح و مشورہ کرنے لگے۔ اس دوران میں نے دیکھا حسن چورنگوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا حسن کے ساتھ بادا کی بھتیجی پاروتی بھی ہمارے ساتھ کام میں مصروف تھی اور حسن کے ساتھ ساتھ وہ بھی غیب سے انداز میں اپنے بچا اور دوسرے سنیاس کی طرف دیکھ رہی تھی اس موقع پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ حسن اور پاروتی دونوں راز دارانہ سی سرکوشی بھی کرتے جا رہے تھے جیسے میں ذرا فاصلے پر ہونے کی وجہ سے سن نہ سکا تھا۔

سب سے پہلے ہم نے وہاں شیے نصب کئے پھر بادا کے کہنے پر ہم نے کھڑا سے لیے اور کچھ لکڑیاں کاٹ کر ہم نے وہاں دھیر کرنی شروع کیں پاروتی حسن سے اس قدر مانوس ہو چکی تھی کہ جو لکڑیاں میں اور حسن کاٹ رہے تھے۔ وہ اٹھا کر خیمہ گاہ کے آگے رکھنے لگی تھی۔ اس کی اس حرکت کو بادا ہی نہیں دوسرا سنیاس بھی تائید کر رہا تھا دو ایک بار بادا نے پاروتی کو کہنے پاس بلایا اور بیٹھنے کے لیے کہا لیکن پاروتی پھر اٹھ جاتی اور ہمارے ساتھ کام میں لگ جاتی یوں ہم نے خیمہ گاہ کے آگے لکڑیوں کا دھیر لگا کے آگ جلا دی تھی۔ جب آگ جل چکی تب بادا اور دوسرا سنیاس دونوں خیمے میں داخل ہوئے۔

ان دونوں کی ان حرکات کو سب سے زیادہ مشکوک انداز میں پاروتی دیکھ رہی تھی۔ اور پاروتی کے اطوار دیکھتے ہوئے حسن بھی تشویش میں مبتلا تھا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں حسن مجھ سے چار پانچ سال بڑا تھا۔ بڑا توانا بڑا جنگش اور بڑا زور دار جوان تھا۔ خیمے میں داخل ہونے کے بعد بادا اور سنیاس دونوں آگے پیچھے باہر آئے بادا سیدھا حسن کی طرف آیا اس موقع پر نہ جانے کیا سوچتے ہوئے پاروتی بادا اور اس کے ساتھی سنیاس کی پشت پر جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

بادا اپنے ساتھی سنیاس کے ساتھ جب حسن کے قریب آیا تو میں نے دیکھا

آنکھوں میں ڈالو یہ سرمہ لپٹنے ساتھی سنیاسی کی آنکھوں میں ڈالو اس کے بعد میں اور میرا ساتھی بھی ڈال لیں گے۔ حسن کا یہ جواب سن کر باوا برا بھلا بددعا دے رہا تھا پھر اس نے اپنے ساتھی سنیاسی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کو پکڑو اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈالیں یہ حماقت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

بادا کی شدہ پر وہ سنیاسی آگے بڑھا حسن ایک طرف ہٹ کر باوا کے قریب ہوا باوانے جب اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر سنیاسی سے کہا اس کا دوسرا ہاتھ پکڑو جب پشت کی جانب کھڑی پاروتی باروتی کی طرح پھٹ پڑی اور اپنے بچا یعنی بادا کو مخاطب کرتے ہوئے وہ برس پڑی۔

کیوں تم اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈال کر اسے اندھا کرنا چاہتے ہو چھوڑ دو اس پر بادا غضبناک ہو گیا اور اپنی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا تم اصرار ہی کیا تو بھی اس کے ساتھ مل گئی ہے ان کے بعد میرا بھی خبر نہ آتا ہے لگتا ہے تو میرے ساتھ دھوکا دار قریب کر رہی ہے۔ اور ان کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازش میں شریک ہے۔

بہر حال بادا اور سنیاسی نے حسن کو پکڑ دیا لیکن وہ اکیلا ان دونوں کے قابو نہیں آتا تھا۔ اس موقع پر میں آگے بڑھا میں نے بادا کے ساتھی سنیاسی کو پکڑ کر پیچھے ہٹایا۔ اس نے جب زور لگا اور میں نے اسے جب دھکا دیا تو وہ ایک سمت لڑھکتا ہوا ایک گہری کھائی میں گرا اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ ختم ہو گیا تھا۔

اپنے ساتھی سنیاسی کا یہ انجام دیکھتے ہوئے باوانے حسن کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور جس سمت گہری کھائی میں اس کا ساتھی گرا تھا بادا کنارے پر آ کر نیچے تھکھکنے لگا تھا۔ اس موقع پر حسن پیچھے سے آیا زور دار دھکا اس نے بادا کو دیا بادا جھٹکا جھٹکا گہری کھائی میں پھٹانوں پر جا کر گرا اس کا بھی دم نکل گیا تھا۔ یوں باوا اور اس کا ساتھی سنیاسی دونوں ہلاک ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر تک میں حسن اور پاروتی تینوں گم سم پڑاؤ کے سامنے جلتی آگ کے پاس کھڑے رہے تینوں میں سے کچھ دیر تک کوئی بھی نہ بولا اس لیے کہ جو حادثہ رونما ہوا تھا وہ فی الفور اچانک ہی رونما ہو گیا تھا۔ اور سارے اس حادثے پر دنگ اور

پریشان تھے۔ پھر پاروتی نے حسن کو مخاطب کرتے ہوئے گنگو کا آغاز کیا۔

حسن اور رمضان تم دونوں پریشان کیوں کھڑے ہو جو ہونا تھا ہو چکا اب اس پر تأسف افسوس اور پریشانی کا اظہار کرنے کی کیا ضرورت ہے پاروتی کی اس گنگو پر حسن چونکا پھر اس نے پاروتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

دیکھ پاروتی! میں تمہیں صحیح کہتا ہوں میں باوا اور اس کے ساتھی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا اگر تم مجھے اشارہ نہ کرتیں تو میں شاید سرمہ لگو ہی لیتا میں پہلے تو جہاد اہتا درجہ کا شکر گزار اور ممنون ہوں کہ تو نے مجھے یہ وقت اشارہ کیا۔ میں نے سرمہ ڈلوانے سے انکار کر دیا بہر حال مجھے افسوس ہے کہ جہاد باوا مارا گیا۔ اور اس کے ساتھ دوسرا سنیاسی بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب میں پریشان اس لیے ہوں کہ ان سارے سنیاسیوں نے ایک سال بعد جو لاہور میں ڈاکا کا مرس آ رہا ہے اس میں ملنے کا لاکھ عمل تیار کیا ہے جب مقرر کردہ وقت پر بادا اور اس کا ساتھی سنیاسی لاہور نہیں پہنچیں گے تو ظاہر ہے دوسرے سنیاسی باوا اور جہاد کی خیریت جاننے کے لیے ہمیں تلاش کریں گے۔ سنیاسی میری اور رمضان کی بستی کے بھی جاننے والے ہیں لہذا وہ وہاں آئیں گے پاروتی تم جانتی ہو میں اور رمضان دونوں اہتا درجہ کے قریب آدمی ہیں میرا باپ بستی میں جو کیدار ہے جبکہ رمضان کا باپ ایک معمولی گورکن ہے ہم بڑی مشکل سے گور بسر کرنے والے لوگ ہیں سنیاسی جب ہماری بستی میں آئیں گے تو میں ڈرتا ہوں وہ کہیں ہمارے لیے مشکلات کھڑی نہ کر دیں۔

حسن کی اس گنگو سے پاروتی کے پیڑے پر بڑی پر سکون سربراہت نمودار ہوئی تھی پھر وہ کہنے لگی کہ تم دونوں کو کسی بھی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جہاد کے ساتھ ہوں تو پھر پریشانی کیسی! جو وقت سنیاسیوں نے لاہور میں ڈاکا دربار میں ملنے کا مقرر کیا ہے اس وقت مقدمہ پر میں تم اور رمضان وہاں جائیں گے میں خود انہیں مطمئن کر دوں گی کہ باوا اور دوسرا سنیاسی کو ہستانی سلسلے کے اندر جس وقت ہم ایک ڈھلان میں آگے پیچھے گھوڑوں سے اتر کر پیدل ہی سفر کر رہے تھے تو اچانک باوا کا پاؤں لڑھکا اور اس کے پیچھے پیچھے ہم تھے باوا کے آگے دوسرا سنیاسی تھا جب باوا کا پاؤں لڑھکا تو وہ اپنے ساتھی سنیاسی پر گرا اس طرح دونوں لڑھکتے ہوئے

ساتھ مجرد زندگی بسر کرتے ہوئے وہ تنگ آچکی تھی اور باوا اور اس کے ساتھی سنیاہی کے خاتمے کے بعد وہ بڑا سکون محسوس کر رہی تھی۔ اس کی اسی خوشدلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے فوراً سوال داغ دیا۔

پاروتی میری بہن اگر میں تم سے یہ پوچھوں کہ تم حسن کو پسند کرتی ہو اس سے محبت کرتی ہو اور اس کے ساتھ شادی کی خواہاں ہو تو پھر میرے اس سوال کے جواب میں تم کیا کہو گی۔

میرے اس سوال پر پاروتی نے مجبوراً قہقہہ لگایا پھر ہنستے ہوئے کہنے لگی رمضان بھائی میں جانتی تھی آپ بھی سوال کریں گے اس لیے کہ کوشش کئی دنوں سے میں دیکھ رہی تھی آپ میری اور حسن کی طرف بڑی تیز نگاہوں سے دیکھتے تھے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے تھے کہ کیا ہم واقعی ایک دوسرے کے قریب آچکے ہیں

احمد میرے بیٹے یہاں تک کہنے کے بعد پاروتی رکی تھی اس کے بعد اس نے پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

رمضان میرے بھائی میں تمہارے سامنے سچ اگوں گی جھوٹ نہیں بولوں گی میں حسن کو اس وقت سے چاہتی ہوں جس وقت مختلف بوٹیوں کے پتے بھائیانی بلندیوں پر طلعہ کیے جا رہے تھے۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے مزید قریب آتے رہے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے باہم گفتگو کرتے رہے اس طرح ہم نے ایک دوسرے کو پسند کرنا شروع کر دیا۔ اگر میں حسن کو چاہتی ہوں تو حسن بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اور ہم نے اب یہ عہد و پیمان کر لیا ہے۔ کہ کسی مناسب جگہ پر پہنچ کر ہم شادی کر لیں گے۔

اس سے پہلے میں ذرتی تھی کہ باوا مجھے کسی بھی صورت شادی کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ جس طرح اس نے سنیاہی کی حیثیت سے اپنی ساری زندگی مجرور طور پر گزار دی ہے اسی طرح مجھے بھی وہ ساری زندگی سنیاہی ہی بنا کر رکھے گا شادی کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اور بڑھاپے تک مجھے ان سنیاہیوں کے ساتھ ہی دنگے کمانے پڑیں گے۔ اسی بناء پر جہاں کہیں، جہاں جانا ہوتا تھا باوا مجھے ساتھ رکھتا تھا اور

گہری گھڑ میں گرے اور ہلاک ہو گئے میرے خیال میں جب میں انہیں مطمئن کر دوں گی تو ان میں سے کسی کو شک کرنے کی جرأت نہیں ہو گی۔ اب بولو کہ ہمیں کسی پریشانی ہے۔

پاروتی کی اس گفتگو سے حسن کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا اس کے چہرے پر تفکرات اور پریشانیوں کے جو آثار نمودار ہوئے تھے۔ وہ بھی جانتے رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو فوراً استیصال دیا پھر وہ باری باری میری اور پاروتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ تم دونوں ہمیں کھڑے رموں میں نیچے جا کر دیکھتا ہوں ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی زندہ ہو اور میں ان کی نکاشی بھی لیتا ہوں ہو سکتا ہے ان میں سے کسی کے پاس کوئی کام کی چیز نکل آئے میں وہ بھی لیتا آؤں گا اس کے ساتھ ہی حسن میرا یا پاروتی کا انتظار کیے بغیر پتھر پھلانگتا ہوا نیچے نشیب کی طرف چلا گیا۔

میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اس سے پہلے مجھے اور پاروتی کو کہیں اکیلے بیٹھنے یا کھڑے ہونے کا موقع نہ ملا تھا اس لیے کہ پاروتی ہمہ وقت حسن ہی کے ساتھ رہتی تھی میں صرف یہ جانتا چاہتا تھا کہ یہ قریب عارضی ہے یا پاروتی واقعی حسن کو چاہتی اور اسے پسند کرتی ہے اور اس سے شادی کی خواہاں ہے۔

حسن جھپٹے موٹے پتھروں اور پتھروں کو پھلانگتا ہوا جب نشیب کی طرف چلا گیا تو میں نے پاروتی کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کیا۔

پاروتی میری بہن سب سے پہلے تو میں تمہارا شکر گزار اور ممنون ہوں کہ تو نے باوا اور سنیاہی کی پشت پر کھڑے ہو کر ہمیں مخصوص اشارہ کیا جس پر ہم نے باوا سے سرمہ ڈالوانے سے انکار کر دیا اس طرح تو نے ہم دونوں بھائیوں کو اندھا ہونے سے بچایا۔

پاروتی بے چاری میری اس گفتگو کے جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ میں نے اسے پھر مخاطب کر لیا۔

پاروتی تو میری بہن کی مانند ہے ایک سوال تم سے پوچھتا ہوں جھوٹ مت کہنا اور میں توقع بھی رکھتا ہوں کہ تم میرے سوال کا جواب حقیقت پر مبنی رکھتے ہوئے دو گی۔ میرے اس سوال پر پاروتی مسکراتی رہی وہ بڑی خوش تھی۔ شاید باوا کے ساتھ

میں نے باری باری حسن اور پاروتی کی طرف دیکھا پھر حسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ حسن میرے بھائی اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو اس سلسلے میں میں گفتگو کا آغاز کروں۔ حسن نے مجھے بولنے کی اجازت دے دی تب میں نے پاروتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

پاروتی اب جبکہ جسے نصیب ہو چکے ہیں تو میرا مشورہ ہے آج کی رات ہم یہاں بسر کریں۔ سورج اب غروب ہونے والا ہے۔ تم باوا کے خیمے میں آرام کرنا میں اور حسن باری باری یہاں پہرہ دیں گے۔ اور ساتھ ہی باری باری سوئے بھی رہیں گے۔ علی الصبح جہاں سے ہم سیدھا اپنی بستی کا رخ کریں گے۔ ہمیں نہ سرہنگر جانے کی ضرورت ہے نہ کھنکھیرے کسی اور شہر کی طرف۔ سیدھا اپنی بستی کی طرف جائیں گے۔ وہاں پورا سال گزاریں گے اور جو دن سنیاسیوں نے دانا و بار میں ملنے کا مقرر کیا ہے اس دن ان سے ملنے کے بعد پھر واپس اپنی بستی میں جا کر اپنے کام دھندلے میں لگ جائیں گے۔ جہاں سے جب ہم سیدھا واپس اپنی بستی کی طرف جائیں گے تو سب سے پہلا کام ہو گا وہ یہ کہ تمہاری اور حسن کی شادی کر دی جائے گی۔ اور تم پر سکون انداز میں بستی میں زندگی بسر کر سکو گے۔

احمد میرے بیٹے۔ میرے ان الفاظ پر حسن نے بڑی تیزی سے گھورتے ہوئے میری طرف دیکھا تھا۔ میں اس کے گھورنے کے انداز کو سمجھ گیا تھا پھر میں نے اس پر انکشاف کر دیا کہ جس وقت وہ نیچے نشیب میں باوا اور اس کے ساتھی سنیاسی کی لاشیں دیکھنے گیا تھا تب میں نے تفصیل کے ساتھ پاروتی سے گفتگو کی اور پاروتی نے مجھ پر انکشاف کر دیا کہ وہ حسن کو اور حسن اسے پسند کرتا ہے۔ میرے اس انکشاف پر حسن مسکرا کر رہ گیا تھا۔ اس کے بعد ہم تینوں الاؤ کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر جب سورج غروب ہوا پاروتی نے اپنے اور ہمارے کھانے کا انتظام کیا۔ کھانا کھانے کے بعد پاروتی سو گئی میں اور حسن باری باری جاگتے ہوئے پہرہ دیتے رہے۔ اگلے روز ہم نے اپنا پڑا وہاں سے اٹھایا۔ پاروتی چونکہ ان سارے راستوں سے واقف تھی لہذا ہماری راہنمائی کرتی ہوئی وہ ہمیں ہماری بستی کی طرف لائی۔

اس عرصے کے دوران ہماری مزید بد قسمتی یہ ہوئی کہ میری اس غیر موجودگی

اس نے مجھے ساری چڑی بویوں کے خواص تک بھی بتائے ہوئے ہیں تاکہ جب وہ مر جائے تو اس کے بعد اس کے کام کو میں سنبھالوں۔

جب تک وہ زندہ تھا میں بابوس بھی۔ حسن کے متعلق اپنی محبت کے لیے سوچتی تھی تو کبھی کبھی پریشان ہو جاتی تھی کہ میرا اور حسن کا کیا ہے گا۔ اس لیے کہ باوا ابھی بھی مجھے نہ اپنے آپ سے علیحدہ کرے گا نہ شادی کرنے کی اجازت دے گا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ حسن کے ساتھ بھاگ جاؤں۔ اگر میں ایسا کرتی تو باوا اور اس کے سنیاسی ضرور حسن کی بستی کا پتھا کرتے اور وہاں مجھے اور حسن کو تلاش کرتے پھر حسن کی بستی میں ہماری بڑی رسوائی ہوتی۔ اب جبکہ باوا اور ساتھی سنیاسی میڑے خیال میں موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں تو اب میری اور حسن کی محبت کی راہ میں کوئی حائل نہیں ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد پاروتی خاموش ہو گئی اس لیے کہ حسن نشیب سے اوپر آگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چڑے کی دو تصیلیاں تھیں جن میں نقدی تھی۔ وہ لا کر اس نے پاروتی کی طرف بڑھا میں پھر وہ پاروتی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پاروتی یہ دو تصیلیاں باوا اور اس کے ساتھی سنیاسی سے ملی ہیں ان میں کافی رقم ہے۔ یہ تم اپنے پاس رکھ لو سفر کے دوران یہ ہمارے کام آئے گی۔ جو اب میں پاروتی نے تیر لگا ہونے حسن کی طرف دیکھا پھر وہ کہنے لگی۔

حسن یہ چیزیں تمہارے رکھنے کی ہیں۔ مجھے کیوں دے رہے ہو۔ اگر مجھے کبھی ضرورت پڑی تو میں تم سے مانگ لوں گی۔ سب چیزیں سنبھال کر رکھو یہ نقدی تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ باوا کے سامن میں اس سے بھی زیادہ نقدی ہوگی۔ میں کہتی ہوں کہ جب باوا کا خیمہ میں آپ کو دکھاؤں گی اور اس کے صندوقے کھولوں گی تو آپ نقدی دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے۔ بلکہ اس قدر رقم یہاں موجود ہوگی جس سے ہم اپنی ساری زندگی بخوشی گزار سکتے ہیں اور پھر جو سنیاسیوں کے راز۔ اور نفعے ہمارے پاس ہیں انہیں کام میں لاتے ہوئے تم کو کبھی غریب ہو ہی نہیں سکتے۔ اب آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ آپ لوگوں کا لالچ عمل کیا ہے۔ اس موقع پر حسن کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ احمد میرے بیٹے میں اس سے پہلے ہی بول پڑا۔

کوئی سواں ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ یوں سال دو سال بعد جس طرح پروگرام طے ہوتا جس اور پاروقی دونوں میاں بیوی ان سنیاسیوں کے ساتھ ہمالیائی بلندیوں کی طرف جاتے اور وہاں سے وہ جہیز اور دوسری جہزی بویاں لاتے۔

حسن اور پاروقی کا یہ معمول تھا کہ بس سونا دو گنا کر کے گزر بسر کرتے بس یوں جانو کہ بڑے اعلیٰ پایہ کی گزر بسر کرتے میری بھی خوب مدد کرتے اور جو دیگر جہزی بویوں کے اثرات سے پاروقی نے حسن کو آگاہ کیا تھا اس سے حسن بسنی اور آس پاس کی دیگر بستیوں کے لوگوں کا مفت علاج کیا کرتا تھا۔

آخر سونے کو دو گنا کرتے کرتے حسن اور پاروقی نے خوب دولت جمع کی تھی اس کو استعمال کرتے ہوئے حسن نے پہلے بسنی کے باہر وہ جو سائنس عمارت دکھائی دے رہی ہے وہ بنائی۔ جہاں اس نے پرائمری اسکول کھلوا دیا اور پرائمری اسکول حکومت سے اس نے منظور بھی کرایا۔ جب یہ پرائمری اسکول خوب چل گیا تب اس نے وہ جو کھڑو عمارت دران پڑی ہوئی ہے وہ اپنی رہائش کے لیے تعمیری۔ اس میں اس نے اپنی بیوی پاروقی کے ساتھ رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس دوران حسن اور پاروقی کے جہاں دو بیٹے بھی ہوئے۔

حسن برابر میرے پیچھے پڑا رہا کہ میں شادی کر لوں۔ لیکن میں انکار کرتا رہا۔ آخر جب اس نے زیادہ زور ڈالا تب ایک قریبی گاؤں کی لڑکی سے حسن نے میری شادی کر دی اور اور حسن نے مجھے اور میری بیوی کو بھی اسی جی حویلی میں رکھ لیا۔ اس طرح ہم چڑی خوش و غرم زندگی بسر کرنے لگے تھے۔

پھر ان بستیوں میں ایک خونی انقلاب رونما ہوا۔ ہماری اور دیگر بستیوں کے کچے اوباشوں میں سے چارہٹ بڑے اور مہابد محاش خیال کئے جاتے تھے۔ انہیں ایک مسلمان دو ہندو اور ایک سکھ تھا۔ ان چاروں کا آپس میں بڑا یاراء تھا۔ انتہائی قسم کے آوارہ مد محاش اور غیر ذمہ دار انسان تھے۔

انہیں جب خبر ہوئی کہ حسن اور میرا باپ تو اتنا درجہ کے عزیز تھے میرا باپ گورکن تھا حسن کا باپ جو کیدار تھا۔ پھر حسن نے کچھ بسنی سے باہر ایک عالیشان عمارت اسکول کے لیے بنوا دی۔ اور کچھ ایک محل بنا رہائش گاہ اپنی بسنی

میں میرا باپ مر گیا۔ اس کی جگہ میں نے اس قبرستان میں گورکن کے فرانس سنبھال لیے۔ بسنی میں داخل ہونے کے چند ہی روز بعد پاروقی اور حسن کی شادی کر دی گئی۔ وہ خوش و غرم رہنے لگے۔ چند ماہ بعد حسن کے ماں باپ بھی یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔ اس کی جو دو بہنیں تھیں وہ اپنے اپنے گھروں میں پہلے ہی بنیادی ہوئی تھی۔

اب حسن کا یہ کام تھا کہ روزانہ گھر سے گئے میں کشتول ڈالتے ہوئے نکلتا بظاہر یہی پتہ چلتا کہ وہ بھیک مانگنے کے لیے نکلتا ہے۔ جو کشتول وہ گئے میں ڈال کر نکلتا تھا وہ کشتول بھی اسے سنیاسیوں کے سامان ہی سے ملتا تھا۔ لیکن وہ بھیک نہیں مانگتا تھا۔ کبھی تالے کے اس پار دھڑے میں جا کر کسی درخت کے نیچے لیٹ رہتا تھا یا تھوڑی دیر باہر گھومنے کے بعد واپس اپنی بیوی کے پاس آ جاتا تھا۔ ایک سنیاسی اور بادا کے حصے میں سرخ اور سفید کپڑوں والی جو گاٹھیں آتی تھیں وہ حسن اور پاروقی کی کھچت میں تھیں۔ اور پاروقی کے پاس کچھ سونا اور چاندی بھی تھا۔ جو اسے بادا کے سامان سے حاصل ہوا تھا۔ بس دونوں میاں بیوی ان جہزی بویوں کو استعمال کرتے ہوئے سونے کو دو گنا کرتے اس سے میری بھی مدد کرتے اپنی بھی اچھی گزر بسر کرتے رہتے۔ اس کے علاوہ پاروقی نے ساری جہزی بویوں کے خواص و اثرات سے بھی حسن کو آگاہ کر دیا تھا۔ اس طرح پاروقی نے حسن کو نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کا سنیاسی بلکہ ایک عمدہ حکیم بھی بنا کر رکھ دیا تھا۔

جب سال پورا ہوا تو ہم تینوں وانا دربار گئے۔ وہاں وعدے کے مطابق دوسری سنیاسی بھی ملے۔ پاروقی نے ان پر انکشاف کیا کہ جس وقت وہ کتھیر کی طرف جا رہے تھے آگے چھوڑا سنیاسی اسکے پیچھے بادا اس کے پیچھے میں تھے بادا کا پاؤں پھسلا وہ دوسرے سنیاسی پر گرا۔ اس طرح وہ دونوں لڑ سکتے ہوئے نشیب میں چلے گئے اور مر گئے۔ اس کے بعد پاروقی نے یہ بھی بہانا بنایا کہ اکیلی ہونے کی وجہ سے وہ حسن اور رمضان کیساتھ چلی گئی اور حسن سے شادی کر کے ان کی بی بسنی میں رہائش اختیار کر لی ہے۔

ان سارے سنیاسیوں نے اس حادثے کو دل سے قبول کر لیا تھا۔ اس حادثے کی خبر دینے والی پاروقی تھی جو بادا کی گئی بھتیجی تھی۔ لہذا اعتبار اور بھروسہ نہ کرنے کا

کہ قاتلوں کی تلاش کریں مگر کسی کو کوئی سراغ نہ ملا۔

لوگوں نے تجھے بہت کہا کہ میں تمہارے جا کر بیٹ لکھاؤں۔ لیکن اسی دوران رات کے وقت جب میں اس قبرستان میں آکر سوتا تھا تو پچھلے سے تجھے سرگوشتوں جیسی آوازوں میں دھمکیاں دیتے تھے کہاڑیاں اور برہمچیاں کھٹکھٹاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اگر میں نے تمہارے جا کر بیٹ لکھاؤں تو اسی قبرستان میں میرا لگا کاٹ دیا جائے گا۔ لہذا میں بچ ہو رہا۔ جس روز حویلی میں میری بیوی اور حسن اور اس کے اہل خانہ کو قتل کیا گیا تھا اسکے بعد میں نے حویلی کی رہائش ترک کر کے مستقل طور پر اسی قبرستان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ احمد میرے بیٹے جس وقت تم قبرستان میں آئے تو میں کچھ قبروں پر مٹی ڈال رہا تھا یہ قبریں میری بیوی۔ حسن اور اس کی بیوی اور دونوں بچوں کی ہیں۔

مجھے شک ہو گیا تھا کہ قاتل وہی چاروں ادواش ہیں اس لیے کہ جس وقت رات کے وقت کبھی کبھی آکر ڈراتے دھمکاتے تھے تو کسی قدر میں ان کی آوازوں سے شناسا ہو گیا تھا۔ لیکن میں نے کسی سے ذکر نہ کیا۔ بہر حال وہ چاروں بد معاش جھپٹے کی طرح دندناتے رہے لیکن حسن کی موت کے صرف چند ہی ہفتے بعد ان بستیوں میں خونی انقلاب رونما ہونا شروع ہوا۔ حسن کی روح نمودار ہونا شروع ہوئی اسے ہی مجھے بستی میں ہفتے میں چکر لگا کر وہ جو کیرائی کیا کرتا تھا۔ اب ایسی ہی اس کی روح قبرستان سے مختلف سمتوں کو جاتی ہے۔ اس میں اضافہ یہ ہوتا ہے کہ اس نے گئے ہیں وہ کشتوں کا رکھا ہوتا ہے۔ جو سنہائی بننے کے بعد اس نے استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ قبرستان سے نکل کر اس کی روح کبھی اپنی حویلی کی طرف جاتی ہے کبھی پرائمری اسکول کی طرف اور کبھی نالے کے سامنے جو بند ہے اسے عبور کرنے کے بعد نالے سے گزرنے کے بعد جنگل کی طرف چلی جاتی ہے جہاں اکثر و بیشتر کشتوں لگے ہیں لڑکا کر وہ وہاں جا کر سو رہتا تھا۔

بظاہر ان ساری بستیوں کے لوگوں اور ان چاروں قاتلوں نے بھی کچھ دیا تھا کہ میری بیوی کے علاوہ حسن اور اس کے اہل خانہ کو جو قتل کیا گیا ہے وہ معاملہ دفع دفع ہو گیا ہے۔ چونکہ کسی نے تمہارے جا کر بیٹ نہیں لکھاؤں تھے لہذا لوہیں نے

سے باہر لپٹے ہوا ڈالی۔ یہ کام حسن اور میرے متعلق ان لوگوں کو مشکوک کر گئے تھے۔ اور انہوں نے ہم پر گہری نگاہ رکھنا شروع کر دی تھی۔

میں اکثر و بیشتر اسی قبرستان میں رہتا تھا کیونکہ یہ قبرستان پانچ چھ گاؤں کا مشترک ہے لہذا یہاں میرا اکثر و بیشتر وقت گزرتا۔ وہ چاروں بد معاش ہمارے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور اس کریدنی میں تھے کہ آخر اتنی دولت ہمارے پاس کہاں سے آئی ہے۔ انہوں نے یہ بھی جائزہ لے لیا تھا کہ نہ میں کچھ زیادہ کماتا ہوں نہ ہی حسن کوئی کام کرتا ہے اور یہ کہ دن بھر کشتوں لگنے میں ڈالے گھوم گھام کر واپس اپنی حویلی میں آ جاتا ہے۔ اس سے انہیں یہ شک ہوا کہ کچھ عرصہ میں اور حسن باہر رہے اور باہر سے کسی ہندو لڑکی کو اپنے ساتھ لا کر شادی کر لی تو ضرور ہم باہر کہیں سے دولت سمیٹ کر لائے ہیں اور یہ دولت ہم نے حویلی میں جمع کر رکھی ہے۔

پس اسی خام خیالی میں ایک روز جبکہ ساتھ والی بستی کا ایک آدمی فوت ہوا تھا اور رات کے وقت میں اس کے لیے اس قبرستان میں قبر کھود رہا تھا۔ وہ چاروں ادواش اور بد معاش حویلی میں داخل ہوئے حسن اس کی بیوی پاروٹی اس کے دونوں بیٹے اور میری بیوی کو انہوں نے قتل کر دیا۔ ساری حویلی کی انہوں نے تلاش لے کر ان کی بد معاشی انہیں کچھ نہ ملا۔ اس لیے کہ حسن اس وقت سونے کو دو گنا کرتا تھا اور بازار جا کر بچتا تھا جب اسے ضرورت پڑتی تھی۔ زائد سونا وہ گھر پر نہیں رکھتا تھا۔ شہر کے ستار سے اس نے بات کر رکھی تھی جب بھی ضرورت ہوتی انہی جڑوں کو استعمال کرتے ہوئے وہ سونا پانچاندی دو گنا کر تا اس ستار کے پاس بچتا اپنی ضرورت پوری کر لیتا تھا جھپٹے شروع میں وہ واقعی کافی دولت جمع کرتا رہا تھا اسی سے اس نے پرائمری اسکول اور اپنی حویلی بنا ڈالی تھی۔ جب حویلی کی تعمیر کے بعد معمول کے مطابق دن گزرنے لگے تب وہ اسی قدر سونا دو گنا کرتا تھا جس سے اس کے بیوی بچوں میرے اور میری بیوی کے اخراجات پورے ہو جاتیں۔

لہذا ان چاروں ادواشوں نے جب حسن اس کی بیوی بچوں اور میری بیوی کو قتل کرنے کے بعد حویلی کی تلاشی لی تو انہیں کچھ نہ ملا وہ مایوس اور نامید ہو کر چلے گئے۔ بستی والوں نے ہی نہیں بلکہ آس پاس کی بستی والوں نے بھی بہت کوشش کی

کافی دیر کا صدر دروازے کی طرف گیا ہے اور واپس نہیں لوٹا تو وہ فکر مند ہوئے۔ اس کے گھر والے جب اٹھ کر دروازے پر آئے تو انہوں نے دیکھا۔

آندھیاں طوفان اسی طرح جل رہے تھے آسمان پر بادل گرج رہے تھے۔ بجلی جھک رہی تھی۔ طوفان کے آگے درخت ہری طرح جھوم رہے تھے۔ ان کے مکان کا دروازہ کھلا تھا اور دروازے پر اس قاتل کی لاش پڑی ہوئی تھی جو حسن اس کے اہل خانہ اور میری بیوی کے قتل میں ملوث تھا۔

اس قاتل کے لواحقین رشتہ داروں اور بھائیوں اور باپ نے اسی وقت گاؤں کی گلی گلی چھان ماری کہ شاید قاتل کہیں مل جائے لیکن وہ قاتل کو تلاش نہ کر سکے۔ کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ اس شخص کو ہلاک کس نے کیا ہے۔

اس طرح یہ معاملہ چند دن بعد رفع دفع ہو گیا۔ بات آئی گئی ہو گئی لوگ اس کی موت کو فراموش کر گئے لیکن چند ہی ماہ بعد ایک اور حادثہ رونما ہوا اور وہ اس طرح کہ ان علاقوں میں میساکھی کا میلہ لگتا ہے اس میلے میں مسلمان ہندو۔ سکھ عیسائی سبھی شامل ہوتے ہیں۔ وہ دو ہندو بھائی جو حسن اور اس کے اہل خانہ اور میری بیوی کے قتل میں ملوث تھے وہ بھی اس میلے میں گئے تھے۔ احمد! تم جانتے ہو جب میلہ ہوتا ہے تو کافی رات گئے تک میلہ جاری رہتا ہے اور رات کو لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں پس وہ دو ہندو بھی اپنی بستی کے کچھ دوسرے جوانوں کے ساتھ میساکھی کے میلے سے واپس آ رہے تھے۔ میلہ وہ جو سلسلے برساتی نالہ ہے اس کے پار لگتا تھا۔ گرما کا موسم تھا اور گرمی میں نالے کے درمیان میں پانی کی ایک چھوٹی سی لکیر بہتی ہے جب وہ دو ہندو قاتل اور ان کے ساتھ ہماری بستیوں کے کچھ دوسرے جوان پانی کی اس لکیر کے قریب آئے حب ان دونوں بھائیوں کے سلسلے اپنا تک حسن کی روح نمودار ہوئی اس کے ہاتھ میں اسی طرح چلتی ہوئی جی اور کندھے پر اس کا سیاہ رنگ کا کشتول تھا۔ حسن کی روح کو دیکھتے ہوئے بستی کے لوگ لرز کاٹ پگھل گئے اور بھاگ گئے۔

وہ بے حاشہ بھلگے ہوئے اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر بستی کی طرف آئے جبکہ وہ دونوں بھائی جو قاتل تھے وہ بھاگ نہ سکے۔ انہیں ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ان کے پاؤں کسی نے زمین کے ساتھ باندھ دیئے ہوں۔ پھر کیا ہوا کسی کو کچھ خبر نہیں۔ دوسرے جوان

کوئی خاص پتھا بھی نہ کیا تھا۔ اور پھر ان چاروں پر کوئی شک کرنے والا نہ تھا۔ دے کر میں تھا مجھے اکثر رات کو وہ قبرستان میں عجیب طرح سے دھمکیاں دیتے تھے۔ پولیس نے جب مجھ سے پوچھ گچھ کی تو میں نے نہ کسی کا نام لیا نہ کسی پر شک ظاہر کیا۔ دراصل میں ان چاروں کے ہاتھوں بدترین موت نہیں مرنا چاہتا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد گورکن رمضان پتھارہ دکھ اور افسوس کے باعث چپ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غمی اترا آئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ ہونٹ کاٹا رہا اس کے بعد دوبارہ وہ بول پڑا۔

احمد میرے بیٹے۔ گو انسان اپنی طاقت اپنی بساط کے مطابق بہت کچھ کرتا ہے لیکن آخری بات اور آخری فیصلہ وہی ہوتا ہے جو میرا اللہ کرتا ہے۔ قاتل مطمئن تھے کہ کوئی انکا پتھا کرنے والا نہیں۔ وہ پر سکون تھے کہ انہوں نے اپنے لوگوں کو قتل کر دیا پر کسی نے ان سے باز پرس نہیں کی۔ پر ایک خدا جو ہر چیز کا دیکھنے والا ہے ہر شے پر نگاہ رکھے ہوئے ہے جب اس کی طرف سے مکافات عمل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو پھر کوئی اس مکافات سے بچ نہیں سکتا۔ یہی حالت ان چاروں قاتلوں کی ہوئی۔ پہلے اسکی باری آئی جو مسلمان تھا۔

ہوایوں کہ حسن اور اس کے اہل خانہ اور میری بیوی کے مرنے کے لگ بھگ ایک یا دو ماہ بعد حسن کی روح نے اس قبرستان میں ظاہر ہونا شروع کر دیا تھا پھر ایک بڑی آندھی اور بڑی طوفان کی رات تھی جنوری کا مہینہ تھا۔ سردی اپنے زوروں پر تھی۔ اس روز آسمان پر بادل اس طرح کراک رہے تھے۔ جیسے زمین پر بجلی گرے گی اور ہر شے کو ہنس ہنس کر دے دے گی۔ آندھیاں اس دور سے چل رہی تھیں جیسے زمین کو اس کے پاتال تک ہلا کر رکھ دے گی کئی درخت ٹوٹ گئے تھے شاخیں ہنسیاں اپنے تنوں سے جدا ہو رہی تھیں طوفان لگتا تھا جیسے طوفان نہیں کوئی عذاب ہو۔ ایسے میں ان چاروں میں سے جو مسلمان قاتل تھا اس کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اور پھر اس کا نام لے کر پکارا۔

اس پکار پر وہ قاتل خود اپنے مکان کے بیرونی دروازے پر آیا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو اس ایک بیچ بلند ہوئی تھی۔ اس کے گھر والوں نے جب دیکھا کہ وہ

کی عمارت کبھی اپنی پرانی کھنڈر حویلی اور کبھی برساتی نالے کے اس پار جنگل کی طرف ہ جاتی دکھائی دیتی ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد گورکن خاموش ہو گیا تھا۔ احمد بھی تھوڑی دیر چپ رہا اس کی گردن بھی جھک گئی تھی جیسے وہ گہری سوچوں میں کھو گیا ہو۔ باہر رات اب گہری ہو گئی تھی۔ سردی کی وجہ سے فضاؤں کے اندر گہری دھند بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کلیا کے باہر جھانکنے والے احمد اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور گورکن کو مخاطب کیا۔ رمضان بچا آپ کی باتیں سنتے سنتے مجھے وقت کا احساس بھی نہیں ہوا۔ رات کافی گہری ہو گئی ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔ میں آپ کا اتنا درجہ کا مسموم اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے صن کی روح اور اس کی زندگی کے حالات میری خاطر تفصیل کے ساتھ سنائے اس کے بعد احمد ہلکا ہلکا۔

تین تین قدم اٹھاتا ہوا جس وقت وہ بستی کی طرف بڑھ رہا تھا تو چائیک اس کے قدم رک گئے۔ اس لیے کہ بستی کے اندر اور بستی کے باہر اسے چائیک کتوں کے رونے اور بلیوں کے غیب سے انداز میں اپنے خوف لپٹے ڈر کا اظہار کرنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

اس وقت فضاؤں میں گہری دھند پھیلی ہوئی تھی۔ تاریکی اپنے زوروں پر تھی سخت سردی ہر شے کو لپٹے ہوئے تھی۔ جس وقت کتوں اور بلیوں کے رونے کی آوازیں احمد نے سنیں تو اس کے قدم رک گئے تھے۔ پھر بے حواسی کی نگاہیں ملنے والے جب قبرستان کی طرف اٹھیں تو اس نے دیکھا صن کی روح قبرستان سے نکل کر کھنڈر اور ویران حویلی کی طرف جا رہی تھی۔ جس کے اندر صن کبھی لپٹے اہل خانہ اور رمضان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس موقع پر احمد نے کچھ سوچا پھر چپکے سے وہ مڑا اور وہ بھی آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پیچھے ہوا تھا۔

اس نے دیکھا اندھیرے میں وہ روح ایسی لگ رہی تھی جیسے کہ وہ کوئی برق کا محمد ہو اس مجھے نے ایک ہاتھ میں چلتی ہوئی لالٹین اور دوسرے کندھے پر سیاہ رنگ کا کشتول لٹکا رکھا تھا۔ رات کافی گہری کھڑا آلودگی۔ اور اندھیرے میں وہ برق نما محمد ہلکی ہلکی روشنی دیتا ہوا ویران حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ احمد بھی بڑی تیزی

جب بھاگے بھاگے بستی میں آئے اور اس واقعہ کا ذکر انہوں نے آکر بستی والوں سے کہ حسب بستی والے بھاگے بھاگے برساتی نالے کی طرف گئے تھے انہوں نے وہاں جا کر دیکھ پائی کی بجلی لکیر کے پاس دونوں بھائیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اس کے علاوہ وہاں کچھ نہ تھا۔ اس طرح صن کی روح نے اپنے تین قاتلوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔

اب لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ صن اور اس کے اہل خانہ کو انہو لوگوں نے قتل کیا تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنی بد معاشی اور باپشی کے لحاظ سے ان بستیوں میں بدنام تھے۔ جو شخص سب سے پہلے مارا گیا تھا مسلمان تھا اس کے متعلق بھی لوگوں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کا خاتمہ بھی صن کی روح ہی نے کیا ہو گا۔ اب باقی قاتلوں میں سے صرف سکھ رہ گیا تھا۔

سکھ گھوساری کا بڑا خوفین تھا۔ اسنے دو گھوڑے پال رکھے تھے۔ بڑے توانا اور اچھی نسل کے تھے۔ ان گھوڑوں کو وہ کھلا چھوڑ دیتا تھا۔ جہاں جاہیں گھاس چرتے تھے۔ لوگوں کے کہیت بھی چرتے تھے لیکن اس کی بد معاشی اور اوباشی کی وجہ سے کسی کو اسے منع کرنے ٹکارا کرنے کی یا لڑائی منگوا کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ ایک تو اس سکھ کا خاندان کافی بڑا تھا۔ دوسرے خود بھی یہ قاتل سکھ مانا اور چھٹا ہوا بد معاش تھا۔

پہلے دو واقعات کے چند ہی روز بعد اس سکھ کو بھی صن کی روح نے آکڑا۔ وہ اس طرح کہ سکھ ہر روز صبح ہی صبح گھوڑ سواری کے لیے نکلتا تھا۔ گھوڑ سواری کرنے کے بعد وہ لوٹتا اس کے بعد بلیوں کو جو ت کر ہل چلائے کے لیے چلا جایا کرتا تھا۔ ایک روز جب یہ گھوڑ دوڑ کے لیے نکلا تو تھوڑی دیر بعد اس کا گھوڑا واپس آیا اور وہ اس طرح کہ سکھ لپٹے گئے میں جو بھی بڑی چادر رکھتا تھا اس کا ایک سرا سکھ کی گردن کے ساتھ دوسرا سرا گھوڑے کی گردن کیساتھ بندھا ہوا تھا۔ اور وہ گھوڑا سکھ کی لاش کو گھسیٹتا ہوا بستی میں لے آیا تھا یوں چادروں قاتلوں کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد گورکن رمضان لمحہ بھر کے لیے رک کچھ سوچا اس کے بعد دوبارہ اس نے احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

احمد میرے بیٹے اب بھی صن کی روح اس قبرستان سے نکل کر کبھی اسکول

سے اس کے بچے تھا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے اور اس برق بنا مجھے کے درمیان فاصلے کو کم کرتا جا رہا تھا۔

حویلی کے قریب جا کر احمد کے قدم ایک دم رک گئے اس لیے کہ روح نے مذکر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے دیکھنے کا انداز ایسا تھا کہ احمد پر وحشت طاری ہو گئی تھی سڑی اور کھر کے باوجود وہ پسینہ پسینہ ہو کر رہ گیا تھا پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ روح مڑی حویلی میں داخل ہوئی اور غائب ہو گئی۔ احمد پر ایسا خوف ایسی وحشت طاری ہوئی تھی کہ وہ بستی کی طرف بھاگ گیا تھا۔

یہ جنوری 1917ء کا واقعہ ہے۔ ایک جرمن آبدوز یو۔بی 65 انتہائی آہستہ آہستہ سمندر کی سطح سے سطح کی طرف آرہی تھی۔ ابھی آبدوز پوری طرح سطح سمندر پر نہیں آئی تھی۔ اور اس کے عرشے پر لگ بھگ گھٹنے گھٹنے سمندر کا پانی تھا کہ آبدوز کی ایک کارکن جس کا نام کارل ایرکمان تھا وہ آبدوز کے اندر سے نکل کر اس کے عرشے پر آیا۔ اس نے دیکھا عرشے پر ابھی تک گھٹنے گھٹنے سمندر کا پانی تھا اور بہرہیں اپنا رنگ دکھا رہی تھیں۔ اچانک کارل ایرکمان دنگ رہ گیا اس نے دیکھا کہ آبدوز کے عرشے پر ایک بیولا کھڑا تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ کوئی دھوئیں کا محسوس ہو اور ہلکی ہلکی جھک دے رہا ہو۔ کارل کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا آنکھیں ملتے ہوئے اس نے پھر اس بیولے کی طرف دیکھا جو عرشے کے ایک کنارے آبدوز کے بچنے کا سہارا لیے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں دور بے کنار سمندر میں دیکھ رہی تھیں۔ اس کی حالت سے۔ یہے لگتا تھا جیسے وہ گہری سوچوں میں کھو گیا ہو۔

ڈرنے ڈرنے کارل تھوڑا سا مزید آگے گیا۔ آبدوز اب آہستہ آہستہ پوری طرح سطح سمندر پر آگئی تھی۔ ڈار سا آگے جانے کے بعد کارل دنگ رہ گیا وہ اس بیولے اس روح کو پہچان گیا۔ وہ لیفٹیننٹ ہربرٹ کی روح تھی جو کبھی اسی آبدوز پر کام کیا کرتا تھا۔ جب چند سال پہلے یہ مر گیا تھا اور اسے وٹسلیفیم شیون کے فوجی قبرستان میں دفن کر دیا گیا تھا۔

مکمل طور پر بھر گئی۔ اور اسے سمندر کی سطح پر لانے میں لگ بھگ بارہ گھنٹے لگ گئے تھے۔ اس وقت تک آبدوز میں کام کرنے والے آفسیئر اور دیگر سولہ کے قریب کارکن تقریباً بے ہوش ہو چکے تھے۔ اور اگر اس آبدوز کو سطح پر آنے میں مزید تاخیر ہوتی تو انہیں سے کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔

ان سارے حادثات کو نظر انداز کرتے ہوئے 1917ء میں اس آبدوز کو حکم ملا کہ وہ فوجی مشقوں میں حصہ لے۔ جس میں وقت مشقوں میں حصہ لینے کے لیے اس آبدوز میں اسلحہ لاوا جا رہا تھا تو بد قسمتی سے ایک تار بیڑہ چھٹ گیا جس سے سیکنڈ آفسیئر لیفٹیننٹ ہروڈ ہلاک ہو گیا۔

اس حادثے سے آبدوز کو کافی نقصان ہوا تھا۔ لہذا اس کی مرمت کا کام شروع کیا گیا۔ مرمت کے بعد جب پہلی بار اس آبدوز کو سمندر میں اتارا گیا اور سمندر کی تہہ میں پہنچنے کے بعد جس وقت یہ آبدوز سمندر کی سطح پر آئی تب پہلی بار لوگوں نے ہرودہ کی روح کو آبدوز کے عرشے پر ریلینگ کا سہارا لئے کھڑے دیکھا تھا چونکہ آبدوز کے کپتان نے ابھی تک اس روح کو نہیں دیکھا تھا لہذا وہ یقین نہیں کرتا تھا کہ ہرودہ کی روح اس آبدوز کے عرشے پر نمودار ہوئی تھی اور جو کوئی بھی اس کا کارکن اس موضوع پر گفتگو کرتا وہ اسے جھوٹا دیتا۔ اور کہتا یہ سب خیالی باتیں ہیں اور یہ وہ ایسی روحوں کے آنے جانے پر کوئی یقین اور اعتقاد نہیں رکھتا۔ وہ اس واقعہ کو ٹھٹھے اور مذاق سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ لیکن آخر کار آبدوز کے کپتان کو بھی اس پر یقین کرنا پڑا اس لیے ایک روز جب وہ آبدوز کے اندر سے نکل کر آبدوز کے عرشے پر آیا تو اس نے دیکھا ہرودہ کی روح اس وقت آبدوز کے عرشے پر کھڑی تھی۔ پہلے کی طرح اس نے عرشے کی ریلینگ کو پکڑا ہوا تھا اور اس کی نگاہیں گہرے سمندر میں کھوئی ہوئی تھیں۔ وہ چپ چاپ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے جس آبدوزیو لی۔ 65ء کا کپتان بھی دشت زدہ ہو گیا تھا۔ بس اس واقعہ کے بعد پوری بحر میں یہ افواہ لگ کی طرح پھیل گئی کہ آبدوزیو لی۔ 65ء میں روحوں کا مسکن ہے۔ یہ خبر پھیلنے ہی لوگ اس آبدوز سے دور رہنے لگے۔ نیوی کے جن لوگوں کی سہیلی اس آبدوز پر کی جاتی تھی وہ اس پر جانے سے کتراتے تھے۔ انہیں سے اکثر

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے کارل بھاگا بھاگا پھر آبدوز کے اندر گیا۔ اور شور کرنے لگا کہ آبدوز کے عرشے پر ہرودہ کی روح کھڑی ہے۔ کسی نے بھی اس کی اس بات سے انکار نہ کیا لوگوں نے دیکھا اس موقع پر کارل بری طرح کا بے رہا تھا۔ اس کے ہرے پر خوف اور دشت کے آثار تھے۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے چند جوان اور دو سینئر آفسیئر بھاگے بھاگے جب آبدوزیو لی۔ 65ء کے عرشے پر آئے تو انہوں نے دیکھا واقعی وہاں ہرودہ کی روح کھڑی تھی۔ وہ بالکل پرسکون انداز میں آبدوز کے عرشے پر کھڑی تھی اور پہلے کی طرح اس نے عرشے کی ریلینگ کو پوری طرح اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ اب بھی وہ روح بے کنار سمندر میں سانسے دیکھ رہی تھی۔ اور اس کی حالت سے یہ بھی لگتا تھا کہ وہ اپنے ارد گرد سے بالکل بے خبر ہو اور گہرے خیالات میں ڈوبی ہوئی ہو۔

پھر آبدوزیو لی۔ 65ء ان کے دو جوانوں اور دو سینئر آفسیئرز نے دیکھا کہ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہرودہ کی روح غائب ہو گئی تھی۔ یہ واقعہ روڈار انگلستان میں پورسٹ لینڈ سے لگ بھگ 10 کلومیٹر کے مقام پر پیش آیا تھا۔

کہتے ہیں یہ آبدوز 1916ء میں تعمیر کی گئی تھی۔ اور شروع میں جو اس پر چوتیس آدمی کا عملہ مقرر کیا گیا تھا ان میں لیفٹیننٹ ہرودہ بھی شامل تھا۔ اپنی تربیت ختم کرنے کے بعد پہلی بار اسے اس آبدوز پر متعین کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس آبدوز پر ایک کپتان ایک سیکنڈ آفسیئر اور انہیں کے لگ بھگ ان کے اسسٹنٹ تھے۔

اس آبدوز کی تیاری کے وقت ہی حادثات نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ تھے۔ وہ اس طرح کے جس وقت اس آبدوز کو تعمیر کیا جا رہا تھا اس وقت اچانک ایک گڈر ایپر سے گر پڑا اور اس کے گرنے کی وجہ سے دو کارکن ہلاک ہو گئے۔ اس کے علاوہ اس آبدوز کی تعمیر کے بعد جب اسے سمندر میں اتارا گیا تو سمندر میں امارت ہی ایک سپاہی سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا تھا۔

کے بعد جب تعمیر کے بعد پہلی بار یہ آبدوز سمندر کی تہہ میں گئی تو پھر قسمتی سے اس کے پیٹرنل ٹینک میں سوراخ ہو گیا تھا اور پیٹرنل آئسٹ آئسٹ سمندر میں بہنے لگا جس کے نتیجے میں کہتے ہیں کہ اچانک یہ آبدوز سمندر کی تہہ میں دھوئیں سے

ایک روز جس وقت آبدوز سطح سمندر سے اوپر دواں دواں تھی تو ایک بحری افسر نے دیکھا کہ ہرور کی روح تاریبڈو روم کی طرف گئی تھی۔ وہ اس کی روح کو دیکھتے ہی ہوش ہو کر گر پڑا۔ روح تاریبڈو روم میں داخل ہوئی تو اس وقت گرگشتار پنڈوک تاریبڈو روم میں مستعد بیٹھا ہوا تھا اس نے جب روح کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ ایسا خوفزدہ ہوا اس پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ جس وقت وہ روح کمرے کے ایک کونے کی طرف گئی تو گرگشتار بھاگ کر باہر نکلا اور اس نے سمندر میں پھلانگ لگا دی تھی۔ یوں گزرنے خود کشی کرتے ہوئے اپنا خاتمہ کر لیا تھا۔ آبدوز میں یہ پہلا اور سب سے بڑا افسوسناک واقعہ تھا۔

دس جولائی 1913ء کو امریکہ کی ایک آبدوز نے اس جرمن آبدوز یو۔ بی۔ 65 کو سمندر میں دیکھا۔ اس وقت یو۔ بی۔ 65 گنگ بھگ 100 میٹر سمندر کے پانی کے اندر تھی۔ امریکن آبدوز کے افسر نے فیصلہ کیا کہ جرمن آبدوز یو۔ بی۔ 65 پر تاریبڈو داغا جائے اور اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جس وقت امریکن اپنی آبدوز سے جرمن آبدوز یو۔ بی۔ 65 پر تاریبڈو داغنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اچانک یو۔ بی۔ 65 میں زور وار دھماکہ ہوا اس وقت گو جرمن آبدوز یو۔ بی۔ 65 سو میٹر پانی کی تہہ میں تھی لیکن یہ دھماکہ ایسا زور وار ہوا کہ آبدوز کے تختے اور دوسرا سامان پانی سے باہر فضاؤں میں اڑتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اس موقع پر امریکن آبدوز جو ذرا فاصلے پر تھی وہ بھی بل کر رہ گئی تھی اور اس کا حملہ دیکھا گیا تھا۔ وہ پریشان ہو گئے تھے کہ انہوں نے ابھی تاریبڈو داغا ہی نہیں بھر جرمن آبدوز یو۔ بی۔ 65 کی یہ حالت کیسے ہوئی۔

اس کے بعد اس دھماکے کی تحقیقات کا کام شروع ہو گیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہرور کی روح اس آبدوز کے پیچھے تھی۔ اس کے بعد کئی کینیڈاں مقرر کی گئیں تاکہ یہ اندازہ لگائے کہ کوشش کی جانے کے بغیر کسی وجہ کے آخر آبدوز میں کیوں دھماکہ ہوا کیے بعد دیگرے کئی کمیٹیوں نے تحقیقات کی لیکن نتیجہ صفر تھا۔ آج تک آبدوز یو۔ بی۔ 65 کی تباہی ایک معما بنی ہوئی ہے۔

سفارش کروا کر اپنی تبدیلی رکوا لیتے تھے۔ اور جو ایسا نہیں کر سکتے تھے وہ لمبی چھٹی پہلے جاتے تھے۔ لہذا یہ آبدوز جرمن حکام کے لیے ایک طرح کا درد سر بنتی چلی جا رہی تھی۔ آخر نیوی کے بڑے افسروں کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا اور ان کے ذمے یہ کام لگا گیا کہ وہ اس واقعہ کی پوری تحقیقات کریں۔ لیکن اس تحقیق کے نتیجے میں بھی کوئی بات سامنے نہ آئی۔ آخری فیصلہ یہ کیا گیا کہ یہ ساری افواہیں جیس جیس یو۔ بی۔ 65 کا عمل پھیلاتا رہتا ہے۔ لہذا آبدوز یو۔ بی۔ 65 کے سارے عملے کو تبدیل کر دیا گیا۔

عملہ تبدیل کرنے کے باوجود بھی اس آبدوز کی صورتحال پر سکون نہ ہوئی اس لیے کہ نئے عملے نے بھی اکثر و بیشتر ہرور کی روح کو آبدوز کے عرشے پر دیکھا تھا۔ جہاں تک کہ جو نیا کپتان مقرر کیا گیا تھا اس نے اپنی آنکھوں سے خود کئی بار ہرور کی روح کو عرشے پر کھڑے اور کئی بار اس نے اس روح کو عرشے پر بیٹھے ہونے دیکھا تھا۔ یہ باتیں بھی جلد ہی جرمنی میں پھیل گئیں۔ اب حکام کو یقین ہو گیا کہ یہ افواہیں نہیں ہیں۔ اگر آبدوز کا پہلا عملہ افواہیں پھیلاتا تھا تو دوسرا عملہ تبدیل کیا گیا تھا وہ ہرگز ایسا نہ کرتا لہذا حکام کو یقین ہو گیا کہ واقعی آبدوز میں سرنے والے یغیثیت ہرور کی روح آتی ہوگی۔ اس بناء آبدوز کو تعلیم کی ایک نیول بیس پر کھرا کر دیا گیا تھا۔

اس نیول بیس میں ابھی تک کسی کو یہ خبر نہیں تھی کہ اس آبدوز پر روح آتی ہے۔ کچھ عرصہ تک معاملہ دبا دیا سا رہا۔ اور وہ آبدوز وہاں کھڑی رہی۔ پھر اس جگہ پر کچھ لوگوں نے آبدوز پر ہرور کی روح کو منظر لاتے ہوئے دیکھا تب اس نیول بیس میں وحشت پھیل گئی۔ لوگوں نے مطالبہ کر دیا چونکہ اس آبدوز میں روح رہتی ہے۔ لہذا اسے جہاں سے ہٹا دیا جائے۔ لاچار حکام نے آبدوز کو وہاں سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔

بلجیم کی بندرگاہ سے جنوری 1917ء کو اس آبدوز کو ہٹایا گیا اور پھر اسے سمندر میں ڈال دیا گیا۔ ایک ہرور کی روح ہائلر پر سکون تھی وہ آبدوز پر نمودار ہوتی تھی نہ کوئی شرارت کرتی تھی نہ کسی کو تنگ کرتی تھی۔ بس عرشے پر تھوڑی زر کے نیچے کھڑی ہوتی تھی پھر غائب ہو جاتی تھی۔

اس کے بعد اس گفتیں میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ اور وہ یہ کہ

کسانوں کو جمع ہو کر ایک مجمع ایک اجتماعی اجتماع کی صورت میں جاپان کے شہنشاہ کے پاس جانا چاہیے۔ سگورو نے سارے کسانوں کو یقین دلایا کہ جاپان کے شہنشاہ کو اس کے خیال کے مطابق ان عیسویوں کا کوئی علم نہیں جو جاپان کے صوبہ شوموہ کے کسانوں کی کر توڑ رہے ہیں۔

چھپے شوموہ صوبہ کے کسانوں نے اپنے کسان ساتھی سگورو کی اس تجویز پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ لوگ ڈرتے تھے خوفزدہ ہوتے تھے کہ نہ جانے انکا کیا انجام ہو۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ٹیکس ناقابل برداشت ہوتے جا رہے ہیں۔ تب انہوں نے سگوروہ کی تجویز پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ لگ بھگ ایک سو پچھتیس ہستیسوں کے کسان مجمع ہوئے اور انہوں نے سگورو کو اپنا قائد اپنا رہبر بناتے ہوئے صوبہ شوموہ کے مرکزی شہر کارن کیا جس کا نام بھی شوموہ ہی تھا۔

جس وقت سگورو کی رہنمائی میں کسانوں کا یہ ایک بہت بڑا اجتماع اور وفد شوموہ شہر کے قریب گیا اس وقت شوموہ کا گورنر کو ٹیکسی سکورا چند یوم شہر سے باہر کھلی فضاؤں میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ دن گزارنے کے بعد واپس شہر کی طرف آ رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا اسکے آگے پیچھے اس کے محافظ تھے اور محافظوں کے اس جلو میں چند بھگیاں تھیں جن میں گورنر کو ٹیکسی سکورا کے اہل خانہ اور حرم کے لوگ تھے۔

جس وقت سگورو کو یہ خبر ہوئی کہ ان کا گورنر کو ٹیکسی سکورا شوموہ شہر کے نواح میں چند دن اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزار کر شہر کی طرف جا رہا ہے۔ تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانا جاپان کے شہنشاہ کی طرف جانے کے بجائے وہ آگے بڑھا اور کو ٹیکسی سکورا کی سواری کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے کو ٹیکسی سکورا کو رک جانے پر مجبور کیا۔ کو ٹیکسی سکورا نے جب دیکھا کہ سبے شہنشاہ کسان اس کے سامنے کھڑے ہیں اور یہ کہ انہوں نے اسے رکنے کے لیے کہا ہے تب اس نے مجبوراً اپنے گھوڑے کو روک دیا۔ درندہ وہ ایسا کرنے والا نہیں تھا اس لیے کہ وہ اہتمام درجہ کا قلم اور سنگمرگ انسان تھا۔ بہر حال سگورو کے اشارے پر اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ سگورو بھاگ کر آگے بڑھا اور اپنی ایک ناش جو اس نے ایک کاغذ پر لکھ رکھی

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب جاپان میں شہنشاہیت اپنے عروج پر تھی یہ لگ بھگ آج سے چھ سو سال پہلے یعنی چودھویں صدی عیسوی کی داستان ہے۔ جاپان کے صوبے شوموہ کا والی ایک شخص کو ٹیکسی سکورا تھا۔ یہ شخص اہتمام درجہ کا سخت ظالم اور سنگمرگ تھا۔ کسانوں پر اہتمام درجہ کی سختی کرتے ہوئے یہ مسرت اور خوشی محسوس کرتا تھا

پھر ایسا ہوا اس شخص نے اپنے صوبے شوموہ کے کسانوں پر ناقابل برداشت ٹیکس لگا دیئے۔ کسانوں نے ان بے جا ٹیکسوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور اپنی آواز حکام بالا تک پہنچنے کے لیے ایک شخص سگورو کا انتخاب کیا۔ سگورو اہتمامی مخلص اہتمامی جاباز اور سرفروشانہ انداز میں کام کرنے والا تھا۔ شوموہ صوبے کے کسانوں کا یہ خیال تھا کہ سگورو خود جا کر گورنر کو ٹیکسی سکورا یا جاپان کے شہنشاہ سے ملے گا اور ان کے ٹیکس معاف کرادے گا لیکن سگورو نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس نے گاؤں گاؤں جگہ جگہ بستی بستی جا کر تقریریں کرنی شروع کیں۔ اور لوگوں کو یہ ترغیب دی کہ وہ اپنی اپنی بستیوں میں ان ظالمانہ ٹیکس کے خلاف آواز اٹھائیں۔ کچھ عرصے تک یہ تحریک چلتی رہی۔ گاؤں گاؤں لوگ اجتماع کرتے رہے۔ اور نئے نئے لگنے والے ٹیکسوں کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر سگورو نے صوبہ شوموہ کے سارے کسانوں کو یہ مشورہ دیا کہ سارے

پہلا الزام اس نے سگورو پر یہ لگایا کہ اس نے جاپان کے شہنشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے اور سرکشی اختیار کیا ہے۔

دوسرا الزام جو سگورو پر لگایا گیا وہ یہ کہ اس نے فیس دینے سے انکار کیا ہے بلکہ یہی نہیں کہ اس نے اپنے ساتھی کسانوں کو اپنے ساتھ ملا کر بلوہ کھڑا کرنے اور صوبہ کے امن کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی ہے ان دو الزامات کی وجہ سے گورنر کو تسکی سکورا نے سگورو اور اس کی بیوی اور تینوں بیٹوں کو موت کی سزا سنائی تھی۔

اس سزا کے سنائے جانے کے دو دن بعد سگورو اس کی بیوی اور تینوں بیٹوں کو سپاہیوں کے ایک مسلح دستے کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ مسلح دستہ سگورو اس کی بیوی تینوں بیٹوں کو شہرہ شہرے باہر لے گیا۔ جہاں ان کی گردنیں کاٹ دی گئیں۔ ان کی گردنیں کاٹنے کے بعد مسلح دستے کے وہ سپاہی ان کے سروں کو اس طرح ٹھوکریں مارتے رہے جس طرح فیلل کھلا جاتا ہے یہ ساری کارروائی کرنے کے بعد مسلح دستے کے ان جوانوں نے اپنے گورنر کو تسکی سکورا کو جا کر اپنے کام کی تکمیل کی اطلاع دی اور یہ بتا دیا کہ انہوں نے سگورو اس کی بیوی اور تینوں بیٹوں کے سر قلم کر دیئے ہیں اب گے روز سگورو اس کی بیوی اور بیٹوں کی لاشوں کو دفن کر دیا گیا۔

سگورو کی تدفین کے لگ بھگ ایک ہفتہ بعد ایک انقلاب رونما ہونا شروع ہوا وہ اس طرح کہ جن مسلح جوانوں نے سگورو اس کی بیوی اور اس کے بیٹوں کے سر قلم کئے تھے اور پھر ان کے کتے ہوئے سروں کو پاؤں کی ٹھوکریں ماری تھیں۔ ان کے گھروں کو باری باری آگ لگنا شروع ہو گئی اور اس آگ میں ان کے سارے اہل خانہ جھلس کر مرے لگے۔ یہاں تک کہ سگورو کی موت کے چالیس دن بعد تک یہ کارروائی جاری رہی تھی۔ جن مسلح جوانوں نے اس کارروائی میں حصہ لیا تھا ان کے اہل خانہ اکثر و بیشتر سگورو کی سرکشی روح کو دیکھتے یہ روح انہیں رات کے وقت دکھائی دیتی تھی اور شور کرتی پوری قوت سے واویلا کرتی اور جن مسلح جوانوں نے ان کے قتل میں حصہ لیا تھا۔ ان کا عینا اس نے حرام کر دیا کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر یکے بعد دیگرے سگورو کی روح نے اس کی بیوی اس کے بیٹوں کے قتل میں حصہ لینے والوں کو ہلاک کر دیا بلکہ ان کے لواحقین کے گھروں کو بھی آگ لگائی اور ان کا بھی خاتمہ کرنا چلا گیا

تھی۔ وہ کو تسکی سکورا کو بیش کی۔ کو تسکی سکورا نے اسے پڑھا اسے پڑھنے کے ساتھ ہی کو تسکی سکورا کا چہرہ غصے میں غصیبناک ہو گیا تھا۔ اسنے انتہائی بری کا اظہار کیا اور اس کی اس بری کی وہ دو ہولناکتیاں تھیں۔

اول یہ کہ یہ فیس اس نے لگائے تھے۔ لہذا ان فیسوں کے خلاف وہ کوئی آواز سننا ہی پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ ہم یہ کہ اس نے اپنے لیے اس بات کو ہتک اور توہین سمجھا کہ سربراہ اس کے گھوڑے کو روکا گیا ہے اور اسے یہ ناش بیش کی گئی ہے اس نے اسے توہین جانا کہ اس کے اہل خانہ اس کے ساتھ ہیں اور لوگوں نے اسے روکنے کی ہمت اور جرأت کی ہے۔ پس جو ناش سگورو نے کو تسکی سکورا کو پیش کی تھی وہ کو تسکی سکورا نے غصے میں چھڑا دی اور کاغذ کے پرزے پرزے کر کے اس نے ہوا میں اڑا دیئے۔ اسکے بعد وہ اپنے محافظوں اور اہل خانہ کے ساتھ شہرہ شہر کی طرف چلا گیا۔

اپنے گورنر کو تسکی سکورا سے بائوس ہونے کے بعد کسانوں کے اجتماع کے ساتھ سگورو نے جاپان کے شہنشاہ کا رخ کیا۔ وہ جاپان کے شہنشاہ سے ملا اور جو ناش اس نے گورنر کو تسکی سکورا کو پیش کی تھی۔ وہی جاپان کے شہنشاہ کو بیش کی۔ جاپان کے شہنشاہ نے اس کی وہ ناش لے لی اور اسے اس کے کسان ساتھیوں کے ساتھ چلے جانے کا حکم دے دیا تھا۔ سگورو اپنے ساتھی کسانوں کو لے کر چلا گیا۔

بعد میں کچھ پتا نہ چلا کہ شہنشاہ نے اس کی اس ناش اور درخواست پر کیا احکامات جاری رکھے ہیں پر لگ بھگ ایک ہفتہ بعد شہرہ صوبہ کے گورنر کو تسکی سکورا کی طرف سے احکامات جاری کئے گئے اور سگورو اور اس کے سارے اہل خانہ کو گرفتار کر لیا گیا۔

سگورو اس کی بیوی اور تینوں بیٹوں کو صوبہ شہرہ کے گورنر کو تسکی سکورا کے سامنے پیش کیا گیا اس نے بذات خود سگورو کے مقدمہ کا فیصلہ کیا اس سلسلے میں ایک کھلی پکڑی کا اہتمام کیا گیا جس وقت سگورو اس کی بیوی اور تینوں بیٹوں کو گورنر کو تسکی سکورا کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت ارد گرد بے شمار لوگ بکڑے ہوئے تھے۔ سب کی موجودگی میں گورنر کو تسکی سکورا نے سگورو پر دو الزام لگائے۔

اور لگ بھگ چالیس دن کے اندر اندر سگورو کی روح نے ان سارے مسلح جوانوں کو جنہوں نے اس کے قتل میں حصہ لیا ان کے لواحقین کو ختم کر دیا اور ان سب کے گھروں کو آگ لگا کر خاکستر میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد صوبہ شوموہ کے گورنر کو تسکی سکورا کی باری آئی۔

کہتے ہیں شروع شروع میں سکورا کا امن درہم برہم کچھ اس طرح ہوا کہ اس کی بیوی اس کے بچے رات کو اکثر بلکہ روزانہ سگورو کے کتلے ہوئے سر کو اپنے محل میں دیکھتے سگورو کی روح ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتی ایسا شور کرتی جس سے پورے محل میں خوف اور وحشت پھیل جاتی تھی۔ اس طرح چند دن تک سگورو کی روح نے کو تسکی سکورا اور اس کے اہل خانہ کا جینا حرام کر دیا اس صورتحال میں کو تسکی سکورا کی بیوی پاگل ہو گئی اور اس کے بچے بھی معمول کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل نہ رہے اس کے بعد ایک اور بڑا حادثہ کچھ اس طرح نمودار ہوا کہ شوموہ شہر میں کو تسکی سکورا کا جو محل تھا اس میں اچانک آگ لگ گئی لوگوں نے اس آگ کو بجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ کسی سے نہیں بچھی کو تسکی سکورا نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ بڑی مشکل سے جان بچائی۔ ایسا لگتا تھا کہ محل کو یکمشت کسی مادی طاقت نے آگ لگا دی ہو محل کے دروازے دو مکانات یا گھاس پھوس تھا آگ نے اس کو چھوڑا تک نہ تھا بیویوں کو لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے کو تسکی سکورا کا محل جل کر خاکستر ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاید صوبہ شوموہ کے گورنر کو تسکی سکورا نے اپنے بادشاہ کے احکامات کے خلاف سگورو کو اور اس کے اہل خانہ کو سزا دی تھی پھر ایسا ہوا کہ یہ خبریں بادشاہ تک پہنچیں بادشاہ نے کو تسکی سکورا سے انتہا درجہ کی برہی کا اظہار کیا سب سے پہلے اس نے ان سارے لوگوں کو معطل کیا جو کو تسکی سکورا کے کہنے پر کسانوں سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اور ان پر سختیاں کرتے تھے۔ ان سب کو ان کی خدمات سے معطل کرنے کے بعد جاپان کے شہنشاہ نے انہیں جیل میں ڈال دیا اس کے بعد اس نے کو تسکی سکورا کے لیے احکامات جاری کئے اور حکم دیا کہ کو تسکی سکورا کو کبوتر پکڑنے والے جال میں بند کر کے اسکے سامنے پیش کیا جائے۔ جس وقت کو تسکی سکورا کو کبوتر پکڑنے والے جال میں بند کر کے جاپان کے

شہنشاہ کے سامنے پیش کیا تو شہنشاہ نے اس کے لیے حکم دیا کہ اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے اسے کتوں کے آگے پھینک دیا جائے یوں صوبہ شوموہ کے گورنر کو تسکی سکورا کے جسم کے ٹکڑے کئے گئے اور بادشاہ کے حکم پر ان ٹکڑوں کو کتوں کے آگے پھینک دیا گیا بادشاہ نے صوبہ شوموہ کے لیے نئے گورنر کا تقرر کیا اور پھر مرنے والے کسان سگورو اور اسکی بیوی اور بچوں کے لیے جاپانی رسم و رواج کے مطابق آخری رسومات ادا کی گئیں۔ اس کے بعد سگورو کی روح نے نمودار ہونا اور لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔

روز میری کی زندگی میں یہ انقلاب 1964ء دسمبر کے مہینے میں رونما ہوا وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی وہ بستر پر لیٹے بڑی بے چینی محسوس کر رہی تھی لہذا اٹھ کھڑی ہوئی اور پیانو کی طرف گئی اس نے جب پیانو بجانا شروع کیا تو وہ دنگ رہ گئی اس نے محسوس کیا جیسے اس کے ہاتھ پکڑ کر کوئی اسے پیانو کی تربیت دے رہا ہو۔ اور بہترین دھن بجانے میں اس کی مدد کر رہا ہو۔ اس رات روز میری کے ہمسایوں نے یہ محسوس کیا کہ روز میری خود تو اس قسم کی دھن پیانو پر نہیں بجا رہی یہ دھن دنیا کے سامنے ہوئے موسیقار سزاؤنسکی کی تھی اور یہ دھن روز میری اس خوبی اس مہارت سے بجا رہی تھی جیسے سزاؤنسکی جو اس دھن کا موجد تھا خود یہ دھن بجا رہا ہو اس رات روز میری کے آس پاس کے لوگوں نے یہ ہی جانا کہ موسیقار کی حیثیت سے ناکام ہونے کے بعد روز میری مرے ہوئے بڑے بڑے موسیقاروں کی دھنوں کے ریکارڈ سن کر گزراہ کرنے لگی ہے۔

1964ء دسمبر کی رات جب روز میری نے پیانو بجاتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ پیانو بجانے کے دوران کسی نے اس کے ہاتھ پکڑے ہیں اور اس کی انگلیاں از خود پیانو کے مختلف حصوں پر دھن کرنے لگی ہیں تب روز میری کو اپنے بچپن کے دو واقعات یاد آئے۔ ایک اس وقت جب وہ سات سال کی تھی ایک بوڑھے کو اس نے خواب میں دیکھا جو روز میری کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ روز میری یہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ تم دنیا کی مانی ہوئی موسیقار بنو۔

پھر جب روز میری چودہ برس کی ہوئی تب ایک اور بوڑھے کو اس نے خواب میں دیکھا جو روز میری کو مخاطب کرتے ہوئے اسے اچھی موسیقار ہونے کی خوشخبری دے رہا تھا۔ بس انہی دو اشخاص کی انگلیت پر جو اسے خواب میں دکھائی دیتے روز میری اچھی موسیقار بننے کی دھن میں لگی رہی حالانکہ چالیس سال تک کوئی اسے جانتے والا نہ تھا۔ چالیس سال تک اس کی زندگی بڑی مایوسانہ گزری اسی دوران اس کا شوہر بھی فوت ہو گیا غموں دکھوں اور پریشانیوں نے اسے آن گھیرا لیکن 1964ء میں جب اس نے یہ محسوس کیا کہ کوئی اس کے ہاتھ پکڑ کر پیانو پر اسے دھنیں سکھانے لگا ہے تب روز میری کو حوصلہ ہوا اور وہ یہ سمجھنے لگی کہ وہ ایک اچھی موسیقار بننے والی کامیاب ہو جائے گی۔

یہ واقعات دنیا کی مشہور و معروف اور مانی ہوئی موسیقار روز میری سے متعلق ہیں جس کا تعلق لندن سے تھا ایک موسیقار کی حیثیت سے اس نے دنیا کے صف اول کے موسیقاروں میں اپنا نام بیاد کیا چالیس سال کی عمر تک جب یہ موسیقی سیکھتی رہی تو جس جس استاد سے بھی اس نے موسیقی سیکھی اس کے تاثرات روز میری سے متعلق یہ تھے کہ روز میری ایک اچھی موسیقار بن ہی نہیں سکتی نہ اس میں کوئی ایسی قابلیت ہے کہ یہ ایک اچھی موسیقار بنے نہ اس میں کوئی اچھی دھن بنانے کی طلب ہے اور نہ ہی موسیقی کے زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کرنے کی اس میں کوئی گنج ہے دنیا کا ہر اچھا موسیقار یہی خیال کرتا تھا کہ روز میری کبھی بھی ایک اچھی موسیقار بن ہی نہیں سکتی۔

اپنی عمر کے چالیسویں سال تک روز میری خود بھی پریشان اور مایوس تھی موسیقار بننا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی لیکن چالیس سال کی عمر تک ایک جانی پہچانی موسیقار بننا تو بہت دور کی بات لندن میں وہ لوگ بھی اسے اچھی موسیقار کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے جو خود اسی کی ہی گلی کے رہنے والے تھے۔

لیکن چالیس سال کی عمر میں روز میری کے انار ایک انقلاب رونما ہوا اسی انقلاب نے روز میری کو دنیا کی نہ صرف اول بلکہ سب سے اعلیٰ پایہ کی موسیقار بنا دیا

اس آئی تو اس نے اس کے ہاتھ پکڑے بڑے پیار سے اسے کھایا کہ موسیقی کے روف کو کس طرح لکھا جاتا ہے اسکے بعد دنیا کے دوسرے بڑے مانے ہوئے موسیقار یوں نے اسے بہترین انداز میں پیانو بجانے کا فن سکھایا شیوہرٹ کی روح نے اس کے لیے بہترین دھنوں کے لگانے لگائے اور روز میری کو اس قابل بنایا کہ اسی کی دل موہ پینے والی دھنوں اسی کی طرز اسی کی لے کے انداز میں گائے۔ اس کے بعد ہیدودان اور بلچہ جو اپنے زمانے کے مانے ہوئے موسیقار تھے۔ ان کی رو میں بھی روز میری کے نمے میں آئیں پہلے وہ یوزک سے متعلق اسے زبانی کھاتی رہیں پھر اپنے تجربات روز میری کو انہوں نے لکھ کر بھی دیئے۔

جب ان روحوں نے روز میری کو ایک موسیقار کی حیثیت سے دنیا کی صف اول میں لاکھڑا کیا۔ تب روز میری ہر روز رات کے وقت ریاضت کرتے ہوئے فخر نموس کرتی تھی روز میری کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس ریاضت کے دوران اگر اس سے کوئی غلطی ہوتی تو دنیا کے مانے ہوئے کسی موسیقار کی کوئی نہ کوئی روح اس کے کمرے میں آتی وہ اس کی روح کو دیکھ سکتی اور جو غلطی اس سے ہوتی تھی اس غلطی کو وہ روح ہی کے لیے ٹھیک کر دیتی تھی۔ روحوں کی طرف سے بہترین تربیت ملنے کے بعد جب روز میری نے اپنے کام کی ابتدا کی اس نے دھنیں ترتیب دینا شروع کیں اس نے گانا بوس کیا اس نے موسیقی کے مختلف ساز بجانا شروع کئے تب اس کے زمانے کے بڑے بڑے موسیقار جن کا یہ دعویٰ تھا کہ روز میری کبھی اور کسی بھی وقت ایک اچھی موسیقار بن ہی نہیں سکتی اور نہ اس کے اندر قابلیت ہے کہ وہ موسیقار بن سکے۔ وہ روز میری کے گرد چکر لگانے لگے۔

روز میری کے وقت کے سارے بڑے بڑے موسیقاروں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ان سے پہلے جس قدر بھی بڑے بڑے موسیقار گزرے ہیں ان سب کا فن یکساں ہو کر روز میری میں جمع ہو گیا ہے۔ لہذا روز میری کے زمانے کے بڑے بڑے موسیقار روز میری کے گرد آکر بیٹھنے اور اس سے کچھ سیکھنے کی کوشش کرتے۔ اس طرح روز میری کے زمانے میں جو موسیقار تھے انہوں نے اپنے رویے سے اس بات کو تسلیم کیا کہ روز میری دنیا کی ایک اعلیٰ پائے کی موسیقار ہے۔

1964ء دسمبر کے اس حادثے کے بعد روز میری تصویریں کی ایک نمائندہ میں گئی اپنا تک اس کی نگاہیں دو تصویریں پر جم کے رہ گئی تھیں۔ ایک اس بوڑھے تصویر تھی جو اسے سات سال کی عمر میں دکھائی دیا تھا دوسری اس بوڑھے تصویر تھی جو اسے چودہ سال کی عمر میں دکھائی دیا تھا۔ پھر جب اس نے ان تصویریں کی تفصیل پڑھی تب اس نے جانا کہ جو بوڑھا اسے سات سال کی عمر میں دکھائی دیا تھا۔ وہ دنیا کا مانا ہوا موسیقار فرانز لٹز تھا۔ اور جو بوڑھا اسے چودہ سال کی عمر میں خواب میں دکھائی دیا تھا وہ دنیا کا موسیقار اول کا موسیقار سزاؤنسکی تھا

پھر ایسا ہونے لگا روز میری جب پیانو بجانے کے لیے جاتی تو مختلف مرے ہوئے پرانے موسیقاروں کی رو میں اس کے کمرے میں اس وقت آتیں جب وہ اپنے کمرے میں اکیلی ہوتی۔ شروع شروع میں وہ ان روحوں کو دیکھ کر بڑی خوفزدہ ہوتی تھی ڈر جاتی تھی ہر چیز بھول جاتی تھی لیکن آہستہ آہستہ روز میری مرے ہوئے عصف اول کے ان موسیقاروں کی روحوں سے مانوس ہوتی چلی گئی۔ سہاں تک کہ روز میری نے اپنے گھر والوں کو یہ بھی بتانا شروع کر دیا کہ اس کی پیدائش سے پہلے اس کے ماں اور باپ کے ساتھ یہ حادثات پیش آئے اس پر اس کے گھر والے استغناء اس سے ہو چکے کہ تم اس وقت تمہیں ہی نہیں پھر تمہیں کیسے ان واقعات کا علم ہوا اس پر روز میری بڑی سادگی سے انہیں بتا دی کہ مری جو دوست رو میں رات کے وقت میرے پاس آتی ہیں مجھے ان سارے واقعات کی تفصیل بتاتی ہیں۔

روز میری کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے دنیا کے مشہور و معروف موسیقار فرانز لٹزی کی روح رات کے وقت اس کے پاس آئی اس نے اسے مختلف دھنیں پیانو پر بجانے کا فن سکھایا۔ اور جو دھنیں فرانز لٹزی زندگی میں مکمل نہیں کر سکا تھا۔ اور مر گیا تھا وہ دھنیں بھی مکمل کر کے فرانز لٹزی کی روح نے روز میری کو سکھادیں اس کے بعد روز میری کا یہ بھی کہنا ہے فرانز لٹز کے بعد اور بہت سے جو عصف اول کے موسیقار ہو گزرے تھے ان کی رو میں رات کے وقت آتیں اور جس قدر وہ موسیقی سے متعلق جانتی تھیں اسے سکھانے لگیں۔

روز میری کا یہ بھی کہنا ہے کہ سب سے پہلے جب فرانز لٹزی کی روح اس کے

جب روز میری نے یہ دعویٰ کیا کہ رات کے وقت اس کے پاس مختلف م
ہوئے موسیقاروں کی روئیں آتی ہیں اور اسے اپنے فہن سے شناسا کرتی ہیں تب ہا
بڑے نقادوں نے روز میری کے ان بیانات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ پھر جب انہوں
روز میری کی موسیقی کو سنا تو انہوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ روز میری
موسیقی میں واقعی نئے گزرے ہوئے سارے موسیقاروں کا فن جمع ہوا ہے۔

اس کے بعد بڑے بڑے موسیقاروں نے ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی۔ اس
ڈے یہ کام لگایا گیا کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ واقعی رات کے وقت روز میری
پاس سرے ہوئے موسیقاروں کی روئیں آتی ہیں اور ان روئوں نے ہی روز میری
ایک اعلیٰ پایہ کی موسیقارہ بنا دیا ہے۔ اس کمیٹی نے کچھ عرصہ تحقیق کرنے کے بعد
فیصلہ دیا کہ روز میری جو کچھ کہتی ہے درست ہے۔ روز میری خود اس قابل تھی
نہیں کہ وہ اس اعلیٰ پایہ کی موسیقارہ بنتی بلکہ اس کا یہ کہنا درست ہے کہ رات
وقت سرے ہوئے موسیقاروں کی روئیں اس کے پاس آتی ہیں اور اسے موسیقی سکھ
میں۔

یہ مارچ 1970ء کا واقعہ ہے بمبئی کی پولیس ان دنوں ایک نوجوان چندرا پا
کلاش میں تھی جو گزشتہ کئی دنوں سے گم تھا اور اس کی بیوی اس کی تلاش میں
نرواں تھی۔ مارچ ہی کے مہینے میں ایک پولیس انسپکٹر بمبئی کی عدالت میں حاضر ہوا
اپنا یہ بیان دیا کہ چندرا پا جس کی پولیس کو تلاش ہے اور جس کی تلاش کے لیے
ن کی بیوی ماتی نے رپورٹ درج کرا رکھی ہے اس کی روح میرے پاس آئی اس نے
مہ قتل کی تفصیل بتائی۔ اور اس جگہ کی نشاندہی بھی کی جس جگہ اسے قتل کیا اور
فی کا نام بھی بتایا۔

عدالت کے سامنے ارون کھوٹ نے جب یہ بیان دیا تب عدالت نے اسے حکم
ڈاکہ وہ معاملے کو کھل کر بیان کرے۔ تب سب انسپکٹر اروا ہ کوٹ نے تفصیلاً کہنا
دیا کیا۔

ارون کھوٹ کا کہنا تھا کہ 27 مارچ 1970ء کو وہ بمبئی، راوی تھانے
ما بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا تیس تیس سال کا ایک جوان تھانے میں داخل
ا تھا۔ اس کی شکل چندرا پا سے ملتی تھی اس لیے کہ چندرا پا کے گم ہونے کی
ارت تھانے میں موجود تھی اور اس کی بیوی ماتی نے چندرا پا کی تصویر بھی مہیا کر
می تھی۔ میں چونکہ گزشتہ کئی دنوں سے چندرا پا کی تلاش میں تھا لہذا میرے ذہن
ما اس کی تصویر تھی وہ نوجوان جب تھانے میں داخل ہوا تو میں اسے پہچان گیا۔ وہ

کی لاش کو وہاں دبا دیا گیا تھا۔ جب اس جگہ کی کھدائی کی گئی تو پائپ لائن کے ایک ٹینک میں وہاں ٹکڑا سا ایک ڈھانچہ ملا۔ اس ڈھانچے کا ایک پاؤں پانی کی لہروں کے ساتھ بہہ چکا تھا۔ بہر حال اس ڈھانچے کو پولیس لیبارٹری بجوایا گیا اور تحقیقات۔۔۔ بعد یہ پتہ چلا کہ یہ ڈھانچہ واقعی ایک بتیس تیس سال کے جوان کا تھا۔ تحقیقاتی ٹیم نے اور لیبارٹری نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ڈھانچے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے تھے اور اس کی بائیں ٹانگ کس وقت ٹوٹی تھی اور وہاں جو ڈوگ لایا گیا تھا۔ اس سلسلے میں جب جندراپا کی بیوی ماتئی سے رابطہ قائم کیا گیا تو اس نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی اس کے دو دانت ٹوٹے ہوئے تھے اور یہ کہ اس کی بائیں ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی اسے جو ڈا گیا تھا۔

اس سلسلے میں نیر اور جندراپا کی بیوی سے جب تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ جندراپا شراب کا بہت عادی تھا اور یہ شراب وہ سو بایا نیر سے خریدے کرتا تھا۔ اس لیے کہ وہ شراب کی دوکان چلایا کرتا تھا۔ ایک روز سو بایا نیر جندراپا سے ملنے اس کے گھر آیا۔ وہ منٹوش نگر میں فلیٹ نمبر 20 - c میں رہا کرتا تھا۔ جندراپا ہر وقت شراب میں دھت رہتا تھا۔ پہلی بار جب سو بایا نیر جندراپا کے گھر آیا تو پہلی بار جندراپا کی بیوی ماتئی کو دیکھا اور وہ اس پر لٹو ہو گیا۔

اس کے بعد سو بایا نے برابر جب جندراپا کے گھر آنا شروع کیا جندراپا چونکہ ہر وقت شراب میں دھت رہتا تھا لہذا سو بایا نیر نے اس کی بیوی سے ملنا جلتا شروع کر دیا بالآخر اس سے اس نے ناجائز تعلقات بحال کر لیے۔ جندراپا کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ اپنی بیوی پر بھی برہم ہوا اور سو بایا پر بھی اس نے بے پناہ غصے کا اظہار کیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے ماتئی نے اپنے شوہر جندراپا سے معافی مانگ لی اور کہنے لگی کہ وہ آئندہ اس قسم کی صورتحال میں اپنے آپ کو ملوث نہیں کرے گی دوسری طرف سو بایا نے بھی جندراپا سے معافی مانگ لی۔ اس طرح یہ بات آئی گئی سی ہو گئی تھی۔

لیکن سو بایا اور جندراپا کی بیوی نے جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ جھوٹ فریب اور دھوکہ تھا۔ ان دونوں نے باہمی تعلقات کو بحال رکھا۔ جس وقت جندراپا کا کام پر چلا

چندراپا تھا جو بی میرے پاس آکر وہ بیٹھا تو میں نے حریت سے اس کی طرف د ہوئے تو چھاپا تم چندراپا ہو۔

میرے اس سوال پر وہ غیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھتا رہا میں نے اپنی بات پر زور دیا تو وہ کہنے لگا میرا اصل چندراپا نہیں۔ میں چندراپا کی ہوں۔ جو ابھی تک جھٹکت رہی ہے اور اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں آج اس کے ہوں تاکہ اپنے مرنے کی رپورٹ خود درج کراؤں۔ سب انسپکٹر اردن کوٹ نے انکشاف کرتے ہوئے عدالت کو بتایا۔

کہ اس روح نے مجھ پر انکشاف کیا کہ اس کے دوست سو بایا نیر نے 1 قتل کیا ہے اور وہ ایک دن ہسپتال میں ملے ہوئے سیٹارام مل میں مجھ سے ملنے کے لیے آ اس مل میں کام کیا کرتا تھا اس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ یہ دو دسمبر 1969 - کا وہ تھا۔ میرے اسے ایک ضیافت میں باندھ اسٹیشن میں دعوت دی تھی اور ساتھ ہی بھی کہا تھا کہ وہ ایک اہم موضوع پر مجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ اسٹیشن سے ف ہونے کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور دھاروی روڈ پر جیمین مل کی طرف گے جہاں سو بایا شراب کی دوکان چلایا کرتا تھا۔

چندراپا نے مزید یہ انکشاف کیا تھا کہ وہاں بیٹھ کر ان دونوں نے کافی ر گئے تک خوب شراب پی۔ اور جب جندراپا شراب کے نشے میں دھت ہو گیا تب نیر چاقو نکال لیا اور جندراپا کی طرف دیکھتے ہوئے گھورتے ہوئے انداز میں کہنے لگا یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔ اور یہ کہ وہ اس کا خاتمہ کر دے گا۔

اس کے بعد سو بایا جندراپا پر ٹوٹ پڑا۔ بے در پنے اسے چاقو کے وار۔ جندراپا موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد نیر نے جیمین مل کے سلسلے کو گھبراہٹ ایک پائپ کے اندر اس کی لاش کو ڈال دیا۔ روح نے سب انسپکٹر اردن کوٹ پر بھی انکشاف کیا کہ اگر اس جگہ کی کھدائی کی جائے تو اب بھی میری لاش کا ڈھانچہ ہم مل سکتا ہے۔

اس روح کے اس انکشاف پر سب انسپکٹر اردن کوٹ کو حکم دیا گیا کہ 1 جگہ کی کھدائی کی جائے۔ اور دیکھا جائے کہ واقعی کیا وہاں جندراپا کو قتل کر کے 1

سے جاوے وار کر کے چند رپا کا خاتمہ کر دیا اور جیسمین مل کے سامنے جو پانی ٹینک
زیر زمین تھا اس کے اندر چند رپا کی لاش چھپا دی جو پولیس نے وہاں سے برآمد کر لی
تھی۔

اب چونکہ یہ بات طے شدہ تھی کہ چند رپا کا قتل سو بایا نے ہی کیا ہے۔ لہذا
سو بایا کو گرفتار کیا گیا اور تھبٹا اسے ہمیں کی آرتھر روڈ کی جیل بھیج دیا گیا۔

لیکن 5 جولائی 1970ء کو ہمیں کی آرتھر روڈ جیل میں ایک ہنگامہ ایک شور
اٹھ کھڑا ہوا۔ اس لیے کہ رات کے لگ بھگ ساڑھے دس بجے قیدی سو بایا نے جھٹکا
چلاتا شروع کر دیا وہ بار بار اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر اور نیچے دیکھتا اور بار بار
پکارتا نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو مجھے اکیلا چھوڑ دو مجھے محاف کر دو۔ بس وہ یہی الفاظ کہے
جاتا تھا۔

یہ چیخ و پکار سن کر جیل کے بہت سے کانسٹیبل وہاں جمع ہو گئے دوسرے
قیدی بھی اس موقع پر پہنچ گئے تھے ان سب نے دیکھا سو بایا زیر زمین پر لوٹ رہا تھا۔
ایسا لگتا تھا جیسے وہ بڑی اذیت بڑی تکلیف میں ہو۔ اور وہ اس طرح لرز کاتب رہا تھا
جیسے کسی مادی قوت نے اسے انتہا درجہ کی تکلیف میں مبتلا کر دیا ہو۔ جو نہی زمین پر
لوٹے ہوئے سو بایا نے اپنے ارد گرد جمع ہونے والے سپاہیوں کو دیکھا وہ زور زور
سے پکارنے لگا۔ بھگوان کے لیے مجھے بچاؤ بھگوان کے لیے مجھے بچاؤ نہ چند رپا کی روح
میرا کام تمام کر کے رکھ دے گی۔

وہاں کھڑے سارے لوگ سہم گئے تھے۔ پولیس والے بھی خوفزدہ ہو گئے
تھے۔ سب نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ جو سو بایا زمین پر لوٹ رہا ہے اس کے جسم پر
جگہ جگہ خراشیں آگئی ہیں تو یقیناً چند رپا کی روح ہی اس پر وارد ہوئی ہے اور اسے ایک
انسانی اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ کچھ ذہن نشین رہا جس نے پھر شاید
چند رپا کی روح جو اس پر وارد ہوئی تھی وہ جلی گئی لہذا سو بایا نے جھٹکا چلاتا بند کر دیا تھا
اور وہ اپنی کونھری کے ایک کونے میں ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

سو بایا کو پولیس نے 27 مارچ 1970ء کو گرفتار کیا تھا۔ اور اس کی یہ
گرفتاری چند رپا کی لاش کے ملنے والی کے بیانات کی بنا پر کی گئی تھی اس کے بعد

جاتا تھا۔ سو بایا چند رپا کے یہاں آتا اور وہیں اس کی بیوی باقی کے ساتھ رہتا۔ باقی ایسی
بد قسمت تھی کہ جب اس سے پوچھا گیا کہ اس نے چند رپا سے بیوفائی کیوں کی تو وہ
ہنسنے لگی چند رپا ہر وقت شراب میں دھت رہتا تھا اور اس کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا
۔ دوسری طرف باقی کی حماقت یہ کہ شراب پینے والے چند رپا کو چھوڑ کر وہ شراب پیچھے
والے سو بایا کی طرف مائل ہو گئی۔

آخر یہ تعلقات رنگ لائے تھے گو سو بایا اور باقی چھپ چھپ کر خفیہ طور پر
ملنے جاتے لیکن آخر کار یہ راز راز نہ رہ سکا۔ محلے کے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ جس وقت
چند رپا کا کام پر چلا جاتا ہے۔ تو اس کی غیر موجودگی میں شراب پیچھے والا سو بایا اس کے گھر
آتا ہے۔ اس طرح محلے کے لوگوں نے چند رپا پر زور دیا کہ اس کے گھر کے حالات
فھسک نہیں ہیں۔ اس کی غیر موجودگی میں سو بایا شراب پیچھے والا برابر اس کے گھر آتا
ہے۔ اور یہ بات محلے کے لیے درست نہیں۔ محلے کی دوسری لڑکیاں بھی اس سے
اثر انداز ہوتی ہیں۔ لہذا تو وہ یہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائے یا اپنے فلیٹ کی کچھ
اس طرح دیکھ بھال کرے کہ اس کی غیر موجودگی میں شراب پیچھے والا سو بایا اس کے
یہاں نہ آ سکے۔

یہ حالات سن کر چند رپا کو بے حد دکھ ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کو بھی خوب
مارا۔ پھر وہ سو بایا کی دوکان پر گیا اور اسے بھی اس قدر مارا کہ وہ اپنی دوکان میں نیم
بہوش سا ہو گیا۔

جس روز چند رپا نے سو بایا کو اس کی دوکان پر جا کر مارا تھا اس کے چند روز
بعد تک تو سو بایا نے باقی سے ملنا ترک کر دیا۔ اس نے چند رپا کے محلے کا رخ تک نہ
کیا۔ پھر ایک روز وہ چند رپا سے ملا اپنے رویے کی اس نے معافی مانگی۔ مگر گوارے
ہونے چند رپا کے سامنے اس نے ہاتھ جوڑے۔ اور اس سے کہا کہ جو کچھ ہوا اسے وہ
بھول جائے۔ اور پہلی دوستی کو بحال کرے اس طرح چند رپا کے دل میں جو کڑواہ آتا
تھا وہ اس نے نکل دیا یہ دراصل سو بایا کی طرف سے ایک دھوکہ اور فریب تھا۔

سو بایا نے جب اندازہ لگایا کہ اب چند رپا پھر اس پر اعتماد کرنے لگا ہے اور وہ
ماضی کی تلی کو بھول گیا ہے تب اس نے دعوت دی اور اس دعوت کے دوران اس

وہ سو بایا پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ سو بایا اذیت دیکھ اور تکلیف میں اسپتال کے فرش پر اوٹھیں لیٹا تھا۔ چیخ و پکار کرتا تھا مدد کے لیے پکارتا تھا۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو اسپتال کے ڈاکٹر اور دیگر عملے نے دیکھا سو بایا کے سر اور جسم کے مختلف حصوں پر زخموں کے نشانات تھے جو چند رپاکی روح کے حملے کے باعث پیش آتے تھے۔

تیرہ جولائی کے اس حملے کے بعد جب سو بایا کو اسپتال سے دوبارہ جیل میں منتقل کر دیا گیا تو اٹالک جیل کا عملہ دنگ رہ گیا۔ صبح سویرے 21 جولائی کو جب سو بایا کی کوٹھری کا دروازہ کھولا گیا تو سو بایا نیر جیل کی اس کوٹھری میں مردہ پایا گیا ایسا لگتا تھا کہ نمودری دیر پہلے کسی نے اس کا خاتمہ کیا ہو۔ اس لیے کہ اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے دل نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ نیل کے حملے نے بھی ختم کیا تھا۔ کہ رات کے وقت چند رپاکی روح اس پر حملہ آور ہوئی تھی اور اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ یوں چند رپاکی روح نے اپنے قتل کا انتقام سو بایا سے لے لیا تھا

پولیس نے سو بایا کو گرفتار کرنے کے بعد جب اس کا بیان لیا تو پہلے تو وہ جھنجھکیا لیکن جب پولیس نے اس پر زور ڈالا تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا لہذا ریمانڈ ختم ہونے کے بعد پولیس نے اسے بسپکی کی اور تھروڈ جیل بھیج دیا تھا۔ بسپیں جیل کی کوٹھری میں جیل بار جب 5 جولائی کو چند رپاکی روح اس پر وارد ہوئی تو سو بایا کی حالت عجیب و غریب تھی۔ جس وقت وہ پولیس والوں کو اپنی مدد کے لیے پکار رہا تھا اپنے ساتھی قیدیوں کو بلارہا تھا۔ تو کسی کی جرات نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر اس کی مدد کرے۔ اس لیے کہ ہر کوئی بھی دیکھ رہا تھا کہ کوئی ایسی اورانی قوت ہے جو سو بایا پر وارد ہوتی اور اسے اذیت دے رہی ہے۔ اس لیے کسی نے آگے بڑھ کر اس کی مدد نہ کی بہر حال اس روز سو بایا بلی تکلیف میں رہا۔ جب چند رپاکی روح چلی گئی تو وہ خاموش ہو کر بیٹھا رہا یہ صورت حال پولیس کے لیے یقیناً تشویشناک تھی۔ جب چند رپاکی روح چلی گئی اور سو بایا نے اپنے آپ کو بحال کر لیا تب پولیس نے جب اس سے پوچھ چوچ کی تو اس نے کہا کہ چند رپاکی روح اس پر وارد ہوئی تھی اس نے اس پر حملہ کیا تھا اسے انتہائی اذیت دی تھی۔

پولیس نے جب سو بایا کا جائزہ لیا تو اس کے بھرے کے علاوہ اس کی پہنچ پر بھی عجیب و غریب غرائش تھیں۔ اس پر پولیس ہی نہیں ساتھی قیدی بھی دنگ رہ گئے تھے۔ سو بایا کے جسم پر جگہ جگہ زخم تھے لہذا اسے اسپتال منتقل کر دیا گیا۔ اسپتال میں اس نے ڈاکٹروں کو پوری تفصیل سے اپنے حالات بتائے یہ بھی بتایا کہ جیل میں کس طرح چند رپاکی روح اس پر وارد ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر اسی کے حملے کی وجہ سے غرائشیں اور زخم آئے تھے۔

سو بایا ابھی اسپتال ہی میں تھا کہ تیرہ جولائی کو پھر چند رپاکی روح نے اس پر حملہ کیا اس کی حالت ایک بار پھر ایسی ہی ہو گئی تھی جیسے چند روز پہلے جیل میں ہوئی تھی۔ اس کے محافظ اور اسپتال کے عملے نے دیکھا کہ تیرہ جولائی کی رات کو چند رپاکی روح نے سو بایا کو مار مار کر ادھ مواسا کر دیا تھا۔ اسپتال کے عملے نے یہ بھی دیکھا کہ گو وہ روح وہ قوت جو سو بایا پر حملہ آور ہوئی تھی دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن جس وقت

کی حیرانگی اور پریشانی کے لیے کافی تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ کمرہ برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا تو اس بناء پر اسکی پریشانی اور فکر سندی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

پلانگ کے گرد پھیلے بادلوں کے اندر اس کی دایہ آنکھیں بند کئے بنی تھیں اچانک جب فلف کمرے میں داخل ہوا اور کمرے کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپنے لگے تو اس کے ساتھ ہی پیلیاں بھی لرز گئی تھیں۔ جن کی بناء پر پیلیوں کی آواز پر فلف کی دایہ چونکی اور اٹھ کھڑی ہوئی اس نے جب دیکھا کہ اس کے ارد گرد بادل پھیلے ہوئے ہیں تو وہ انتہائی خوفزدہ ہوئی۔ اس کے پہرے اس کی آنکھوں میں وحشت پھیل گئی تھی۔ پھر وہ فوراً پلانگ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چونکہ وہ اوجڑ عمر کی تھی لہذا آہستہ آہستہ وہ اس سمت بڑھی جہاں دروازے کے قریب ہی اس کا پوتا فلف کھڑا تھا۔ فلف اور اس کی دایہ سارہ دونوں نے دیکھا وہ کمرہ بنا بادل جو تھوڑی دیر پہلے پلانگ کے ارد گرد پھیلے ہوئے تھے آہستہ آہستہ سمٹنے ہوئے سارہ کے پیچھے پیچھے ہوئے تھے۔

جب سارہ اپنے پوتے فلف کے قریب آکر رکی تو اس کے پیچھے بادل کا وہ ٹکڑا بھی رک گیا۔ پھر دایہ پوتا دونوں نے دیکھا کمرے کی ہر شے ایسی سفید ہو گئی تھی جیسے ہر شے پر برف پڑ گئی ہو۔ سردی ایسی ہو گئی تھی جیسے ان دونوں دایہ پوتا کو کسی نے اٹھا کر برف داروں میں پھینک دیا ہو۔ تھوڑی دیر تک یہی کیفیت رہی۔ پھر ہر چیز معمول کے مطابق ہو گئی۔ تاہم یہ واقعہ ان دونوں دایہ پوتا کے لیے انتہائی فکر انگیز اور پریشانی کا باعث تھا۔ وہ بڑے پریشان بڑے فکر مند تھے۔ کمرے کی نفسیتوں پر بیٹھ گئے۔ پھر دونوں دایہ پوتا چاہتے بیٹھ گئے۔

ادھر فلف کی آنٹی میری باورچی خانے میں چائے پینے کے بعد جب باورچی خانے کی صفائی کر رہی تھی تو اس نے دیکھا باورچی خانے میں ڈسریوں پانی متح ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ بڑی فکر مند ہوئی اس نے سارے نلوں کا جائزہ لیا وہ بند تھے اس نے پانی کے پائپ دیکھے کہ شاید کہیں سے کوئی پائپ ٹیک کر رہا ہو۔ لیکن ایسا بھی کوئی حاحہ نہ تھا۔ نل اور پائپ بالکل ٹھیک تھے۔ میری نے فرش کا جائزہ لیا فرش بھی کہیں سے پھینا ہوا نہیں تھا۔ بالکل ٹھیک تھا جس، معرف پانی باورچی خانے کے فرش پر چب رہا تھا۔ اس کے علاوہ ہر شے خشک تھی۔

یہ حادثہ 1966ء میں انگلستان میں پارک شائر کے قصبے پونز فریکٹ میں پیش آیا۔ جس گھر میں یہ واقعہ پیش آیا اس گھر کا مالک ایک شخص مسٹر پیرڈ تھا۔ ان دونوں وہ خود اپنی بیوی اور اپنی بیٹی ڈیانا کے ساتھ چند دن کے لیے گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔ ان کے جانے کے بعد گھر پر ان کا پندرہ سالہ بیٹا فلف اس کی جوان سال آئی میری اور دایہ سارہ تھے۔

ایک روز باورچی خانے میں میری نے اپنے پندرہ سالہ بھتیجے فلف کو چائے بنا کر دی۔ میری خود تو باورچی خانے میں ہی بیٹھ کر چائے پی رہی تھی۔ جبکہ فلف اپنا چائے کا کپ لے کر اپنی دایہ سارہ کے کمرے کی طرف گیا۔ جس وقت وہ اپنی دایہ کے کمرے میں داخل ہوا تو دنگ رہ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں چائے کے دونوں کپ لرزنے کانپنے لگے تھے۔ اور اس کی حالت کچھ اس طرح ہو گئی تھی جیسے اس کے دونوں پاؤں زمین میں گڑ کر رہ گئے ہوں۔

اس نے دیکھا جس پلانگ پر اس کی دایہ لٹنی ہوئی تھی اس کے ارد گرد بجورے اور سفید رنگ کے طے بادل کمرہ کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ کمرہ اس قدر ٹھنڈا تھا جیسے وہ کوئی برف خانہ ہو حالانکہ باہر تیز دھوپ تھی۔ موسم خاصہ گرم تھا۔ اس بناء پر پندرہ سالہ فلف حیرت میں تھا اور حیران د پریشان ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی دایہ کے گرد جو کمرے کے بادل منڈلا رہے تھے وہ اس

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے میری سنے اپنے بھتیجے فلپ کو آواز دی وہ بھاگا بھاگا آیا میری سنے اسے باورچی خانے کی حالت دکھائی اور اسے فوراً بھجھا کہ پائپ ٹھیک کرنے والوں کو بلا کر لائے اس لیے کہ باورچی خانے میں پانی جمع ہو رہا ہے۔ فلپ بھاگا بھاگا گیا اور پمپ کو بلا کر لے آیا۔ اس نے سارے پائپوں کا جائزہ لیا فرش بھی دیکھا لیکن اس کی کچھ میں کچھ نہ آیا کہ پانی کہاں سے آ رہا ہے۔ تاہم وہ چلا گیا۔ اس کے بعد میری اور فلپ نے دیکھا کہ شام تک وہ پانی خود ہی ختم ہو گیا تھا۔ باورچی خانے کا فرش پہلے جیسا خشک ہو کر دیکھا تھا۔

شام تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔ لیکن شام کے قریب گھر میں پھر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ فلپ نے اس کی دادی اور اپنی مری تینوں اکٹھے بیٹھنی۔ وہی دیکھ رہے تھے کہ گھر میں زور دار دھماکے ہونا شروع ہو گئے دھماکے کی یہ آواز گھر کے بڑے بال کی طرف سے آئی تھی۔ بال سے پہلے باورچی خانہ آتا تھا۔ فلپ جب فی دی روم سے بھاگا بھاگا باہر نکلا اس کے پیچھے بیٹھے میری بھی تھی۔ دونوں دنگ رہ گئے انہوں نے دیکھا باورچی خانے میں چینی کا برتن الٹا پڑا تھا۔ فرش پر چینی کھری پڑی تھی چائے کی پتی بھی ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھی۔ چائے کی پتی کا ڈبہ بھی الٹا پڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ باورچی خانے میں جس قدر برتن تھے وہ بھی سارے ادھر ادھر ہو کر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد گھر میں پھر ایک زور دار دھماکا ہوا۔ دھماکے کی یہ آواز بڑے بال کی طرف سے آئی تھی۔ لہذا فلپ اور میری اس کمرے کی طرف بھاگے۔ انہوں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کمرے میں جانے کے بعد انہیں ایک درخیز ان کن اور پریشان کر دینے والی چیز نظر آئی۔ اس لیے کہ بڑے کمرے کے قریب ہی سیزجیاں تھیں وہاں پودوں کے گلے رکھے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ غالی تھے ان کے پودے سبز جیوں کے قریب ہی فضا میں تیر رہے تھے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے بجلی آف آن ہوئی شروع ہو گئی تھی۔ یہ ساری باتیں ان کے لیے اہتا درجہ پریشانی۔ فکر مند ہی اور دہشت کا باعث تھیں۔ میری اور فلپ کچھ دیر تک دونوں ان پودوں کو دیکھتے رہے پھر سیزجیوں کے قریب ہی فضا میں معلق تھے۔ میری اور فلپ دونوں خوفزدہ ہو گئے تھے۔ یہ ٹھیک رات ساڑھے نو بجے کا حادثہ تھا۔ دونوں بڑے کمرے سے

نکل کر جب سارے کمرے میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کمرے میں بھی جو الماریوں کے اندر کپڑے رکھے ہوئے تھے وہ بھی فضا کے اندر بھٹکوں کی طرح اڑ رہے تھے۔

یہ صورت حال تینوں کے لیے پریشان کن تھی۔ تینوں ایک جگہ بیٹھ گئے صلاح و مشورہ کرنے لگے پھر فلپ کی دادی نے مشورہ دیا کہ ان کے گاؤں میں جو اویور ڈونالڈ نام کا روحانیت کا ماہر ہے اسے بلایا جائے تاکہ اگر اس کمرے میں کوئی روج ہے تو اسے مار بیٹھے۔ اس پر فلپ بھاگا بھاگا گیا اور ہستی کے روحانیت کے ماہر اویور ڈونالڈ کو بلا کر لایا۔

اویور ڈونالڈ نے سارے گھر کا جائزہ لیا۔ پھر وہ بڑے کمرے میں اُن کھڑا ہوا۔ سارے فلپ اور میری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے ہر چیز ٹھیک ہے۔ تم لوگوں نے جو یہ شب ظاہر کیا ہے کہ اس گھر میں کوئی روح کھس آئی ہے۔ تو میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس گھر میں روح کے آنے کی کوئی نشانی دکھائی نہیں دیتی۔ اس لیے کہ میرے اپنے علم کے مطابق اگر کسی گھر میں کوئی روح داخل ہوتی ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی نشانی ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر گھر میں لٹکی ہوئی کوئی تصویر بھاڑ دی جاتی ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور حادثہ ہوتا ہے جو ایک طرح سے روح کی طرف سے نشانی ہوتی ہے کہ روح اس گھر میں داخل ہوئی تھی

اویور ڈونالڈ انہیں تک کہنے پایا تھا کہ ڈر خوف کے مارے اسے رک جانا چڑا اس لیے کہ بڑے کمرے میں جو گھر کے مالک مسٹر پیرز اور اس کی بیوی مسز پیرز کی بہت بڑی تصویر لٹکی ہوئی تھی وہ ایک دم نوٹ کر نیچے گری شیشہ پکنا چور ہو گیا۔ اور تصویر جو کافی بڑی تھی پچ میں سے دو ٹکڑے ہو گئی۔ اویور ڈونالڈ نے آگے بڑھ کر جب تصویر کا جائزہ لیا تو وہ ایسے دو حصے کی گئی تھی جیسے کسی نے بڑی تنظیم کے ساتھ اسے قینچی سے کاٹا ہو۔ اور اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہو۔

یہ صورت حال فقیرا روحانیت کے ماہر اویور ڈونالڈ کے لیے بھی پریشان کن تھی اس گھر میں کافی دیر تک بیٹھ کر وہ اپنا عمل کرتا رہا لیکن اسے ناکامی کا منت دیکھنا پڑا۔

یہ صورتحال ڈیانا کے لیے بری پریشان کن تھی۔ جو اس وقت اپنے بلیک پر سولی ہوئی تھی۔ اس کے گھر والے بھی اس وقت اس کے کمرے میں موجود تھے۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جو بالوں میں کرنے والا برش پڑا ہوا تھا وہ لچانک اڑا اور زور دار انداز میں ڈیانا کی ناک پر آکر لگا۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس برش کے گتے سے نہ تو ڈیانا کی ناک پر کوئی غراش آئی نہ اس نے تکلیف محسوس کی نہ ہی اسے کوئی ڈر لگا۔ اس کے بعد ڈیانا کے کمرے کی بجلی کے سوچے ایک دم آف ہونا شروع ہو گئے

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے فلپ اور ڈیانا دونوں بہن بھائی فوراً حرکت میں آئے انہوں نے دیکھا کہ جب وہ سوچے آج کرتے ہیں تو فوراً کوئی قوت انہیں بند کر دیتی ہے ہر دونوں بہن بھائیوں نے سوچے کہ آج کرنے کے بعد ان کے بور یپ لگا دی تھی تاکہ سوچے آف نہ ہوں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یپ فضا میں اڑ گئی اور بجلی کے سوچے ایک بار برآف کر دیے گئے تھے۔

یہ صورتحال سارے گھر والوں کے لیے پریشان کن تھی۔ لہذا مسٹر اور مسز بھرڈنے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے گاؤں کا بو پادری تھا اسے بلایا جائے تاکہ وہ اس روح پر قابو پائے۔ یا اس روح کو گھر سے بھاگنے میں ان کی مدد کرے۔ اس گاؤں کا بو پادری تھا اس کا نام ریو وادی تھا۔ جب اسے بلایا گیا تو وہ بھاگا بھاگا گھر میں آیا جبکہ گھر والوں نے اسے گھر کے اندر روح کی کارستانیوں سے لگا لیا تو وہ ساری باتیں ریو وادی سے، حور سے سنتا رہا۔ پھر اس نے سہلایا تو ہونے کہا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ باتیں یا تو غلط اور ڈیانا نے خود گھڑ لی ہیں۔ یا اس قسم کی یہ کوئی کہانیاں جڑتے ہیں اور ان کہانیوں کو انہوں نے اپنے گھر پر منطبق کر لیا ہے۔ ریو وادی نے مکمل طور پر انکار کر دیا کہ اس گھر میں نہ کوئی روہ ہے نہ ہی کوئی روح اس قسم کی حرکتیں کرتی ہے۔ یہ انکار دائم اور گہرا ہے۔ پادری ریو وادی ابھی اس قسم کی گفتگو کر رہی رہا تھا۔

یہ سب سنا کر ڈیانا نے پھر اپنا بیاد دکھانا شروع کیا۔

وہ اس طرح کہ قسم قسم سے اس وقت گھر والوں کے ساتھ پادری ریو وادی بیٹھا ہوا تھا اس کے سے کہ لکھنے میں اس کا ہاتھ دھیر دھیر ایک دم

جب تک وہ گھر میں موجود رہا روح جو اس گھر میں گھسی آئی تھی وہ طرح طرح کی حرکتیں کرتی رہی۔ کبھی باورچی خانے سے سامان پھینکتی کبھی کپڑے ہوا میں تیرنے لگتے کبھی گتے ٹوٹنے لگتے۔ پودے فضا میں تیرنے لگتے۔ کبھی یوں ہی گھر کے اندر باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔ ریو وادی ڈیانا نے جب دیکھا کہ یہ معاملہ اس کے قابو کا نہیں تو وہ معذرت کرتے ہوئے چلا گیا اس کے جانے کے بعد روح بھی چلی گئی تھی اور گھر کا ماحول معمول کے مطابق آگیا تھا۔

چند دن بعد فلپ کے ماں باپ مسٹر اور مسز بھرڈ اور فلپ کی تیرہ سالہ بہن ڈیانا بھی گھر لوٹ آئے۔ فلپ میری اور سارہ نے جب گھر میں رونا ہونے والے واقعات بتائے تو ان تینوں نے ان واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مسٹر اور مسز بھرڈ نے حد درجہ مخالفت کی اور کہنے لگے ان کے گھر میں یہ واقعات ہو ہی نہیں سکتے۔ فلپ۔ سارہ اور میری صرف انہیں بیوقوف بنانے اور ڈرانے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہر حال معاملہ رفع دفع ہو گیا اور پھر وہ سال تک کوئی بھی خلاف معمول واقعہ اس گھر میں پیش نہ آیا۔

دو سال بعد فلپ سترہ سال کا ہو گیا۔ اور اس کی چھوٹی بہن ڈیانا پندرہ برس کی ہو گئی۔ دو سال بعد فلپ اگست کے مہینے میں روح نے پھر گھر میں کاروائیاں شروع کر دیں۔ پچھلی بار بھی جب روح نے اس گھر میں ریو وادی اور ان کے انتقال پر کیا تھا تو بھی اگست ہی کا مہینہ تھا۔ لہذا دو سال بعد پھر اگست کے مہینے میں وہ روح مسٹر اور مسز بھرڈ کے گھر میں نمودار ہوئی وہ اس طرح کہ شروع میں فلپ اور ڈیانا دونوں انہیں بھائیوں کے کمرے کی پتلیں اور دھڑکھڑاتیں۔ جو پتلیں چھاتی پر چڑی ہو تھیں وہ گرجاتیں سب سے قابل حیرت بات جو تھی وہ یہ کہ روح گھر میں اب اس وقت اپنی کاروائیاں شروع کرتی سب خوبصورت اور حسین ڈیانا گھر پر موجود تھی۔

اس کے بعد اس روح کی کاروائیاں بڑی شروع ہو گئیں۔ اچانک راتیں زمین پر کھڑے ہاتھ۔ لیکن حیرت کی بات کہ وہ ٹوٹے نہیں تھے۔ اچانک گھر میں رکھی ہوئی چیزیں فضا میں بلند ہو کر رقص کرنا شروع کر دیتی تھیں۔ پھر ایک بار ایسا ہوا کہ ڈیانا کے کمرے کی کمزری کپ سے آپ اکٹری اور باہر غرا پڑ کر گر گئی تھی۔

فضا میں بلند ہوا اور تقریباً رقص کرنے کے انداز میں زمین پر آکر گرے۔ لمب کو کوئی نقصان نہیں ہوا نہ ہی اس کا شعیشہ ٹوٹا تھا۔ اسی دوران اندرونی کمرے کی طرف ایک زور دار آواز بلند ہوئی جیسے کسی نے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ کوئی بہت بڑا شیڈ الٹ دیا ہو۔ جب وہ سب ریوڑادی کے ساتھ بھاگے بھاگے اس کمرے میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ میز پر جو کپ اور دوسرے برتن پڑے ہوئے وہ فرش پر کچرے ہوئے تھے لیکن حیرت انگیز بات یہ کہ ان میں سے کوئی بھی برتن ٹوٹا ہوا نہ تھا۔ جس میز پر برتن رکھے ہوئے تھے وہ میز الٹی ہوئی تھی۔

اب یادری ریوڑادی کو یقین ہو گیا کہ واقعی اس گھر میں روح ہے اس لیے پاس جس قدر علم تھا اس کو استعمال کرتے ہوئے اس نے روح کو بھگانے کی کوشش کی لیکن اس میں اسے مکمل طور پر ناکامی ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یادری ریوڑادی مکمل طور پر نامراد اپنے گھر چلا گیا تھا۔

یادری ریوڑادی کے ناکام ہونے پر روح نے اپنی کاروائیوں میں مزید اضافہ دیا تھا۔ شاید یادری ریوڑادی کی ناکامی سے اس کے خواہشوں میں مزید اضافہ ہوا تھا اسی رات جس وقت یہ خصوصیت اور حسین ڈیانا اپنے کمرے میں سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ یکایک کمرے کی بجلی آف ہو گئی۔

پھر رات کی تاریکی میں ڈیانا نے دیکھا اس کے کمرے میں جو کپڑے سینے مشین پر پڑے ہوئے تھے۔ اسٹینڈ سمیت مشین فضا میں بلند اور تقریباً تیزی سے چلتی ہوئی اس کی طرف آئی اور ایک دم اس کی چھاتی کے اوپر آن پڑی۔

اس ساری کاروائی کے نتیجے میں سارے گھر والے ڈیانا کے کمرے میں آن پڑے ہوئے تھے۔ سب نے مل کر کپڑے سینے کی مشین اور اس کے اسٹینڈ کو ڈیانا کی چھ سے ہٹانا چاہا لیکن انہیں ناکامی ہوئی۔ پورا زور لگانے کے باوجود سارے گھر والے ڈیانا کی چھاتی سے اس مشین کو نہ ہٹا سکے تھے۔

اور پھر مسز آدے کی اس میں فکر مند اور خوفزدہ کرنے والی بات یہ تھی ڈیانا اس مشین اور اس کے اسٹینڈ کا بالکل بوجھ محسوس نہیں ہوا تھا تو خودی درختک اسیسا سماں رہا اس کے گھر والے اس کی چھاتی سے مشین اور اس کے اسٹینڈ کو ہٹانے

کوشش کرتے رہے لیکن ناکام رہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد ڈیانا نے اپنی چھاتی پر لیٹیں اور اس کے اسٹینڈ کا بوجھ محسوس کرنا شروع کیا۔ اسی لمحہ کسی نادیدہ قوت نے اس کے اسٹینڈ سمیت اٹھایا اور اس جگہ رکھ دیا جہاں مشین پہلے پڑی ہوئی تھی۔

آٹے دن روح کی کاروائیاں زور پکڑنے لگی تھیں اور نئی نئی کاروائیاں وجود آنے لگی تھیں۔ برتن کو پہلے ہی الٹ جاتے تھے۔ دھماکے بھی پہلے ہوتے تھے اب بات جو رونما ہونا شروع ہوئی وہ یہ کہ کبھی کبھی پورا گھر خوشبو سے بھر جاتا کبھی اس میں ایسی بو پھینکتی کہ اس میں قیام تک کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی میں رکھی پلیٹیں چھت سے ٹکراتیں زور دار آوازیں پیدا ہوتیں کچے پلیٹیں نوشیں اور ناپرکھ جاتیں اس کے علاوہ کبھی کبھی گھر میں اس قسم کی آوازیں بھی بلند ہوتیں گہ گھر میں زور دار انداز میں پیڑ پیڑ بجتے شروع ہو گئے ہوں۔ اور اب اکثر و بیشتر بھی عادی پیش آنے لگا تھا کہ کوئی نادیدہ قوت ڈیانا کو اس کے بستر سے اٹھا کر زور انداز میں فرش پر پھینچ دیتی تھی پر اس پر سخت دیکھنے کے انداز میں نہ تو ڈیانا کو کوئی چوٹ بھی اور نہ ہی اس کے جسم کو کوئی نقصان پہنچتا تھا۔

آخر کار یہ کاروائیاں جو کوئی نادیدہ قوت کر رہی تھی یاد رکھنا کہ اس قصبے ڈائریکٹ سے نکل کر انگلستان میں مشہور ہونا شروع ہو گئی اور پھر 1969ء میں یہ لوگ گلوں فلاں گھر میں کوئی نادیدہ قوت آتی ہے اور یہ یہ کاروائیاں کرتی ہے۔ انہیں کے بوسے اخباروں میں چھپنا شروع ہو گئی تھیں۔ جس کے نتیجے میں دور دور لوگ یارک شائر کے قصبے پوٹرفریکٹ کا رخ کرنے لگے اور اس گھر کو دیکھنے لگے۔ جس میں کوئی نادیدہ قوت یہ کرشمے کرتی تھی۔ اس روح کی ان کاروائیوں کی وجہ مسز اور مسز پیرڈ کا گھر ایک طرح سے زائرین کی آنکھ بھرا بن کر رہ گیا تھا۔

اب آہستہ آہستہ اس نادیدہ قوت اور روح کا مرکز ڈیانا اور اس کا کمرہ بن گیا۔ اکثر و بیشتر ڈیانا کو وہ اسکے بستر سے اٹھاتا۔ فضاوں میں پھینکتا پر ڈیانا کو کوئی نہ نہ لگتی تھی۔ سب سے زیادہ کاروائیاں اس کی اب ڈیانا ہی کے کمرے میں ہونے لگیں۔ اس کے کمرے کی چیمبروں کو درہم برہم کیا جاتا اچانک ہر چیز فضا میں اڑنا لگ جاتی لیکن چونکہ ڈیانا اور گھر والے ان چیزوں کے اب عادی ہو گئے تھے لہذا وہ

ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ان کے سامنے فنکاروں میں پھر ایک انڈیا تیرنے لگا

اس لیے کہ جن دونوں مسز مادو فیانا کے گھر آئی تھیں ان دونوں جنت
 دی تھیں۔ مسز مادو اور گھر کے سارے افراد ایک دن آتش دان کے پاس بیٹھے
 تھے۔ آتش دان میں آگ بڑی طرح بھڑک رہی تھی کہ گھر کی بجلی آف ہو گئی اور
 بعد آتش دان کی آگ کی روشنی میں سب نے دیکھا کہ ان کے دیکھنے ہی دیکھتے ہی
 کا دروازہ کھلا تھا اور اس میں سے دو دوہ کا بھرا ہوا ٹبک آپ ہی آپ نکل رہا تھا۔ ٹبک
 میں تھری ڈواٹرین مسز مادو کے سر پر ان کا اور بھری کرسی نا دیوہ کوٹ نے ٹبک
 سے نکل کر ان کا اور ہر ایک قبضہ بھی دو دوہ کا گرا اور ٹبک خالی ہو گیا۔

عذیب پوری قوت سے ڈیانا کے سینے سے آکر لگرائی تھی۔ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ڈیانا جسم گویا مقناطیس کا پوہ جس نے عذیب سے انداز میں اس صلیب کو اپنی طرف مٹھایا ہو۔

اس صورتحال پر سارے گھر والے پریشان ہو گئے تھے۔ ڈیانا نے جو اپنے باپ کو برش کر رہی تھی پریشانی کی حالت میں اس صلیب کو اپنے جسم سے علیحدہ کرنا بہا۔ اس نے لاکھ کوشش کی پر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئی۔ صلیب کو وہ اپنے جسم سے جدا نہ کر سکی تھی۔ اس صورتحال نے ڈیانا کو انتہا درجہ کا خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ باتیں بھی کہ اس کمرے سے نکل بھاگے کسی طرح صلیب سے اس کی جان چھوٹ جائے نہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بھاگی۔ جس وقت وہ دروازے کے قریب گئی تو صلیب کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو چھوٹی سی مورتی بندھی ہوئی تھی پھیلے وہ زمین پر گر گئی پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس مورتی کے اوپر صلیب بھی گر گئی تھی۔ اس واقعہ نے گھر والوں کو اور زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔

اسی وقت گھر کے سارے افراد پر مسمایوں نے ایک اور انکشاف کیا اور وہ یہ کہ انگشت سے لے کر مٹی کے پھینے تک چونکہ وہ روح ان کے گھر میں کاروائیاں کرتی تھی لہذا مسمایوں کا کہنا تھا کہ ان کے گھر کے چاروں طرف کچھ ایسی طرح کی مدغم مدغم روشنی پھیل جاتی تھی جیسے چاندنی رات میں دور دورہ ٹکا ٹکا گہری وحشت بکھری ہوئی ہو۔

اس کے چند یوم بعد ایک اور تکلیف دہ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ ڈیانا اور اس کی ماں دونوں باورچی خانے میں کافی تیار کر رہی تھیں اچانک بجلی جاتی رہی۔ ڈیانا کی ماں بہرہ گیری تاکہ تازہ لاکر باورچی خانے میں روشنی کرے اور کافی تیار کرے جس وقت وہ تازہ لینے گئی تو اچانک اس کی غیر موجودگی میں باورچی خانے سے ڈیانا کی چیخیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ ڈیانا کی ماں تازہ لیے باورچی خانے کی طرف بھاگی دوسرے گھر والے بھی باورچی خانے کی طرف بھاگے تھے۔ باورچی خانے کے قریب ہی سیزیاں زمین اُنہوں نے دیکھا ڈیانا سیزیاں پر پڑی ہوئی تھی۔

سب نے یہ بھی دیکھا کہ ڈیانا نے اپنے جسم پر جو سویرے پہن رکھا تھا اس سویرے کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اس سویرے پر کڑکڑ ڈیانا کو کوئی کھینچتا رہا ہو۔ یہ بھی

تھوڑی دیر تک وہ ان کے سامنے خلاء کے اندر ہرانا ہوا پھر جھپٹے کی طرح اٹھ زمین پر اور اس کے گردے ہی فضا کے اندر پھر جھپٹے جیسے خوشبو بکھرنے لگی تھی۔ جب لوگ کھول کر دیکھے تو واقعی اس میں سے ایک اور اٹھ کھڑا۔

ڈیانا کی ماں نے بوکری کا ڈھکن پھر بند کر دیا اور بوکری پر بیٹھ گئی پھر کے دیکھتے ہی دیکھتے کئی اٹھ کے بعد بگڑے بوکری میں سے نکل نکل فضا میں تیرا اور زمین پر گر کر گر کر ٹوٹے رہتے یہاں تک کہ آخر میں جب ڈیانا کی ماں نے بوکری دھلتا اٹھایا تو بوکری میں ایک بھی اٹھ نہیں تھا۔ باقی الغطرت طور پر اٹھے لوگ سے نکل کر فضا میں تیرتے زمین پر گرے اور ٹوٹ بھوٹ کر رہ گئے تھے۔

اس واقعہ کے بعد مسٹر اور مسز بجر دونوں ایک ساتھ والے گاؤں کی طرف گئے وہاں ایک پادری بذن نام کا رہتا تھا۔ اسے بلا کر الے اور اس سے استدعا کی وہ اس روح کو بھگانے پانی کے کئے کچے کمرے۔ بذن نے انہیں اپنی دم کر کے دیا انہیں یہ کہا کہ وہ اس پانی کو اپنے سامنے گھر میں چھوڑ دیں۔ مسٹر اور مسز بجر نے ایسا ہی کیا۔ سارے گھر میں پانی چھوڑ دیا گیا اور پادری بذن کی ہدایات مطابق سارے گھر میں پانی چھوڑنے کے بعد وہ سب گھر میں عبادت اور دعا کرنے لگے۔ اسی دوران گھر کے سارے کمروں کی چھتوں سے پانی چھنے لگا گویا وہ روح اپنے جسم اڑا رہی تھی کہ وہ دم کے ہونے پانی سے بھاگنے والی نہیں ہے۔ اس طرح پادری بذن کی بھی ساری کوششیں ناکام رہیں۔

اس کے چند ہی دن بعد ایسا ہوا کہ گھر والے ایک بڑے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے اندر ہی خوبصورت اور حسین ڈیانا یعنی اپنے باپوں کو برش کر رہی تھی۔ کہ سب کے دیکھتے ہی دیکھتے مزی کی ایک دراز نکلی اور پھر فضا میں تیرتی ہوئی پوری قوت سے کمرے کے ایک کونے سے کھڑائی گئی تھی۔ اس کے بعد فوراً ہی ایک دوسرا واقعہ نمودار ہوا وہ یہ کہ بڑے کمرے میں پستل کی ایک بہت بڑی صلیب لٹک رہی تھی اس صلیب کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک چھوٹی سی مورتی چپاں تھی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر تک وہ صلیب فضا میں جوہتی رہا اس کے بعد عذیب سے انداز میں وہ دسیاں ٹوٹیں جن سے صلیب بندھی ہوئی تھی

ہنہی تو انگلستان کی انتظامیہ نے مسز اور مسز پر ڈکے گھر میں روح کے نمودار ہونے کی تحقیقات کرنے کے لیے ایک کمپنی مقرر کی۔ کمپنی نے اس گاؤں کے سارے حالات جاننے کی کوشش کی۔ گاؤں کے ارد گرد جو دوسرے قصبے تھے ان سے بھی حالات معلوم کیے۔ آخر ہندوہ کی تحقیقات کے بعد یہ پتہ چلا کہ گاؤں میں جس جگہ مسز پر ڈکے کا گھر تھا یعنی فلپ اور ڈیانا کا گھر وہاں 1090ء سے 1539ء کے درمیان ایک چرچ ہوا کرتا تھا۔ اس چرچ کے اندر جو پادری تھا اس نے چرچ کے اندر ہی چرچ میں آنے والی ایک لڑکی کو سہ آبرو کر دیا تھا۔ جس کی سزا کے طور پر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم نے اس پادری کو گلیلیا کے اندر ہی مصلوب کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ بھی تحقیقات کی گئی کہ جس جگہ ڈیانا اور فلپ کا گھر تھا اسی جگہ پر اس پادری کو پھانسی دے کر اس کا خاتمہ کیا گیا تھا۔

تاہم تحقیقات کرنے والی کمپنی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ آخر اس پادری کی روح 1966ء میں ہی آکر کیوں حرکت میں آئی۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ روح ڈیانا کی خوبصورتی اور اس کے حسن کی وجہ سے حرکت میں آئی تھی۔ ایک اور بات بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی تھی اور وہ یہ کہ دم نکلتے ہوئے پانی۔ صلیب اور دوسرے طریقوں سے بھی روح نے اس گھر کو نہ چھوڑا تھا۔ آخر میں لوگ اس بات سے بھی پریشان تھے کہ آخر ہسن میں کیا خاصیت ہے کہ جب سے اس گھر میں ہسن کی گھٹیاں باندھی گئی تھیں روح نے اس گھر میں آنا بند کر دیا تھا۔

دیکھا گیا کہ ڈیانا کی گردن پر کچھ خراشیں تھیں جیسے کسی قوت نے اسے سویزا اور گردن سے پکڑ کر پادری خانے سے ٹھیسٹے ہوئے سیڑھیوں کی طرف لے جانے کی کوشش کی ہو۔ سب ڈرتے ہی ڈیانا کے قریب گئے۔ اسے اٹھا کر بڑے کمرے کی طرف لے گئے۔

اس واقعہ کے بعد اس روح کی کاروائیاں ان کے گھر میں آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئیں۔ جیسے وہ روح اس گھر کے افراد سے ناراض ہو گئی ہو۔ آخری بار ان لوگوں نے روحوں کو اس وقت دیکھا جس وقت فلپ اور ڈیانا دونوں بہن بھائی اپنے کمرے میں بیٹھی فی دی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فی دی والے کمرے میں ایک روح کو بالکل اپنے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ اپنے لباس سے وہ روح کسی پادری کی تھی اس لیے کہ اس نے پادریوں جیسا لباس پہنا ہوا تھا۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ کسی پادری کی روح پادری خانے کی طرف گئی چونکہ ایسے حالات کے فلپ اور ڈیانا عادی بنا چکے تھے۔ لہذا دونوں بہن بھائی اٹھ کر اس روح کے پیچھے پیچھے پادری خانے کی طرف گئے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ روح پادری خانے کے فرش میں کہیں رو پوش ہو گئی تھی۔

یہ سارے واقعات آخر کار ڈیانا فلپ اور اس کے ماں باپ نے اپنے ارد گرد کے محلے واردوں اور بستی والوں کو سنائے تب بستی کے بڑے بوڑھوں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے گھر کے ہر کمرے میں ہسن کی ثابت گانٹھوں کو دھاگے سے باندھ کر چھت اور دیواروں کے ساتھ لٹکادیں اس طرح انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر وہ اپنے گھر کے ہر کمرے میں ہسن لٹکاتے ہیں اور باندھتے ہیں تو وہ روح جس نے ان کے گھر کو جہنم بنا رکھا ہے۔ کبھی بھی ان کے گھر میں نہیں آئے گی۔

آخر فلپ اور ڈیانا کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا۔ ذمیر سارے ہسن وہ خراب کر لائے دھاگوں سے ہسن کی گھٹیاں لٹکائی گئیں۔ انہیں دیواروں اور چھتوں کے ساتھ جگہ جگہ باندھ دیا گیا۔ اس کا خاصہ اثر ہوا اس لیے کہ جب سے انہوں نے گھر کے اندر ہسن کی وہ گھٹیاں باندھی تھیں روح نے آنا بند کر دیا تھا۔

اس واقعہ کی فقیر دور دور تک ہو گئی جب انتظامیہ کے کانوں میں یہ بات

اخباری نمائندے کے پوچھنے پر سردار علی نے تفصیل بتاتے ہوئے مزید اکتشاف کیا۔

کہ اس کے آباد اجداد اور اس بستی کے پرانے لوگوں نے بھی روحوں کو ان زمانوں میں نہ صرف یہ کہ آئیں میں لڑتے ہوئے دیکھا تھا بلکہ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ بیولے اور چھتے ہوئے شعلوں کی صورت میں روحوں اس میدان میں نمودار ہوتی تھیں اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتی تھیں۔ سردار علی کا کہنا تھا کہ یہ باتیں وہ اس وقت سے سنتا رہا ہے جس وقت وہ بچہ تھا اور اب جبکہ وہ ایک سو چودہ برس کا ہو چکا ہے تو اس نے یہ صرف یہ کہ ان میدانوں میں روحوں کے آئیں میں نکلنے کی باتیں نہیں بلکہ خود اپنی آنکھوں سے بھی یہ مناظر دیکھے۔

اخباری نمائندے نے جب اسکی وجہ سردار علی سے پوچھی تو سردار علی نے بتایا کہ اس کے اوراق کھنگالنے ہوئے کہنا شروع کیا۔

اس کا کہنا تھا کہ سولہ مارچ 1527ء میں اس کے قصبے خان واہ کے باہر کھلے میدان میں راجپوت سردار رانا ساگا اور مثل شہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اس سے پہلے بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دینے کے بعد 21 اپریل 1526ء کو ہندوستان میں اپنی پوزیشن بڑی مستحکم بنائی تھی۔ لیکن جب تک راجپوت اس کے مقابل تھے۔ اور بابر انکو شکست نہ دیتا تو اس کی حکومت ہندوستان میں مضبوط نہ ہو سکتی تھی۔ لہذا راجپوتوں کو اپنے سامنے زبردستی کے لیے اور ہندوستان میں اپنی بادشاہت کو مستحکم کرنے کے لیے ظہیر الدین محمد بابر 16 مارچ 1927ء کو خان واہ کے نواحی میدانوں میں رانا ساگا اور اس کے غریبوں سے نکلایا۔

راجستان کے قصبے خان واہ کے رہنے والے ایک سو چودہ سالہ سردار علی نے ہندوستان کے ایک اخبار کے نمائندے کو اپنا بیان دیتے ہوئے یہ اکتشاف کیا کہ اس نے 1936ء میں خود اپنی آنکھوں سے روحوں کو دیکھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ راجستان کے قصبے خان واہ کا رہنے والا ہے اس قصبے کو گیارہ سو سال پہلے راجستان میں ایک شخص خان محمد نے آباد کیا تھا۔ سردار علی کا کہنا ہے کہ وہ ایک نواحی قصبے کی طرف گیا ہوا تھا رات کے وقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے قصبے خان واہ کی طرف جا رہا تھا کہ اس کے قصبے خان واہ کے مغرب میں جو کوہستانی سلسلہ تھا اس سلسلے کے قریب کھلا میدان تھا جب وہ اور اس کے ساتھی اس میدان میں پہنچے تو دنگ رہ گئے اس لیے کہ اس میدان میں انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ہتھیار لشکری ایک دوسرے سے برسریکا رہیں۔ تلواروں کی آوازیں ڈھالوں کے نکلنے کی صدا میں دور دور تک سنائی دے رہی تھیں۔ انہوں نے دھن کی شکل میں بیولے دیکھے۔ جو ایک دوسرے سے برسریکا رہتے اس کے بعد یہ بیولے ہمیں دکھائی نہیں دیے۔ ایسا لگتا تھا کوئی ہتھیار مادرانی قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں مصروف ہیں۔

سردار علی کا کہنا تھا کہ جب میں اور میرے ساتھیوں نے یہ صورتحال دیکھی تو اس کی اصلیت کو ہم سمجھ گئے۔ ہم خوفزدہ ہو گئے۔ لہذا جلدی جلدی ان میدانوں کو چھوڑ کر کے ہم اپنے گاؤں خان واہ کی طرف چلے گئے۔

اس میدان جنگ میں کوہستانی سلسلے کے ایک طرف بابر نے اپنے لشکر کے ہتھیار ڈاؤں کیا تھا اور اپنے لشکر کے ارد گرد اس نے خندقیں کھدوا دی تھیں تاکہ رات کو انہیں نمودار ہو کر کہیں رانا ساگا کی پریشانی نہ مارے۔ اور ظہیر الدین محمد بابر کو اپنا یوریا ہسٹری سمیٹ کر ہندوستان سے واپس نہ جانا پڑے۔ اس لیے کہ بابر کے سامنے یہ حقیقت تھی کہ جب تک وہ رانا ساگا کو اپنے سامنے زیر نہیں کرتا ہندوستان کا

شہنشاہ نہیں بن سکتا لہذا ظہیر الدین محمد بابر نے ہتھیہ کر رکھا تھا کہ ہر صورت خان واہ کے ان میدانوں میں رانا ساٹنگ کو زیر کر کے رہے گا۔

سولہ مارچ 1527ء - کو صبح ہی صبح رانا ساٹنگ نے ظہیر الدین بابرؒ میدانوں میں حملہ کیا لیکن رانا ساٹنگ کی بدقسمتی کہ اس جنگ میں ظہیر الدین بابرؒ کے لشکریوں نے ایسی باغیاری ایسی مجاہدانہ جرات مندی ایسی بیباکی اور سرفرو مظاہرہ کیا کہ خان واہ کے ان میدانوں کی جنگ میں ظہیر الدین بابرؒ نے رانا ساٹنگ بدترین شکست دی۔ رانا ساٹنگ اس جنگ میں 46 سال کی عمر میں موت کے گھاٹ گیا۔

سردار علی کا کہنا تھا گو برسوں پہلے صدیوں پہلے یہ جنگ ختم ہو گئی تھی راجپوت پار گئے تھے محل جیت گئے تھے پھر بھی سردار علی کا کہنا تھا کہ راجستان لوگوں اور خود خان واہ کے رہنے والے لوگوں کا خیال ہے کہ رات کو اب بھی خان واہ کے ان میدانوں میں شکست خوردہ راجپوت جنگجو روجوں کی صورت میں کبھی نمودار ہوتے ہیں وہ لپٹے ہاتھوں میں تلواریں اور ڈھالیں لیے ہوتے ہیں شاید راجپوت کی وہ روجیں اپنی شکست کا داغ دھونے کے لیے خان واہ کے ان میدانوں میں الدین بابرؒ اور اس کے فاتح جنگجوؤں کو تلاش کرنے کے لیے نکلتی ہیں۔

1948ء میں لندن کے پیٹرو ایئر پورٹ پر ایک DC-3 طیارہ گر کر تباہ ہوا۔ اس حادثے میں بائیس مسافروں کے علاوہ عملے کے چار افراد بھی مارے گئے تھے۔ اس حادثے بعد لندن کے پیٹرو ایئر پورٹ کو لگاتار تین روجوں نے اپنا مسکن بنائے رکھا۔ مسافروں کے علاوہ ایئر ہوسٹس اور ایئر پورٹ کے مسافروں نے بھی ان روجوں کو بھلا اور محسوس کیا۔

جنوری 1978ء کو ساؤتھ افریقہ کا ڈکٹیٹر لندن آیا۔ وہ جب پیٹرو ایئر پورٹ پر اترا تو وہاں فریض ہونے کے بعد وہ VIP لاؤنج میں آیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ کچھ دیر سسٹانا ہوا تھا جو نہی وہ ایک صوفے پر بیٹھا اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔ وہ پریشان ہو گیا اس لیے جب وہ صوفے پر بیٹھا تو اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ کسی کی گود میں جا بیٹھا ہو۔ اس سے پہلے ہی کوئی شخص وہاں بیٹھ چکا ہو۔ اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کوئی نہ نہیں تھا صوفے کا جائزہ لیا وہ بھی خالی تھا۔ یہ بات لندن کے پیٹرو ایئر پورٹ کی دنیا کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

اس کے بعد ایسا ہی ایک اور حادثہ لندن کے ایئر پورٹ پر رونما ہوا۔ وہ یہ کہ ایک کی ایک انتہائی خوبصورت گانے والی 27 مارچ 1980ء کو لندن آئی۔ جب وہ اسے سسر ایک سے عمارت کے من گیت کی طرف جا رہی تھی تو اس کے پیچھے چند من گیت بھی نہیں تھا۔ پھر جانکا اس نے محسوس کیا کہ اس کے کمر پر کسی نے

لیے کہ اس نے محسوس کیا کہ اس کے بالکل پہلو میں کوئی کھڑا ہے۔ اور زور دار آواز میں سانس لینے لگا ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی دوڑنے کے بعد اونٹنے اونٹنے اور لیٹے لیٹے سانس لیتا ہے۔ اس ایئر پوسٹس کے قریب ٹیکسی اسٹینڈ پر جو دوسرے لوگ کھڑے تھے انہوں نے بھی ان لمبی اور اونچی اونچی سانسوں کو محسوس کیا لیکن انہیں کوئی ایسا فرد دکھائی نہ دیا جو اس قسم کی سانسوں لے رہا ہو۔

اس قسم کے حادثات لندن میں اکثر و بیشتر پیش آتے ہیں اور وہاں کے ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ جب DC-3 کا حادثہ لندن کے ایئر پورٹ پر رونما ہوا ہے۔ تب سے ہی دو یا تین رد میں مسافروں نے ہتھار کے لیے۔ ایئر پوسٹس اور دوسرے ملازمین کو اکثر و بیشتر تنگ کرتی رہتی ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب DC-3 کا حادثہ ہوا تھا اور اس کے غلطے سے ایئر پورٹ کا عملہ لائیں اور ڈنچی ہونے والوں کو نکال رہا تھا تو چھ فٹ کا ایک آدمی جو بلاہر تاجر ہی لگتا تھا کام کرنے والے غلطے کے قریب آیا اور انہیں بڑی نرمی سے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مہربانی کر کے دیکھیے گا میرا کہاں کہیں بریف کیس نہ ہو اس لیے کہ اس میں بڑے قیمتی کاغذات ہیں۔ اس غلطے کا کہنا تھا کہ یہ شخص تھوڑی دیر تک این کے پاس کھڑا رہا اور یہی الفاظ دہراتا رہا کہ میرا بریف کیس دیکھنا اسمیں میرے قیمتی کاغذات ہیں۔ سارے غلطے نے اس شخص کی طرف بڑے غور سے دیکھا پھر تھوڑی ہی دیر بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے سارا عملہ خوف اور وحشت زدہ ساہو کر رہ گیا تھا۔

اس لیے کہ تھوڑی ہی دیر بعد لیٹے کے اندر سے انہوں نے ایک لاش نکالی اس لاش کو دیکھتے ہوئے سارے غلطے کے جسموں میں خوف و وحشت کی ہر دھڑکنی تھی۔ اس لیے کہ وہ لاش اسی شخص کی تھی جو تھوڑی دیر پہلے ان کے پاس کھڑا ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ مہربانی کر کے کہاں کہیں میرا بریف کیس دیکھنا اس میں میرے اہماتی قیمتی کاغذات ہیں۔

اس صورتحال نے اس غلطے کو پریشان کر دیا اور وہ کام چھوڑ کر پناہ لینے کی خاطر ایئر پورٹ کی عمارت کی طرف بھاگ گئے تھے۔

زور دار انداز میں ہنسنے لگی ہوئی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر مڑتے ہوئے پیچھے دیکھا کوئی نہیں تھا۔ جب وہ لیٹے ہوئے تھا کہ اس نے اپنا جسم دیکھا جس جگہ پہنچ گئی تھی وہاں کا حصہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ سرخی کئی روز بعد گئی تھی۔ اس کے ایئر پورٹ پر کام کرنے والے مردوں اور خصوصیت کے ساتھ عورتوں نے شکایت کی تھی کہ عمارت کی جو تین سہ لکھت ہے اس میں کوئی روح رہتی ہے۔ کیونکہ جب عورتیں اس لکھت میں سفر کرتی ہیں۔ وہ روح انہیں تنگ کرتی ہے۔ اور ان سالہ عادتوں سے بڑھ کر امریکہ کی ایک ایئر پوسٹس کے ساتھ لندن کے اس ایئر پورٹ پر حادثہ پیش آیا اس ایئر پوسٹس کی بد قسمتی یہ تھی کہ یہ اہتہ درجہ کی خوبصورت۔ قد اور بد رکھش تھی۔ 1981ء میں یہ اپنی فحاشی کے ساتھ لندن کے ایئر پورٹ پر اپنی فحاشی کے ریٹ روم کی طرف جانے کے لیے جب وہ ایئر پورٹ سے نکلی تو نے محسوس کیا جیسے اس کا کوئی چٹھا کر رہا ہو۔ جو نہیں اس نے مڑ کر دیکھا وہ دنگ ہو اس کے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا کوئی تعاقب کرنے والا نہ آیا۔ اس صورتحال نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔ لہذا وہ بڑی تیزی سے ٹیکسی اسٹینڈ طرف بھاگ گئی تھی۔

ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بھاگتے ہوئے بار بار مڑ کر وہ لیٹے پیچھے دیکھتی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی انکے پیچھے بھاگتا ہو اس کے تعاقب میں لگ گیا ہو۔ اور اسے پکڑنے کا خواہشمند ہو۔ ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب جا کر اس نے دیکھا دو میاں بیوی چم اسٹینڈ کے قریب کھڑے تھے وہ ان کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ بدحواسی میں ان کے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ تجھے یوں محسوس ہوا ہے جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا ہو۔ اسے دیکھ نہیں پار رہی۔

اس پر وہ جوڑا بھی پریشان ہو گیا۔ وہ جوڑا بھی جوان اور خوبصورت تھا۔ وہ سٹنس نے جب اپنی روداد انہیں سنائی تو وہ بھی بڑی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ایسا ہی معاملہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ اسی بناء پر ایئر پورٹ۔ نقل کر ہم یہاں ٹیکسی اسٹینڈ کے پاس آن کھڑے ہوئے ہیں۔

ابھی یہ گھٹو ہو ہی رہی تھی کہ وہ ایئر پوسٹس مزید پریشانی کا شکار ہو گئی

تھی۔ اس کی طرف ناگہانی دکھائی دیا کرتی تھیں۔ اور یہ روح اکثر و بیشتر سیاست دانوں اور سفارتی عملے کو تنگ کیا کرتی تھی۔ ان تین روحوں کے لندن کے ایئرپورٹ پر مسافروں کو تنگ کرنے کی وجہ سے لندن کے حکام نے مذہبی پیشواؤں سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد ہی مجالس اس ایئرپورٹ پر منعقد کرائیں تاکہ روحوں کو ایئرپورٹ سے باہر کر دیا جائے۔ لیکن ان مجالس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ کہتے ہیں آج بھی اکثر بیشتر لندن کے اس ایئرپورٹ پر لوگوں کے اردوؤں سے آسنا سامنا ہو جاتا تھا۔

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے لگ بھگ پندرہ سال بعد تک DC-3 کے حادثے میں مرنے والے اس تاجر کی روح لندن کے اس ایئرپورٹ کا طواف کرتی تھی اور جس کسی سے بھی اس کا سامنا ہوتا تھا چاہے وہ مسافر ہو یا ایئرپورٹ کا عملہ ہو یا ایئرپورٹسٹ ہو اس سے یہی سوال کرتی تھی کہ کیا تم نے کہیں میرا بریف کیس دیکھا ہے۔ اس میں میرے چند قیمتی کاغذات تھے۔

آخری بار تاجر کی اس روح کو لندن ایئرپورٹ کے دن سے شہر 2 پر 2 مارچ کو دیکھا گیا۔ اس وقت ملا جلا عملہ اپنے کام پر جا رہا تھا۔ ان میں سے بھرتی ہونے والے بھی تھے پرانے بھی تھے جو جانتے تھے کہ لندن کے اس ایئرپورٹ پر روحوں اکثر و بیشتر ظاہر ہوتی ہیں 2 مارچ کو اس تاجر کی روح عملے کے سامنے آئی اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی کہ کیا میرا وہ بریف کیس ملا ہے جس میں میرے بڑے قیمتی کاغذات تھے۔ پرانے عملے نے جب نئے عملے کو بتایا کہ وہ صحیح معنوں میں انسان نہیں بلکہ DC-3 میں مرنے والے تاجر کی روح تھی تو کہتے ہیں کہ نیا عملہ ایسا خوفزدہ ہوا کہ انہیں سردی میں بھی پسینہ آگیا اور پناہ لینے کی خاطر وہ ایئرپورٹ کی عمارت کی طرف بھاگ گیا تھا۔

اس روح کے علاوہ لندن کے اس ایئرپورٹ پر ایک اور شخص ڈک ڈرپن کی روح بھی اکثر و بیشتر دیکھی گئی۔ ڈک ڈرپن ایئرپورٹ پر ہی ملازمت کرتا تھا۔ اور 1970ء میں ایئرپورٹ پر ایک حادثے میں ہی مارا گیا۔ ڈک ڈرپن کے لیے مصیبت یہ تھی کہ وہ ایئرپورٹ کی سیکورٹی میں کام کرنے والی ایک لڑکی کو پسند کرتا تھا۔ لیکن وہ لڑکی اسے اہمیت نہیں دیتی تھی۔ اسی دوران ڈک ڈرپن مارا گیا اس کے بعد لندن کے حکام کا کہنا ہے کہ اکثر و بیشتر ڈک ڈرپن کی روح کو 1970ء کے بعد لندن کے ایئرپورٹ پر دیکھا گیا۔ اور اس کی روح خصوصیت کے ساتھ ایئرپورٹسٹس کو اور عموماً کے ساتھ ان عورتوں کو تنگ کرتی تھی۔ جو ایئرپورٹ پر سفر کرنے کے لیے آتی تھیں۔

اس کے علاوہ لندن کے اس ایئرپورٹ پر ایک اور روح بھی دیکھی گئی۔ اس روح کو لندن کے حکام نے مجبوری پتلون والی روح کا نام دیا۔ اس لیے کہ یہ مکمل روح

خونددہ انداز میں دیکھ رہی تھی جہاں شراب کی بوتلوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ سب کی نگاہیں جب اس طرف پڑیں تو لوگ دنگ رہ گئے۔ اس لیے کہ شراب کی بوتلوں کے قریب ہی ایک ڈھانچہ بالکل الگ تھلک موسیقی پر رقص کر رہا تھا۔

شروع میں ہال میں رقص کرنے والے لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی اس لیے کہ وہ ڈھانچہ ایک نہایت قیمتی لباس میں ملبوس تھا۔ رقص کے دوران جب اس کا لبادہ تھوڑا سا ہٹ گیا تب تاجر کی بیوی ویلنڈا کی نگاہ اس پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ ڈھانچے نے گویا اپنا پہرہ ڈھانچہ رکھا تھا لیکن لبادہ ہٹ جانے سے جب ڈھانچے کا ایک حصہ سانسے کی طرف سے منکابا ہوا تب ویلنڈا نے چیخیں مارتی شروع کر دی تھیں۔ اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ رقص کرتا ہوا کوئی مرد یا عورت نہیں بلکہ بڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے۔

دوسرے لوگوں نے بھی جب دیکھا کہ شراب کی بوتلوں کے پاس کسی انسان کے بجائے ایک ڈھانچہ رقص کر رہا ہے تو لوگ جھج و پکار کرنے لگے۔ اور اس طرف مٹنے لگے جس طرف انگلستان کا بادشاہ الیگزینڈر اور اس کی عی نوبلی دہن بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے بادشاہ الیگزینڈر اور اس کی بیوی یولادے خوف اور دہشت کے مارے اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس دعوت میں جو لوگ مدعو تھے ان میں سے کچھ تو خونزدہ ہو کر ہال سے باہر بھاگ گئے۔ باقی لوگ بادشاہ اور ملکہ کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے جو محافظ تھے وہ اس وقت بڑے ہال کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔

اس ڈھانچے نے آہستہ آہستہ بادشاہ اور ملکہ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ بادشاہ کی عی نوبلی دہن نے یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ڈھانچہ لیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے دیکھا کہ جو ڈھانچہ رقص کر رہا تھا۔ ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ اپنے سر پر سونے کا تاج پہنے ہوئے تھا۔ شاید یہ صورتحال دیکھتے ہوئے یولادے کو اپنا انجام اپنی آنکھوں کے سامنے ہر اتار دکھائی دے رہا تھا۔

ڈھانچہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اس نے کسی اور سے کوئی سروکار نہ رکھا نہ

اکتوبر 1285ء میں انگلستان کے علاقے ڈیڑ برگ میں جشن کا سماں تھا۔ یہ جشن انگلستان کے بادشاہ الیگزینڈر سوئم کی دوسری شادی کے سلسلے میں تھا۔ انگلستان کا بادشاہ الیگزینڈر سوئم دوسری شادی انگلستان کی ایک حسین و پر جمال لڑکی یولادے سے کر رہا تھا۔ اسی سلسلے میں یہ جشن منایا جا رہا تھا۔ جشن شادی ہی کے روز پڑا کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اور انگلستان کے چیدہ چیدہ رقص کرنے والے مردوں اور عورتوں کو بھی اس جشن میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔ کھانے کے بعد انگلستان کے بادشاہ نے جن بڑے بڑے موسیقاروں کو دعوت دے رکھی تھی انہوں نے موسیقی کی اعلیٰ دستہیں چھیڑیں اور اپنا ہی دھنوں پر رقص جوئے رقص کرنے لگے تھے۔

جس وقت رقص کا یہ سماں لہنے شروع اپنے جو بن پر تھا ایک عورت جس کا نام ویلنڈا تھا اور جو انگلستان کے علاقے یارک شائر کے ایک بہت بڑے تاجر کی بیوی تھی وہ بری طرح چٹختے چلانے لگی۔

اس کی چیخیں سنتے ہوئے رقص کرتے ہوئے جوڑوں کے قدم رک گئے۔ جس بڑے ہال میں اس وقت یہ رقص جاری تھا اس میں اس وقت روشنیوں کا سلاب بہہ رہا تھا۔ ہال کی ہر چیز یورپے طور پر نمایاں اور واضح دکھائی دے رہی تھی۔ ویلنڈا جس اہمیت کے دوران ہال میں بری طرح جھج و پکار شروع کی تھی وہ ہال کے اس سمت

اٹھاتے ہوئے بری طرح بھاگا اس دوران بادشاہ الیگزینڈر سوئم گھوڑے سے گر گیا اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

جب تک بادشاہ کے محافظ دستے آگے بڑھ کر بادشاہ کی مدد کرتے اس وقت تک بادشاہ مر چکا تھا اور محافظ دستوں کے لیے یہ بات بھی پریشانی اور حیرانی کی تھی کہ گھوڑے کے گرنے کیساتھ ہی جب محافظ دستے آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا بادشاہ کے جسم سے گوشت چڑی غائب تھی اس کا جسم صرف ایک ڈھانچہ ہو کر رہ گیا تھا۔ بعد میں جب تحقیق کی گئی تو یہ سچہ چلا کہ جو ڈھانچہ بادشاہ کی دوسری شادی کے روز رقص کرتا ہوا نمودار ہوا تھا وہ ڈھانچہ جس نے بادشاہ اور اس کے لشکر کی راہ روکی تھی وہ بادشاہ کی باپلی بیٹی کا ڈھانچہ تھا۔ جو مر چکی تھی۔

ایسا ہی ایک واقعہ ہالینڈ میں 18 ستمبر 1692ء کو پیش آیا۔ ہالینڈ کا مشہور اور معروف مصور پیٹر فیوٹ مین اپنے کام میں مصروف تھا کہ اس کی موت واقع ہو گئی اس وقت اس کا ایک معاون بھی اس کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ پیٹر فیوٹ مین کی موت کی تحقیقات کی گئی تو اس تحقیقات میں اس کے معاون کو بھی شامل کیا گیا۔ پیٹر فیوٹ مین کے اسسٹنٹ نے انکشاف کیا کہ فیوٹ مین کو گزشتہ چند دنوں سے ایک ڈھانچے کی تصویر بنانے کا کام ملتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے اسے ایک انسانی ڈھانچہ بھی مہیا کیا گیا تھا۔ ان دنوں انسانی ڈھانچے عام مل جاتے تھے اس لیے کہ صرف دو دن پہلے ہالینڈ۔ ڈنمارک اور سویڈن میں سولہ ستمبر 1692ء کو ایک ایسا زور دار زلزلہ آیا تھا کہ جس نے ان تینوں ملکوں کو ہلکا کر رکھا دیا تھا۔ در کافی بڑے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

بہر حال جب پیٹر فیوٹ مین کی موت کی تحقیقات شروع ہوئی تو اس کے اسسٹنٹ نے بتایا کہ گزشتہ چند دن سے پیٹر فیوٹ مین ایک ڈھانچے کی تصویر کشی کر رہا تھا۔ ایک روز جبکہ وہ بری طرح کام میں مصروف تھا تو اچانک وہ ڈھانچہ جو اسے مہیا کیا گیا تھا حرکت کرنے لگا۔ فیوٹ مین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس ڈھانچے میں زندگی کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے ہوں۔ یہ صورتحال پیٹر فیوٹ مین کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ خوف اور وحشت کی وجہ سے اس کے دل کے کام کرنا بند کر دیا اور وہ

اس نے کسی کی طرف دیکھا نہ کسی سے اس نے کچھ کہا۔ نہ کوئی ایسی حرکت اس نے کی نہ شرارت کی۔ بلکہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا وہ عین بادشاہ الیگزینڈر کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کے بعد اس ڈھانچے نے زور دار ایک طرانیہ بادشاہ کے منہ پر دے مارا تھا۔ لگتا تھا اس ڈھانچے پر بھوت اور جنوں سوار ہو گیا ہو۔ اس نے لگاتار کئی ضربیں انگلیں کے بادشاہ کے سر اور منہ پر دے ماری تھیں۔

اس صورتحال کا علم بادشاہ کے محافظوں کو بھی ہو گیا جو اس وقت ہال کے باہر کھڑے تھے لہذا وہ بادشاہ کو بچانے کے لیے بھاگے بھاگے جب اندر آئے تو قبل اس کے کہ وہ بادشاہ کی حفاظت کرتے اس وقت تک وہ ڈھانچہ صرف ایک دو قدم پیچھے ہٹا اس کے بعد وہ ہال کی روشنیوں میں روپوش ہو گیا تھا۔

اس واقعہ کے صرف پانچ ماہ بعد 1286ء میں انگلستان کا بادشاہ الیگزینڈر اپنے محافظ دستوں کے ساتھ ایک نواحی کوسستانی سلسلے کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک ہنٹناٹے ہوئے اس کا گھوڑا رک گیا۔ بادشاہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اس کی نگاہ زور زور سے کھینچی مگر گھوڑا تھا کہ آگے بڑھنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ اس صورتحال نے بادشاہ کے محافظوں اور اس کے پیچھے پیچھے آنے والے دستوں کو فکر مند کر دیا لہذا چند محافظ جب آگے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ گھوڑے سے نمودار سا آگے ذرا فاصلے پر ایک عمدہ لباس میں ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا۔ یہ وہی ڈھانچہ تھا جو بادشاہ کی شادی کے روز رقص گاہ میں نمودار ہوا تھا۔ اس موقع پر بادشاہ کے محافظوں نے بادشاہ کے گھوڑے کے کانوں کا ہاتھ لیا۔ گھوڑے کے کان خوف اور وحشت سے سینپنے سے شرابور تھے۔

اس صورتحال پر بادشاہ الیگزینڈر بڑا برہم ہوا۔ اس نے گھوڑے کو زور دار ایڑ لگائی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے ساتھ اچھا خاصہ لشکر ہے اس کے ساتھ اسکے محافظ دستے ہیں لہذا یہ ڈھانچہ اسکا کیا بگلائے گا وہ چاہتا تھا گھوڑے کو ایڑ لگائے تاکہ وہ جب آگے بڑھے گا تو ڈھانچہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا۔ اس بنا پر اس نے دو تین بار گھوڑے کو جب ایڑ لگائی تو گھوڑا اڑا اڑا آگے نہیں بڑھا۔ بادشاہ سخت برہم ہوا۔ اس نے جڑے کا چابک جو گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا تھا وہ کھولا پھر اس نے دو تین زور دار چابک اپنے گھوڑے کو مارے تھے۔ چابک لگنے سے گھوڑا ایسا بدکا کہ اپنی دونوں ناٹگیں

ہلاک ہو گیا۔

انگلستان میں پوسٹ برج اور ڈارٹ مور کے درمیان گزرنے والی شاہراہ عموماً
روحوں کی وجہ سے خوف و ہراس کا شکار رہی ہے۔ اس سڑک پر بہت سے امریکی۔ چینی
اور برطانوی شہری نہ صرف اس روح کی وجہ سے حادثات کا شکار ہوئے جس کے صرف
وہ باہر ہی دکھائی دیتے تھے۔ باقی جسم دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ باہر اس شاہراہ پر
ایٹانک بنووار ہوتے اور مسافروں کو ایسا دہشت زدہ کر دیتے کہ اگر وہ کسی گاڑی میں
سوار ہوتے تو حادثے کا شکار ہو کر رہ جاتے۔ اس شاہراہ پر سفر کرنے والے بہت سے
لوگوں نے اس روح کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ روح کو دیکھنے والوں میں سب سے
پہلے ایک عورت فلارینس وارڈک کا نام آتا ہے۔ اس کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ یہ
پہلی بار اس علاقے میں اس شاہراہ پر سفر کر رہی تھی۔ جس وقت وہ اس شاہراہ پر اپنی
کار چلا رہی تھی۔ اس وقت آدمی رات کا وقت تھا۔ اس نے شاہراہ کے کنارے اپنی
ٹوڑی کو روکا۔ اس علاقے کا نقشہ کھولا اور نقشے میں اس مقام کو دیکھنے لگی جہاں وہ اپنی
کار کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ نقشے کو وہ کار کی اندرونی لائٹ میں دیکھ رہی تھی اسکی
کار کی ہیڈ لائٹ بھی آن تھیں اس کے علاوہ سڑک پر جو رات کے وقت ٹریفک گزر
رہی تھی اس کی روشنی میں بھی اسے نقشے کو دیکھنے میں بڑی مدد مل رہی تھی۔

ایٹانک فلارینس نے محسوس کیا جیسے اس کی کار برقی ہواؤں سے بھر گئی ہو
مالانکہ وہ مئی 1976ء کا دن تھا اس موسم میں خاصی گرمی ہوتی ہے اور کار کا ایک دم

گازی میں کسی قسم کی کوئی خرابی محسوس کرتا ہے تو وہ دور کر لے تاکہ اس علاقے میں داخل ہونے کے بعد اسے ان حادثوں کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اس کے علاوہ اس علاقے میں جگہ جگہ یہ بھی بورڈ آویزاں کر دیئے گئے تھے کہ اس علاقے میں کوئی بھی گازی چلائے والا سوائے ضرورت کے اپنی گازی کو مت روکے ورنہ اس سلسلے میں کوئی حادثہ پیش آیا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہو گا۔

فلارینس کے ساتھ جب اس جگہ یہ واقعہ پیش آیا تو اس نے آگے کی طرف سفر بند کر دیا۔ اس لیے کہ اس روز پر اس کا یہ پہلا سفر تھا ہی بنا۔ پر اسے رات کے وقت نقشہ دیکھنے کی ضرورت پیش آئی تھی جب اس نے اپنے اسکرین پر ان ہاتھوں کو دیکھا اور پیچ مارنے کے بعد جب وہ ہاتھ غائب ہو گئے تب اس نے وہیں سے گازی کو موڑا اور جس طرف سے آئی تھی اسی سمت بھاگ کھڑی ہوئی۔

فلارینس نے ان دنوں ایک ترقی قصبے میں اپنی ایک دوست کے ساتھ قیام کر رکھا تھا۔ واپس جا کر اس نے اپنے جاننے والوں اور دوستوں سے جب اس حادثے کا ذکر کیا تو جب وہ اپنی بات ختم کر چکی تو وہ یہ توقع کر رہی تھی کہ اس کی جاننے والی اس کی دوست اس کا ٹھنڈا اور مذاق الائنس گی۔ اور یہ کہیں گی کہ وہ ایک قدامت پسند ٹرکی ہے اور یوں ہی تو ہمت کا شکار ہو گئی ہے لیکن فلارینس کی حیرت نہ رہی جب اس نے یہ سارے واقعات سنائے تو اس کے جاننے والوں میں سے کسی نے اس پر تعجب اور حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

بلکہ فلارینس پر انہوں نے انکشاف کیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں اس لیے کہ وہ ہاتھ اکثر لوگوں نے اس شاپرہا پر دیکھے ہیں جو کوئی بھی شاپرہا کے اس خاص حصے پر اپنی گازی کو روکتا ہے تو وہ ہاتھوں کے اس حادثے کا شکار ضرور ہوتا ہے۔

جب ان ہاتھوں کے متعلق تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ ان ہاتھوں کا حادثہ 1920ء سے رونما ہونا شروع ہوا تھا اس دور میں کاریں زیادہ نہیں تھیں۔ اکثر لوگ موٹروں اور فچروں کی بجائے بر سفر کیا کرتے تھے اور جب گھوڑوں اور فچروں کے سوار اس خاص علاقے میں داخل ہوتے تھے تو گھوڑے اور فچرین کچھ اس طرح تیز پا ہو کر بدستے تھے کہ اپنے سواروں کو گراتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

تج ہو جانا فلارینس کے لیے یقیناً پریشانی اور خوف کا باعث تھا اس لیے کہ اس ماہ نہ ہی برفانی ہوائیں چلتی ہیں نہ موسم اس قسم کا ہو سکتا ہے جو کار کے اندرونی حصے پہ ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فلارینس نے یہ بھی محسوس کیا جیسے کوئی نادیدہ قوت پر اسے گھورے جا رہی ہو یہ صورتحال دیکھتے ہوئے فلارینس یونک سی پڑی جب اس نے وٹا اسکرین میں سے باہر دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی چھٹے چھٹے رہ گئی اس نے دیکھا بڑے سائز کے ہاتھ کچھ اس طرح وٹا سکرین کے اوپر بڑے ہوئے تھے۔ جیسے وہاں انہیں کسی نے چپاں کر دیا ہو پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں ہاتھ انگلیوں بل اس طرح حرکت کرنے لگے جس طرح کوئی انسان ناگوں پر چلتا ہے اور پھر وہ وٹا سکرین پر اس طرح انگلیاں مارنے لگے جیسے کوئی طیلجی طبلہ بجاتا ہے۔

فلارینس نے جب ان دونوں ہاتھوں کو اپنی کار کے وٹا سکرین پر چکر لگا دیا تو سکرین کو بجاتے دیکھا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے خوف اور دہشت کے مارے جسم کے اندر اس کا خون منجمد ہو گیا ہو اس نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس صورتحال پر اس نے اپنی ساری طاقت اور قوت جمع کی اور پورے زور سے پیچ چلانے لگی۔ اس پر وہ دونوں ہاتھ وٹا سکرین سے اترے اور غائب ہو گئے تھے۔

یہ معاملہ صرف فلارینس کے ساتھ ہی پیش نہیں آیا تھا بلکہ ہر وہ مسافر اس علاقے میں اپنی گازی روکتا تھا ان ہاتھوں کا حادثہ اس کے ساتھ ضرور پیش آتا ان حالات کو دیکھتے ہوئے مقامی حکام نے اس علاقے کے آگے اور پیچھے کافی بڑے بورڈ لگا دیئے تھے۔ جن پر نمایاں الفاظ میں لکھ دیا گیا تھا کہ اگر ان کی گازی پر ٹرول کی کمی ہو یا ان کی گازی میں کوئی خرابی ہو تو اس علاقے میں داخل ہونے پہلے ہی پہلے وہ ٹھیکر اسکتے ہیں اس لیے کہ مقامی حکام نے جہاں یہ بورڈ آویزاں تھے وہاں بیٹروں کے علاوہ گاڑیاں ٹھیکر کرنے کے لیے درکشاپ کا بھی انتظام کیا۔

یہ احتیاط اس نظریے کے تحت برتی گئی تھی تاکہ اس ایڈیا میں داخل ہو۔ سے پہلے اگر کسی کے پاس پرٹول کی کمی ہو تو وہ پورا کر لے اگر کوئی اپنی کار میں

ایک بار ٹرنل آرمی کا ایک کپتان جیکب پیڑاس شاہراہ پر سفر کر رہا تھا اس کا کہنا تھا کہ جس وقت وہ چھوٹی چھوٹی جلیوں کے اندر سے گزرا تو اس نے اپنی کار کے اندر عجیب سا سماں محسوس کیا اس کے دونوں ہاتھ اس وقت انٹرنگ پر رہے ہوئے تھے اس نے محسوس کیا کہ کسی نے سٹرنگ پر رہے میرے ہاتھوں پر لپٹے ہاتھ رکھ دیئے تھے اور ان ہاتھوں کی گرفت ایسی مضبوط تھی کہ میں بمشکل تمام اپنے ہاتھ ہلائک نہیں سکا تھا۔ کپتان جیکب پیڑاس کہتا ہے کہ اس صورتحال نے مجھے پریشان اور دشت زدہ کر دیا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کس کے ہاتھ ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں اس لیے کہ مجھے صرف ہاتھ دکھائی دیتے تھے ہاتھوں والا کوئی جسم مجھے نظر نہیں آتا تھا۔

وہ ہاتھ چونکہ میرے ہاتھوں پر اس طرح جیسے تھے کہ میں اسٹرنگ کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں ہلا سکتا تھا لہذا خطرہ تھا کہ اگر میں اسی طرح سفر کرتا رہا تو سامنے کی طرف سے آنے والی گاڑیوں سے ٹکرا کر حادثے کا شکار ہو جاؤں گا۔ لہذا ایک موقع پر جب میں نے دیکھا کہ سامنے کی طرف سے کوئی گاڑی نہیں آ رہی تو میں نے پوری قوت سے پنڈل کو دائیں جانب گھمایا میں چاہتا تھا کہ گاڑی کو سڑک سے انکار کر کھڑی کر دوں لیکن جس وقت میں پنڈل کو گھما رہا تھا تو جو ہاتھ میرے ہاتھوں پر رہے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی جی تیزی سے پنڈل کو گھما دیا جس کی وجہ سے کار الٹ گئی اس کا کہنا تھا کار الٹنے کے بعد وہ ہاتھ غائب ہو گئے بہر حال میں مجبوراً طور پر اس حادثے سے بچ نکلا۔

جب اس طرح کے حادثات لگاتار اس شاہراہ پر ہونے لگے تب مقامی انتظامیہ حرکت میں آئی انہوں نے سڑک کے اس حصے کو ترک کرنے کے لیے سڑک کے جس حصے پر حادثات ہوتے تھے اس کے متوازی ذرا فاصلے پر ایک اور سڑک بنا دی اور پرانی سڑک پر بورڈ لگا دیا گیا کہ اس شاہراہ پر سفر نہ کریں بلکہ متبادل سڑک جو ہے اسے استعمال کریں۔ لیکن جب لوگوں نے متبادل سڑک پر سفر کرنا شروع کیا تو اس سڑک کے کنارے اور قرب و جوار میں بھی ان دونوں ہاتھوں نے نمودار ہونا شروع کر دیا۔ اور حادثات کا باعث بننے لگے۔

1955ء میں ایک جوڑا ای سی پی نے والی شاہراہ پر سفر کر رہا تھا۔ ان کی

اس کے علاوہ وہاں جو آس پاس کی بستیوں کے چرواہے ان علاقوں میں اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے آتے تھے جب اس خاص علاقے میں پہنچتے تھے جہاں اکثر بدبستر وہ ہاتھ نمودار ہوتے تھے تو جانور ایسے بدستگتھے کہ بھاگتے چلے جاتے تھے۔

ایک بار ایک سائیکل چلانے والا اس علاقے میں نمودار ہوا اس نے جب سڑک کے کنارے چائیک زمین کے اندر سے دو ہاتھوں کو نمودار ہوتے دیکھا تو اس کی اپنی سائیکل کے پنڈل پر گرفت ایسی ڈھیلی ہوئی کہ خوف کے مارے وہ لرز کر رہ گیا پھر وہ ایسا لڑکھا کہ اس کی سائیکل ہوا میں اچھلتی ہوئی پہاڑی سلسلے کے نیچے چلی گئی اور خود بے چارہ سڑک کے کنارے وہ وصال کی طرف لڑختا چلا گیا تھا۔

اسی طرح ایک روز ایک ڈاکٹر اس سڑک پر سفر کر رہا تھا۔ وہ موٹر سائیکل پر سوار تھا موٹر سائیکل کے ساتھ جو چھوٹی سی کار نصب کی جاتی ہے اس میں اس کے بچے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جس وقت وہ اس خاص علاقے میں داخل ہوا جس میں اکثر بدبستر وہ ہاتھ چائیک زمین میں سے نمودار ہو جاتے تھے تو باوجود الفطرت طور پر اس ڈاکٹر کے موٹر سائیکل کا انجن ایڈم موٹر سائیکل سے علیحدہ ہو کر نیچے وصال کی طرف چلا گیا انجن علیحدہ ہو جانے سے موٹر سائیکل ساتھ بندھی ہوئی گاڑی سمیت ایسا لڑکھایا کہ دور تک لڑختا چلا گیا۔ لیکن اس ڈاکٹر اور اس کے بچوں کی خوش قسمتی کہ ان میں سے کوئی بھی زخمی نہ ہوا ڈاکٹر کا یہ بھی کہنا تھا کہ جس وقت انجن اس کے موٹر سائیکل سے جدا ہو کر گر ا تھا قریب ہی دو باوجود الفطرت ہاتھ زمین کے اندر سے نمودار ہوئے تھے۔ وہ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ شاید یہ انہی کی کارستانی تھی۔

1945ء میں اس شاہراہ پر سفر کرنے والے اکثر گاڑیوں کے ڈرائیوروں نے حکام سے شکایت کی کہ وہ ہاتھ اکثر و بیشتر اس شاہراہ پر حادثات کا شکار بنتے ہیں ڈرائیوروں کا کہنا تھا کہ یہ ہاتھ گاڑی میں از خود نادیہ سے انداز میں داخل ہوتے ہیں اور اسٹرنگ پر کچھ اس انداز میں جم جاتے ہیں۔ جیسے کوئی انجان اور اناڑی ڈرائیور گھبراہٹ سے کسی کو شش کر رہا ہو۔ اس وجہ سے گاڑی چلانے والے اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں پنڈل پر ان کی گرفت نہیں رہتی جس وجہ سے اس شاہراہ پر حادثے رونما ہوتے ہیں۔

پتہ چلا کہ اس نے شراب بھی نہیں پی ہوئی تھی کہ حادثے کا شکار ہوتا پوسٹ مارٹم کے درمیان سب سے عجیب بات جو سامنے آئی وہ یہ تھی کہ جب وہ حادثے کا شکار ہوا تھا اس وقت اس کے ہاتھ گاڑی کے اسٹیرنگ پر بڑی بری طرح سخت گرفت رکھے ہوئے تھے۔ گو اس کے ہاتھوں کی انگلیاں ٹوٹ چکی تھیں لیکن گرفت دلیے کی ویسے ہی سخت تھی۔ اس سے پولیس اور مقامی حکام نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ دونوں ہاتھ جو اس شاہراہ پر نمودار ہوتے تھے۔ رات کے وقت جب ڈک کیلی سفر کر رہا تھا تو ان ہاتھوں نے اسٹیرنگ پر ڈک کیلی کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیتے۔ ڈک کیلی نے جب اپنے ہاتھ چھوئے ان کی خوشبو کی ہوگی تو ان ہاتھوں نے انہیں زور سے اسٹیرنگ پر جکڑ دیا ہوگا۔ جس سے حادثہ رونما ہوا ہوگا۔ گاڑی الٹ گئی ہوگی اور ڈک کیلی کی ہلاکت ہو گئی ہوگی۔

شاہی چند دن پہلے ہوئی تھی وہ رات کے وقت مار کر رہے تھے۔ کہ اچانک اس شاہراہ پر ایسی گہری دھند پھیل گئی کہ رات کے وقت سفر کرنا ناممکن ہو گیا۔ سردی کا موسم تھا۔ سانس کی کوئی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ آگے پیچھے جو لوگ اپنی گاڑیوں میں سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی سڑک کے کنارے گاڑیوں کو روک دیا تھا لہذا اس نوبت جڑے نے بھی اپنی گاڑی کو سڑک کے کنارے روک دیا اور رات گاڑی کے اندر ہی بسر کرنے کا ہتیر کر لیا۔

ان کے پاس اپنے لیے زادراہ بھی تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں میاں بیوی گاڑی میں لیٹ گئے۔ اچانک دہلیں کی آنکھ کھل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے گاڑی کے شیشے پر کوئی دستک دے رہا ہو۔ اس نے سوچا کہ شاید گاڑی پر کوئی ایسا کتا بچنے مار رہا ہو گا جو اس سردی میں بھٹس گیا ہو گا اور سردی سے بچنے کے لیے وہ کار کے شیشوں پر پتھ مار رہا ہوگا۔ لیکن جب اس نے گاڑی کا جائزہ لیا تو وہ بخمد ہو کر رہ گئی خوف و ہراس اس کے سر سے پاؤں تک پھیل گیا تھا۔ اس نے دیکھا کار کے اندر جس شیشے کے تھب اس کے شوہر کا سر تھا اس شیشے پر باہر کی طرف دہاتھ حرکت کر رہے تھے ہاتھ دکھائی دیتے تھے ہاتھوں کا جسم کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس صورتحال پر اس نے فوراً اپنے شوہر کو جگا دیا۔ ہس کے شوہر نے بھی جب ان دونوں ہاتھوں کو دیکھا تو رات کے وقت اپنی گاڑی کے دونوں پچھنے چلانے لگے۔ ان کے پچھنے چلانے کی وجہ سے ہاتھ کہہ کے اندر غائب ہو گئے تھے۔

اسی طرح اسی سڑک پر ایک گاڑی والے کا ایکسپریمنٹ ہو گیا۔ اس شخص کا نام ڈک کیلی تھا۔ اس کی کار الٹ کر تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ کار کے پیچھے سے پولیس نے اس کی لاش کو نکالا۔ پولیس نے جب کار کا جائزہ لیا تو انجن بہترین حالت میں تھا۔ انجن کا جب پوری طرح جائزہ لیا گیا تو اس میں کوئی خرابی نہ تھی۔ جبکہ وہ اسب بھی چلنے کی حالت میں تھا۔ جب مرنے والے کے لامیٹھس کا جائزہ لیا گیا تو اس سے پتہ چلا کہ مرنے والا گزشتہ بارہ سال سے گاڑی چلا رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ ایک کٹھا ہوا ڈرائیور تھا جب اس کی لاش کو اسپتال لے جایا گیا اور پوسٹ مارٹم کیا گیا تو یہ بھی

اسٹیشن پر وہ لوگ آئیں گے جنہیں میں نے سامان دینا ہے ان میں سے ایک دو کو میں چلے جاتا بھی ہوں اس لیے کہ سامان دینے میں مجھے کسی قسم کی کوئی دشواری نہ ہو گی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے میری سیٹ کا کیا کیا۔

استقبال کے لیے آنے والا کہنے لگا۔ دیکھو میرے عزیز میرے بھائی تیری غلامت بہت اچھے وقت پر آئی ہے ابھی ساڑھے پانچ بجے ہیں تیری سیٹ میں نے عوامی کے نوٹر انے۔ سی بسی میں کرا دی ہے۔ عوامی یہاں سے سات بجے کے لگ بھگ چلتی ہے۔ ریلوے اسٹیشن پہنچنے میں ہمارے پاس ڈیڑھ گھنٹہ ہے لہذا تم یسائی بیٹھ سکتے ہو اگر کچھ تو میں بھی ہمارے ساتھ ریلوے اسٹیشن چلتا ہوں۔ اس پر راشد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

جہیں میرے بھائی تم گھر جاؤ۔ تم نے دفتر جانے کے لیے بھی تیاری کرنا ہو گی۔ سورے منہ ہی تم میرے استقبال کے لیے نکل آئے ہو۔ دیکھو واپس جانے کی اجازت دو۔ میرا ریلوے ٹکٹ تو مجھے دو۔ استقبال کے لیے آنے والا مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

جس کا ٹیپر پلیٹ فارم کے ٹکٹ ملتے ہیں وہاں چلے جانا۔ میرا نام لینا وہ جہیں جہارا ٹکٹ دیں گے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرا عزیز ہے۔

اس کے بعد دونوں باہر آئے ٹرایلوں سے سامان جیسی کی ڈکی اور اندر کی سیٹوں پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ دونوں ایک بار چمچر لے گئے اس کے بعد جیسی راشد کو لے کر ایئر پورٹ سے کینٹ ریلوے اسٹیشن کی طرف ہو لی تھی۔

جیسی جو بھی کینٹ ریلوے اسٹیشن کے سامنے آکر رکھ کر اس نے دو قلیوں سے بات کی کہ وہ اس کا سامان جیسی سے لٹھلے لگے تھے۔ سارا سامان نکال کر جس وقت سیڑھیوں پر رکھ دیا گیا اس نے جیسی والے کو کرایہ دیا۔ اس کے بعد قلیوں نے سامان اٹھایا اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ عین اس وقت جبکہ کئی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ سفید کپڑوں میں ملبوس ایک شخص آیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

کیا آپ کا نام راشد ہے۔ راشد نے اس کی طرف جھٹکتے ہوئے دیکھا وہ اس کا بلٹنے والا تھا۔ اس نے یہی خیال کیا کہ جو ٹکٹ وہ باہر سے آیا ہے اس کے پاس سامان

کراچی ایئر پورٹ کے پرانے ٹرمینل سے ایک مسافر باہر نکلا۔ اس کے پاس سامان سے بھری ہوئی دو ڈرائیاں تھیں۔ عمر کے لحاظ سے وہ چالیس کے لگ بھگ ہو گا جو نئی وہ ایئر پورٹ سے باہر نکلا ایک شخص جو اس کی عمر کا ہو گا چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی وہ بھاگ کر اس سے پتہ کیا۔ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے سے پہنچے رہے۔ پھر جو شخص استقبال کرنے آیا تھا وہ ایئر پورٹ سے نکلنے والے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ راشد میرے بھائی۔ تم نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ جس وقت تم نے مجھے جرمنی سے فون ریلوے کی سیٹ تک کر دانے کے لیے کہا تو میں پریشان ہو گیا تھا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ وہیں سے تم ڈائریکٹ لاہور چلے جاتے کراچی آکر ریلوے کے درجے جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔ اس پر آنے والا مسافر جس کا نام راشد لیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک مسکراتا ہوا پھر اپنے اس دوست کو جو استقبال کرنے کے لیے آیا تھا اسے دھیمی سی آواز میں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دراصل جرمنی میں میرے ساتھ ایک اور پاکستانی کام کر رہا ہے۔ وہ ملتان کا رہنے والا ہے اس نے اپنے گھروالوں کو کھد دیا ہوا ہے کہ ملتان ریلوے اسٹیشن پر وہ مجھ سے سامان لے لیں۔ اس نے میرے ہاتھ اپنا کچھ سامان بھجوا دیا ہے۔ اس لیے میرا ریل سے جانا بہت ضروری ہے۔ ورنہ میں جرمنی ہی سے ڈائریکٹ غلامت سے لاہور چلا جاتا۔ اسی بنا پر میں نے جہیں زحمت دی ہے۔ میں ریل سے جاؤں گا راستے میں

کا اپنا بیٹا تھا۔ جو چند سال قبل جرمی میں اپنی ماں اپنے ایک بھائی اور بہن کے ساتھ فوت ہو چکا تھا۔ راشد کی بیوی جرمی بھی اس کی شادی جرمی خاتون سے کیے ہوئے یہ ایک طویل قصہ تھا۔ جو کچھ اس طرح ہے۔

دراصل راشد لاہور کرشن نگر کا رہنے والا تھا۔ یہ دو بھائی بھائی تھے۔ ایک کا نام رشید دوسرے کا نام راشد تھا۔ ان کا تعلق انتہائی غریب اور کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرنے والے خاندان سے تھا۔ ان کی سات بہنیں اور یہ دو بھائی تھے۔ باپ بڑا تھا اور بڑی مشکل سے گزر بسر ہوتی تھی۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے کسی نہ کسی طرح اداس دہلیز لے کر جرمی گیا تھا۔ وہاں وہ آٹا کی ایک مل میں مزدور کی حیثیت سے کام کرنے کو ملا۔ وہ رشید گرجیسٹ تھا پر کھانا تھا۔ لیکن چونکہ کوئی ٹیکنیکل کام نہیں جانتا تھا۔ لہذا ایسا کام کرنے کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔

جرمی میں وہ نیا تھا۔ ایک سیکھ کھانا سنے رہا کٹ کر لی تھی۔ اور سیکھ ہی اس کے گھریلو حالات سن کر اس پر بڑا مہربان تھا۔ دونوں آٹے کی مل ہی میں کام کرتے تھے۔ رشید اور راشد دونوں خوبصورت اور دراز ڈھ تھے۔ آٹے کی اس مل میں ایک جرمی لڑکی بھی انچارج اور سپروائزر کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔

مل میں رشید انتہا درجہ کا محنت کرنے والا مزدور خیال کیا جاتا تھا۔ جو کام دوسرے چھوڑ جیتے تھے وہ بھاگ بھاگ کر لیا کرتا تھا۔ اس لیے کہ اسے یہ تھا کہ گھر میں اس کی سات بہنیں ہیں۔ انہیں اس نے پالنا ہے۔ سارہ نام کی وہ لڑکی اس مل میں سپروائزر تھی وہ اس کی محنت اس کی بھاگ دوڑ سے ایسی متاثر ہوئی کہ اسے پسند کرنے لگی۔ آخر وقت گزرتا رہا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر اپنی پسند کا اظہار کر دیا۔ ان کے بعد دونوں نے نہایت شادی کر لی اور رشید سارہ کے فلیٹ میں مستقل ہو گیا۔ سارہ کے ماں باپ نہیں تھے وہ اپنے فلیٹ میں اکیلی ہی رہتی تھی۔ سارہ کو رشید کے ساتھ نہ گھریلو حالات کا علم ہو چکا تھا۔ لہذا دونوں میاں بیوی آٹے کی اس مل سے جو کچھ کاسے لاہور کرشن نگر بھجواتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ رشید نے اپنے باپ کو یہ بھی علم دیا تھا کہ وہ جب تک جرمی میں ہے وہ اس کی بہنوں کی شادی کر دے۔ یہ فکریہ اسے کہ مجھے شادی نہیں شوبھینا کرنی ہے۔ اس طرح سارہ اور رشید دونوں نے مل کر

کافی ہے تو یہ شخص کہیں کوئی دھوکہ دینے والا نہ ہو۔ تاہم اس نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں میرا نام یہی ہے۔ جواب میں اس شخص نے ٹکٹ اور سِلپ تمھاری۔ راشد نے دھما دھ پانچ ٹکٹ تھے۔ اور ایک سِلپ تھی۔ راشد جواب طلب نظروں سے آنے والے کی طرف دیکھنے لگا۔ آنے والا دوبارہ بول پڑا۔

یہ آپ اور آپ کی فیملی کے ٹکٹ ہیں آپ کی فیملی فرسٹ کلاس کے ویٹیکٹ روم میں آپ کی منتظر ہے۔ جواب میں وہ شخص مڑا اور چلا گیا۔ راشد اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر اس شخص نے موقع ہی نہیں دیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نگاہوں سے لوگوں کی بھڑاؤ دھڑ میں وہ غائب ہو گیا تھا۔

بہر حال راشد تفکرات اور پریشانی میں کھو گیا تھا۔ پہلے اس نے ٹکٹوں اس کے بعد سِلپ کا جائزہ لیا۔ سِلپ پر اس کی بیوی اور تین بچوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اور اس کی یہ بیوی اور تین بچے آج سے چند سال پہلے ایک حادثے میں فوت ہو چکے تھے۔ اس صورتحال نے راشد کو فکر مند کر دیا تھا۔ آنے والے نے یہ بھی بتایا تھا کہ جہاری بیوی اور جہارے بچے فرسٹ کلاس کی انتظار گاہ میں جہارے منتظر ہیں۔ اس انکشاف نے اس کے دل اس کے ذہن میں پریشانیاں ہی پریشانیاں بھری تھیں۔ بہر حال کئی جو کچھ پلیٹ فارم میں داخل ہو چکے تھے۔ لہذا تیز تر چلتا ہوا وہ ان کے ساتھ جا کر شامل ہو گیا۔ قلیوں نے سارا سامان پلیٹ فارم پر رکھ دیا پھر ایک کئی راشد کے قریب آیا اور اس سے سیٹ اور بوگی نمبر مانگے اس لیے کہ اس وقت تک عوامی پلیٹ فارم پر لگ چکی تھی۔

راشد نے ٹکٹ اور سِلپ اسے دکھا دیں۔ دونوں قلیوں نے سامان چٹائی میں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ جس وقت راشد اپنے سامان کی نگرانی کر رہا تھا اچانک وہ چونک سا کھڑا۔ اس لیے کہ اچانک پیچھے سے کسی نے اس کا دامن پکڑتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ اور ساتھ ہی اسے ابو کہہ کر بھی پکار تھا۔ یہ اتفاق یہ طرز تحاطب راشد کے لیے نیا تھا اور ناخوشہ سارو پکا تھا۔ اس تحاطب پر وہ چونکا اس نے دیکھا ایک انتہائی خوبصورت بچہ جو اپنی شکل و صورت سے یورپین لگتا تھا اس کا دامن پکڑے کھڑا تھا۔ اسے باپ کہہ کر پکار رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی راشد دنگ رہ گیا اس لیے کہ وہ اس

نے لاہور میں قیام کئے رکھا وہ اس سے باقاعدہ خط و کتابت بھی کرتی رہی۔ رشید کا گھرانہ چونکہ غریب گھرانہ تھا اس کے یہاں ٹیلیفون کی سہولت نہیں تھی لہذا خط و کتابت ہی کے ذریعے سارہ نے اس سے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ جب رشید کو لاہور میں قتل کر دیا گیا تو خط و کتابت کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ اس طرح جرمی میں سارہ بڑی پریشان اور فکر مند ہوئی۔ اس نے رشید کو کئی خطوط لکھے لیکن ایک خط کا جواب بھی اسے نہ دیا گیا۔ اس طرح چھ سات ماہ گزر گئے سارہ پریشان ہو گئی۔

وہاں جو دوسرے پاکستانی کام کرنے والے تھے انہوں نے سارہ کو سمجھایا کہ پاکستانی اکثر و بیشتر ایسا ہی کرتے ہیں باہر شادیاں کر لیتے ہیں اس کے بعد جب وطن جاتے ہیں تو بھول جاتے ہیں۔ لیکن سارہ کو رشید پر پورا بھروسہ تھا اس نے ایسی کسی بات پر اعتبار نہ کیا۔ اس نے جہیز لیا کہ وہ ہر صورت پاکستان جانے کی اور دیکھ گئی کہ رشید کہاں ہے اور کیوں لوٹ کر نہیں آیا۔ لہذا وہ جرمی سے لاہور کے لیے روانہ ہوئی۔ جرمی سے ان دنوں چونکہ لاہور کی ڈائریکٹ فلائٹ نہیں تھی لہذا وہ پہلے کراچی آئی۔ پہلی بار چونکہ وہ پاکستان آئی تھی۔ ابھی تھی لیکن اس کی خوش قسمتی کہ کراچی ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد اس کا پالا ایک انتہائی شریف انسان سے پڑا۔ جو دپہر کی فلائٹ سے لاہور جا رہا تھا۔ اس کے ذریعے سارہ نے اپنے اور بچے کے لیے ٹکٹ حاصل کیا۔ اور اسی کے ساتھ وہ لاہور روانہ ہو گئی۔

وہ شخص انتہا مہربان تھا کہ ایئرپورٹ سے وہ سارہ اور اس کے بچے کو کرشن نگر رشید کے گھر تک چھوڑنے گیا۔ سارہ جب اپنے بچے کو لے کر اپنے شوہر رشید کے گھر میں داخل ہوئی تو کسی نے اسے پہچانا نہیں۔ نا کوئی اسے جانتا تھا۔ رشید کی انہیں اپنے اپنے گھروں میں تھیں۔ رشید کا بوجھا باب اور ماں گھر پر تھے۔ سارہ نے جب ان پر انکشاف کیا کہ وہ رشید کی بیوی اور اس کا بچہ رشید کا بیٹا ہے تب انہوں نے اس کا پرہیز استقبال کیا۔ رشید کی ماں پچاسی سارہ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ شاید اسے اپنا بیٹا یاد آ گیا تھا۔ لیکن ابھی تک ان دونوں میاں بیوی نے سارہ پر یہ انکشاف نہیں کیا تھا کہ رشید کو قتل کر دیا گیا ہے۔

یہاں حیرت انگیز بات یہ تھی کہ رشید اور راشد دونوں جڑواں بھائی تھے اور

ساتوں بہنوں کی شادیاں کرادیں۔ جب رشید اس فرض سے سبکدوش ہوا تو اس وقت تک سارہ سے اس کا اپنا ایک بیٹا بھی ہو چکا تھا۔ جس کی عمر اس وقت لگ بھگ دو سال کی تھی۔

سات بہنوں کی شادیاں کرانے کے بعد رشید اپنی بیوی سارہ سے بات کر کے وطن آیا۔ سارہ نے اس سے وعدہ کیا کہ اس بار وہ اکیلا ہوئے ان کی بارہ وہ خود اس کے ساتھ لاہور جائے گی اور چھ ماہ وہاں قیام کرے گی۔ لہذا رشید اکیلا لاہور آیا۔

لیکن رشید کی بد قسمتی کہ اس کی جرمی جانے سے پہلے اپنے رشتہ داروں میں ایک لڑکی سے شگنی ہو چکی تھی۔ جب وہ ساتوں بہنوں کی شادیاں کرانے کے بعد واپس لاہور گھر آیا تو جس خاندان میں اس کی شگنی ہوئی تھی وہ دور دینے لگے کہ اب کافی انتظار ہو چکا رشید کی شادی ہونا ہی چاہیے۔ رشید نے ابھی تک اپنے گھر والوں پر یہ انکشاف نہیں کیا تھا کہ اس نے جرمی میں شادی کر لی ہے۔ جب گھر میں اس کی شادی کے لیے زور دیا جانے لگا تو اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔

اس پر گھر والے بڑے پریشان ہوئے انہوں نے رشید کو بڑا سمجھایا اسے اپنی بات پر مجبور کیا کہ وہ اتنے سالوں بعد آیا ہے اب اگر وہ میر شادی کیے بغیر چلا جائے گا تو مزید اتنے سال لگنے کا تو اتنے سال تو وہ اپنی بیٹی کو بٹھا نہیں رکھیں گے۔ ان حالات سے تنگ آ کر رشید نے اپنے ماں باپ اور عزیز اقارب پر یہ انکشاف کر دیا کہ چونکہ انہیں نے جرمی میں شادی کر لی ہے لہذا وہ دوسری شادی نہیں کرے گا۔ اس نے اب اپنے عزیزوں کو یہ بھی مشورہ دیا کہ جس لڑکی کی اس کے ساتھ شگنی ہوئی تھی اس لڑکی شادی وہ کہیں اور کر دیں۔

رشید کے اس انکشاف سے اس کے وہ عزیز و اقارب ایسے برا فزشتہ ایسے برا ہوئے کہ انہوں نے بہت بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ایک روز جبکہ رشید اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے ان کے گھر گیا ان عزیز و اقارب نے جن کے یہاں رشید کی شگنی ہوئی تھی انہوں نے رشید کو قتل کر دیا۔

اور سارہ یہاں انتظار درجہ کی خوبصورت لڑکی تھی۔ ایسی ہی وہ خوب سیریز تھی۔ اس نے خود ہی رشید کو گھر جانے کی اجازت دی تھی۔ اور جب تک رشید

میری بیٹی میری بیٹی۔ ہر مہینے جانے سے پہلے رشید کی اپنے عزیزوں کے یہاں رہتی ہو چکی تھی۔ لیکن رشید نے چونکہ ہمارے ساتھ وہاں شادی کر لی تھی لہذا اس نے اس شادی سے ہمیں اکٹھا نہیں کیا تھا۔ جب وہ یہاں آیا تب بھی اس نے ہمیں نہیں بنایا کہ اس نے ہمارے ساتھ شادی کر رکھی ہے۔ لہذا جن عزیزوں کے یہاں نہ کی سنبھلی ہوئی تھی وہ شادی پر زور دینے لگے لیکن رشید نے انکار کر دیا آخر میں رشید نے سب پر یہ انکشاف کر دیا کہ اس نے ہر مہینے میں ہمارے ساتھ شادی کر رکھی ہے۔ ہر مہینے میں اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ لہذا وہ کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کرے گا یہی ہوئی۔ اس بات کا ان عزیزوں نے ایسا برا مٹایا کہ مناسب موقع جان کر انہوں نے رشید کو قتل کر دیا۔ اسی بنا پر رشید کے ساتھ تہادی خط و کتابت مستطیع ہو گئی۔ لا۔ میری بیٹی۔ جہاں شوہر رشید اس وقت اس دنیا میں نہیں۔ ظالموں نے اسے قتل دیا ہے۔

رشید کے باپ کے اس انکشاف پر سارہ بے چاری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی بچپیاں اس کی سسکیاں بندھ گئی تھیں۔ پھر رشید کا باپ آگے بڑھا سارہ اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کا سر لپٹے کندھے پر رکھا پھر اسے روٹی ہوئی آواز میں اسب کیا۔

میری بیٹی میری بیٹی میں جانتا ہوں اس انکشاف پر تجھے کیسا دکھ تجھے کیسا افسوس ہوا ہو گا۔ پر یہ بھی تو سوچ میری بیٹی رشید کے سرے پر کیا بیٹی ہو گی۔ وہ ایسا بنا تھا جسے سو نے میں تو لا جا سکتا تھا۔ اس نے اپنی محنت و مسقت سے اپنی محنتوں کی شادیوں کا اہتمام کیا۔ حالانکہ یہ کام میرے لیے انتہائی مشکل تھا۔ ہوتا۔ میری بیٹی میری تو کربہی ٹوٹ چکی ہے۔ رشید کی ماں ہر سنت اسے یاد دلاتی رہتی ہے۔ میری بیٹی یہاں قیام کے دوران اگر تم نے اپنی بیٹی نہ بنائے رکھی تو یاد رکھنا رشید کی ماں کا دل فیل ہو جائے گا اور وہ جی نہیں سکے گی۔

رشید کے باپ کے نکھانے پر سارہ نے اپنے آپ کو کسی قدر سنبھال لیا۔ سنبھلی لپٹے حواس کو اس نے درست کیا تب رشید کے باپ نے انتہائی عاجزی

ان دونوں کی شکل کچھ اس طرح ایک دوسرے سے ملتی تھی کہ اکثر بیشتر ان کے گالے بھی بچکان نہیں پاتے تھے اور دونوں بھابیوں میں شیر کرنے کے لیے وہ ان کے کپڑوں میں کوئی نہ کوئی تبدیلی رکھتے تھے تاکہ دونوں بھابیوں کو پہچانا جاسکے۔ جب وقت رشید کے ماں باپ سارہ اور اس کے بچے کا استقبال کرنے کے بعد اسے ڈرائنگ روم میں لے کر آئے بچے کو رشید کی ماں نے اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا سارہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اس موقع پر رشید کا باپ اور اس کی ماں دونوں نے حیرت کر لیا تھا۔ سارہ پر یہ انکشاف کر دیا جانے کہ رشید نے یہاں آکر اس سے سب وفائی نہیں کی بلکہ اس سے خط و کتابت اس لیے نہیں کی کہ ظالموں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ پر عین اُن لمحہ جھونا بھائی راشد ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

راشد کو دیکھتے ہی رشید کا کچھ اپنی جگہ سے اٹھا اور پایا کہا وہ اس سے لپہ گیا تھا۔ اس نے یہی سمجھا کہ وہ اس کا باپ رشید ہے اس لیے کہ دونوں بھابیوں کی شکل آپس میں ملتی جلتی تھی۔ اس موقع پر سارہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مسکراتے ہوئے اور انتہائی پیار و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی آپ کیسے ہیں سارہ نے بھی یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس کا شوہر رشید ہے۔

رشید اور راشد کا باپ بڑھا لکھا تھا بڑا دانا بڑا خوشنم تھا اس نے یہ صورتحال دیکھی تو اس صورتحال کو اس نے سنبھالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا وہ بچے کو لے کر جہیں بیٹھے۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے سارہ کو اپنے ساتھ آکر کہا۔ سارا اور اپنے دوسرے بیٹے راشد کو لے کر رشید کا باپ دوسرے کمرے میں گیا وہاں تینوں بیٹھے گئے۔ پھر رشید کے باپ نے سارہ کو مخاطب کیا۔

نہ میری بیٹی۔ میری بیٹی۔ میں تم پر ایک ایسا انکشاف کرنے والا ہوں کہ نتیجتاً ہمارے لیے پریشان کن اور تکلیف دہ ہو گا۔ دیکھ میری بیٹی یہ ست خیال کرنا رشید نے ہمارے ساتھ یہ وفائی کی ہے۔ اور یہاں آکر اس نے تم سے خط و کتابت مستطیع کر دی۔ یہ جو جوان ہمارے سامنے بیٹھا ہے یہ میرا بیٹا ہے یہ رشید نہیں اس جھونا بھائی راشد ہے۔ اس انکشاف پر سارہ دنگ رہ گئی تھی۔ وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ رشید کا باپ پھر کہتا چلا گیا۔

میری بیٹی۔ میری بیٹی۔ ان ہی دعوت کی بنا پر میں تمہارے سامنے ایک تجویز رکھا ہوں۔ اگر تم اسے لےنے کے قابل قبول سمجھو تو اس پر عمل کر لینا۔ تمہارے ساتھ زبردستی نہیں ہے۔ رشید کے باپ نے بڑے عرصے سے رشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ تمہاری والدہ کا اس کے بعد اس نے دوبارہ کہا شروع کیا۔

میری بیٹی میری بیٹی۔ جوابات میں کہنے لگا ہوں اس سے یہ بھی اندازہ مت لگنا کہ میں کسی کو بھوکہ کسی لالچے کی محنت یہ بات کہہ رہا ہوں۔ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میری بیٹی رشید تو ختم ہو چکا۔ اسے نہ ہم واپس لے سکتے ہیں نہ تم۔ اسے دوبارہ حاصل کر سکتی ہو۔ میری بیٹی اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح رشید سے چھوڑا سکتا ہوں اس طرح تمہارا اس گھر سے تعلق بھی قائم رہے گا تمہارے ہونے کی وجہ سے ہمیں رشید کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ رشید کے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں رشید کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ اور پھر تم دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے جب رہو گے تو احمد بھی ہانے گا کہ اسکا باپ رشید زندہ ہے۔ کہو میری بیٹی اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ رشید کے باپ کے ان الفاظ کے جواب میں سارہ نے تمہاری در تک خاموش رہ کر کچھ سوچا۔ پھر اس نے اپنی گردن سیدھی کی اور رشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ اگر ان کی مرضی ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سارہ کا یہ جواب سن کر رشید کا باپ خوش ہو گیا تھا۔ ایک بار اس نے اچھے بڑھ کر سارہ کی پیشانی پر ہوسہ دیا پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

میری بیٹی تو نے اپنے جواب سے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ سنو رشید کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ جس وقت تو نے ہمیں اپنا آخری خط لکھا تھا اور میں نے اس کی اطلاع دی تھی اس وقت میں رشید کی ماں اور رشید جیوں نے مل کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ سارہ اگر کہاں آتی ہے اور اسے رشید کے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اس کے سامنے رشید سے نکاح کی تجویز پیش کی جائے گی۔ اگر ان گئی تو اس کی شادی ہم رشید سے کرادیں گے۔ میری بیٹی اس سلسلے میں رشید سے پہلے ہی مشورہ کر چکا ہوں تمہارے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہے۔

میری بیٹی۔ اس سلسلے میں تمہیں ایک سہولت بھی ہوگی۔ اگر تم رشید کو

سے اسے مخاطب کیا۔

سارہ میری بیٹی۔ میری بیٹی۔ اگر تو براہ مانے تو میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ اس طرح رشید کے بچے کو بھی باپ کی کمی محسوس نہ ہوگی اور تمہارے دل کو بھی ایک ڈھارس اور تسلی مل جائے گی۔ پھر جو میں کہنے والا ہوں اس کے لیے وعدہ کرو کہ تم اس بات کا برا نہیں مانو گی۔

سارہ رشید کے ساتھ رہتے ہوئے روانی سے اردو بولنے لگتی تھی۔ اور ساتھ ہی اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر بیٹی عاجزی اور انکساری میں وہ رشید کے والد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

آپ رشید کے باپ کی حیثیت سے میرے بھی باپ ہیں۔ آپ جو بھی بات کہنا چاہتے ہیں فراہم کر سکتے ہیں۔ بھگلیے نہیں۔ اگر وہ بات میری طبیعت میرے مزاج کے خلاف ہوتی تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ تب بھی میں اس بات کا برا نہیں مانوں گی۔ بیٹی اپنے باپ کی کسی بات کا برا نہیں مانتی۔ آپ بلا جھجک کہیں۔ سارہ کی اس گفتگو سے رشید کے باپ کو کسی قدر حوصلہ ہوا۔ پھر اس نے سوچا اور کہا شروع کیا۔

سارہ میری بیٹی۔ میری بیٹی۔ جو کچھ میں کہنے والا ہوں اس میں صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ رشید کے بچے کی بھی بہتری ہے۔ اس طرح اسے باپ تمہیں شوہر کی محسوس نہیں ہوگی۔ میری بیٹی ذرا اپنے سامنے بیٹھے رشید کی طرف دیکھو۔ رشید رشید دونوں چرواں بھاتی ہیں۔ جس وقت یہ پہلی بار ڈرائیونگ روم میں آیا تھا اور رشید نے اس طرح تو نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تھا اس سے میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ تو اسے پہچان نہیں سکتی۔ تو نے اسے اپنا شوہر رشید ہی جانا تھا۔ میری بیٹی کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں۔

جواب میں سارہ کے ہجرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر وہ کہنے لگی۔ آپ کا کہنا درست ہے۔ میں انہیں واقعی رشید ہی سمجھتی تھی اور آپ میرے بیٹے احمد کو بھی دیکھا وہ کیسے ان کی طرف بھاگا تھا۔ اور بابا پکارتے ہوئے سے پلٹ گیا تھا۔

پھر ایک روز جبکہ راشد مل میں کام پر گیا ہوا تھا اس روز کام سے سارہ نے چھٹی کی وہ شاپنگ کے لیے اپنی تینوں بچوں کو بازار کے لر گئی اسی دوران اسکا ایکسٹنٹ ہوا تینوں بچے موقع پر ہی ہلاک ہو گئے سارہ انتہا درجہ کی زخمی ہوئی تھی۔ اسے اپنے بچے کی کوئی امید نہیں تھی لہذا جس وقت ہسپتال میں راشد سارہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ تو سارہ نے راشد سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر وہ مر جائے تو اس کی اور تینوں بچوں کی تدفین کا اہتمام وہ لاہور میں کرے اس طرح چاروں لاشوں کو لاہور بجا کر دفنایا گیا اب اس واقعے کو بھی کئی سال بیت چکے تھے۔ اور یہ سارے واقعات بلیٹ فارم پر کمرے راشد کی آنکھوں میں سرکین پر تیزی سے چلتی تصویروں کی طرح گھوم کے رہ گئے تھے۔

جس وقت احمد نے اس کے کمرے پکڑ کر اس کو پیچھے سے کھینچا تھا تو راشد حمودی در بک اسے اچھٹے پر اور پریشانی میں دیکھتا رہا اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا کہ اس کا بیٹا احمد اس کے پیچھے کھڑا ہے۔ حمودی در بک ماضی کے سارے واقعات اس کے سامنے گھوم گئے تھے پھر اسے یقین ہو گیا کہ اس کی بیوی اور تینوں بچے تو مر چکے ہیں۔ یہ یا تو کوئی اور بچہ ہے جس نے غلطی سے اسے اپنا باپ سمجھ لیا ہے لیکن جب اسے یہ خیال آیا کہ کسی دوسرے بچے کی شکل بالکل اس کے بیٹے احمد جیسی کیسی ہو سکتی تھی اپنی خیالوں میں مگن وہ احمد کی طرف مڑا احمد جس وقت مرا تھا تو اس کی مر لگ بھگ بارہ سال کے قریب ہو گئی پھر بالکل راشد مڑا اور پوری قوت سے اس نے احمد کو اپنے ساتھ پٹنایا تھا جس وقت اس نے احمد کو اپنے ساتھ پٹنایا وہ دنگ رہ گیا تھا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے برف کی کسی سل کو اپنے ساتھ بٹنگ کر لیا ہو۔

اب راشد کو احساس ہوا کہ یہ معاملہ کچھ اور پی ہے اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ واقعی اس کا بیٹا احمد ہے لیکن یہ حقیقت میں جسم نہیں بلکہ یہ اس کی روح ہے جو اس سے بٹنگ ہو رہی ہے۔ اس موقع پر راشد احمد کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ احمد بڑے پیار سے راشد کو مخاطب کرتے ہوئے بول پڑا۔

پاپائی۔ بہن اور بھائی بڑی بے چینی سے انتظار گاہ میں بیٹھے آپ کے منتظر ہیں اپنے پہلے انہیں لے کر آتے ہیں پھر اگلے گاڑی میں بیٹھے ہیں احمد کے ان الفاظ سے

اپنے ساتھ جرمنی لے جانا ہو اس کے لیے جہیں وقت بھی نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ رشید اور راشد کے انگریزی میں اسپیلنگ تقریباً ایک ہی جیسے ہیں۔ دونوں کی ولیمت بھی ایک ہی ہے۔ دونوں کی شکل و صورت بھی ایک جیسی ہے۔ اگر رشید کے پاسپورٹ کے ساتھ راشد اپنے شناختی کارڈ پر بھی سفر کرنا چاہے تو اس کے لیے کوئی قباحت نہیں۔ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں بھائیوں کی شکل ملتی ہے۔ اور اگر یہ جہاز سے ساتھ رشید ہی کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ پر سفر کرنا چاہے جب بھی اس میں نہ کوئی قباحت ہے اور یہ اس کو کوئی پکڑ سکتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں کے ناموں کے بچے بھی ایک جیسے ہیں اور ولیمت بھی ایک ہے اور دونوں کی شکل صورت بھی ایک ہی جیسی ہے۔

رشید کے باپ کے یہ انکشافات اس کی یہ گفتگو سارہ کے لیے مزید تسکین اور سکون کا باعث تھی۔ چونکہ سارہ راشد کے ساتھ شادی پر اپنی اماں کی کاغذی کار کئی تھی لہذا سارہ نے چند روز اس گھر میں قیام کئے رکھا اس دوران اس کی اور راشد کی شناخت کر دی گئی تھی۔ اس طرح مزید چند روز میاں بیوی کی حیثیت سے سارہ اور راشد۔ کرشن نگر ہی میں گزارا۔ رشید کا بیٹا جس کا نام احمد تھا راشد کو ہی اپنا باپ کرنے لگا اس طرح چند روز تک کرشن نگر میں رہنے کے بعد سارہ اپنے بیٹے احمد شہر راشد کو لے کر واپس جرمنی چلی گئی تھی۔

راشد اور سارہ نے چند سال جرمنی میں میاں بیوی کی حیثیت سے گزارا راشد بھی اسی مل میں کام کرنے لگا تھا جہیں اس کا بھائی رشید کیا کرتا تھا۔ کیا کام کوا تھا یہ ساری تفصیل سارہ نے اسے سمجھا دی تھی اس طرح سارہ سے راشد کے دوٹے ہوئے ایک بیٹی جس کا نام فوڈی تھا دوسرا بیٹا جس کا نام حسن تھا۔ اب راشد ایک لحاظ سے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا باپ تھا بڑا بیٹا جس کا نام احمد تھا جو حقیقت میں اس کے بھائی رشید کا بیٹا تھا وہ بھی راشد ہی کو رشید سمجھے ہوئے اپنا باپ خیال کرتا تھا اس طرح وقت گزرتا رہا کئی برس راشد وہاں کامیاب زندگی گزارتا رہا۔ اور اس دوران کئی بار۔ اور خود سارہ بھی جیکر لگا کر گئی وہ وہاں راشد کے ماں باپ دوسرے عزیزوں اقارب سے کافی مانوس ہو گئی تھی۔

انہوں میں ہی رہتے دیتے چھوٹے نہیں پھر جب اس نے دیکھا کہ ارد گرد لوگ آجا رہے ہیں اور کسی کی نگاہ نہ پڑے لہذا اس نے سارے سے کہا آؤ بچوں کے لیے کچھ چیزیں اپنی سارہ چپ چاپ اس کے ساتھ ہوئی ان کے پاس کوئی سامان نہیں تھا چاروں کی سفید چھتے ہوئے لباس تھے ہوئے تھے سب اس طرف چل دیے جہاں کتاؤں کی بڑے قریب ہی چھوٹا سا شاہنگ ستر بنا ہوا ہے۔ اوپر جاتے ہوئے اچانک اسے کچھ اور میں نے سارہ اور بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تم چاروں یہ سلسلے دکاؤں کی طرف جاؤ میں ذرا ملتان فون کر آؤں تاکہ بتا دوں کہ میں عوامی سے آ رہا ہوں اور وہ اسٹیشن پر آ کر مجھ سے سامان لے لیں۔ اس پر سارہ نے فوراً اسے کھدے سے پکڑتے ہوئے روک لیا اور وہی محبت ملی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

آپ کی آمد سے پہلے میں نے ملتان فون کر دیا تھا۔ آپ انکا سامان لے کر آ رہے ہیں اور میں نے انہیں تاکید کر دی تھی کہ وہ ریلوے اسٹیشن پر آ کر ملتان لے جائیں۔

سارہ کی اس گفتگو سے راشد دنگ رہ گیا۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے اہل سنبھال لیا میں جانتا تھا میری بیوی میرے بچے مرتے ہیں اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں حقیقت نہیں ہے یہ ان کی دھمیں ہیں جو لحاظی طور پر اس کے ساتھ چل رہی ہیں۔ اندر وہ یہ دعائیں مانگ رہا کہ کاش خداوند قدوس ان لوگوں کو اپنی کرپاؤں اور وہ اپنی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ اپنی موت تک ان کے ساتھ ہی سفر کرتے ہوئے گوارہ دے۔

سارہ کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی بھی وہ راشد اور بچوں کے ساتھ شاہنگ لے جاتی تھی تو وہ اپنے پاس پیسے نہیں رکھتی تھی۔ سارے پیسے راشد ہی کی جیب میں رکھتی تھی۔ پھر اس کی جیب سے نکال کر وہ جو چیزیں خریدنا ہوتی تھیں ادا بھی کرتی تھی۔ ریلوے اسٹیشن کی دکاؤں پر جب وہ گئے تو بالکل اپنے معمول کے مطابق وہ ان کی جیبوں سے پیسے نکال کر ادا بھی کرتی رہی خود ہی سارا سامان اس نے خرید لیا۔ ان کی چار بوتلیں اس نے لیں۔ اس کے علاوہ زیادہ چیزیں اس نے میری پسندیدہ

راشد ایک بار پھر خیالوں میں کھو گیا تھا اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی بیوی اس کی بیٹی فوزیہ اس کا دوسرا بیٹا حسن ریلوے کے انتظار گاہ میں بیٹھے اس کا منتظر ہوں گے بہر حال احمد کا برف جیسا ہاتھ پکڑے وہ زمانہ انتظار گاہ کے سلسلے آن کھڑا ہوا اور احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

بیٹے جاؤ اپنی ماما میں اور بھائی کو لے کر آؤ پھر انکے گلاؤں میں بیٹھتے ہیں۔ راشد کے ان الفاظ سے احمد مسکراتا ہوا انتظار گاہ میں داخل ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس کی بیٹی فوزیہ اور چھوٹا بیٹا حسن جاگتے ہوئے باہر نکلے تھے آتے ہی بری طرح وہ اس سے لپٹ گئے تھے۔ وہ پیچھے گیا تھا دونوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا حیرت کی بات تھی کہ احمد کی طرح وہ بھی ایسے ہی لگے جیسے اس نے برائی غصوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا ہو۔ اتنی دیر تک سارہ بھی باہر آگئی تھی۔ حسن وہی تھا جیسے لعل بدفتیان۔ جیسے گلابی رنگوں کی عداوت اس کے عتاب کی کیوں سے ہونٹوں پر چبھے جیسی ریلی تیشی پھوڑا کا سا تبسم تھا معمول کے مطابق اس کی خوب دے کر ان آنکھوں میں راشد کے لیے ویسا ہی محبت کا شمار تھا جیسا کبھی ہوا کرتا تھا۔ ویسا ہی زندگی سے پھر نور شباب گلاب سا پھر اس کے لبوں کے مرجان حرکت میں آتا۔ اور اسکی صداؤں کے نیلے اس کی سماعت سے نکلے۔ آپ کیسے ہیں؟

اس کی آواز میں بیٹے دنوں کی مہک وصل لگوں میں ڈوبے درد فرقت کے پیوند تھے اس کے لیے میں شعروں کا وجدان تحریک نقد سازان تھی۔ تھوڑی دیر تک اس کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا برسوں بعد اسے اپنے سامنے جسم صورت میں دیکھ رہا تھا اسکے حسن و جمال کے رنگ محبت کے نقش و نگار اور روحوں کی توانائی بخشنے والی آواز میں کھو گیا تھا۔ دوبارہ اس نے راشد کو مخاطب کرتے ہوئے چوٹا سا دیا تھا۔ آپ کیسے ہیں؟

پھر راشد کے جواب دینے سے قبل ہی آگے بڑھ کر اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اس دوران راشد بول پڑا۔ اپنی شہریت سے اسے آگاہ کیا پھر وہ ٹھٹھک گیا اس لیے کہ جب اس نے راشد کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے تو راشد کو ایسا لگا جیسے اس کے دونوں ہاتھوں میں کسی نے برف کی ڈلیاں رکھ دی ہوں۔ راشد نے اپنے ہاتھ سارہ

خریدیں جو جو بچے فرمائش کرتے رہے وہ مسکراتے ہوئے خریدتی رہی جب وہ وہاں فارغ ہوئے تو گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ وہ وہ لوئر ایسے کا ڈیڑھ گنٹ تھا۔ چھ ک سیٹیں ان کے نام یک تھیں دو سیٹیں راشد کے نام پر تھیں ایک سارہ اور میں کے نام تھیں اس طرح نیچے اوپر اور آگے سامنے کی برتھیں ان کے پاس تھیں۔ سارے رکھنے کے بعد قلعی ابھی تک ان سامان ہی کے پاس کھڑے تھے۔ راشد نے انہیں ادا کر کے فارغ کر دیا پھر سارہ اور بچوں کو ساری نشستیں سمجھائیں اس دوران ڈیڑھ گنٹ بھر کا تھا۔ سارہ چونکہ خوبصورت تھی غیر ملکی تھی۔ لہذا آنے جانے والا ہر کوئی ا بڑے خور سے دیکھتا تھا۔ بچے بھی غیر ملکی ہی لگتے تھے لہذا وہ بھی آنے جانے والے مسافروں کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے بڑا بیٹا احمد بیٹی فوریہ دونوں حرکت میں آئے۔ سامان میں سے انہوں نے ایک چادر نکالی دونوں بہن بھائی نے وہ چادر سامنے باندھتے ہوئے ایک طرح کا پردہ کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی چل پڑی وہ عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ اس کی بیوی کے بچوں کو مرے ہوئے کم از کم چار یا پانچ سال بیت چکے تھے۔ گو وہ ان کی محبت کی جاہت کو اپنے دل سے نکال نہیں سکتا تھا تاہم زخم آہستہ آہستہ مندمل ہونا شروع ہو گئے تھے اب جبکہ اس کی بیوی سارہ اور بچے اس کے ساتھ تھے تو پرانی یادیں بھر کرتی ہوئی ذہن میں رقص کرنے لگی تھیں شہر کے اندر سے گاڑی پوری رفتار سے گزرتی تھی۔ شہر سے باہر نکل کر اس نے دھول اڑاتی شروع کر دی تھی وہ ابھی تک خیالوں اپنی یادوں میں کھویا ہوا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے خداوند قدوس کے حضور مانگ رہا تھا کہ یا اللہ یہ جو گاڑی میں سفر کرنے کے لمحات ہیں یہ ابدی اور دائمی جائیں گاڑی ساری عمر ایسے ہی چلتی رہے اور وہ وہی سارہ اور اپنے بچوں کے ساتھ کرتا رہے اور ان کے ساتھ سفر کرتے کرتے اپنی زندگی تمام کر جائے۔

وہ عجیب سا سامان تھا آنکھیں بند کر کے گزرتے ہوئے وہ اپنے خداوند حضور دجا مانگ رہا تھا یا اللہ یا تو ان چاروں کو دوبارہ زندگی عطا کر دے یا یہ کہ سفر ہے اس کو ہی دائمی بنا دے اس دعا کے دوران اس کی آنکھیں جھپک جھپک رہی تھیں اور اسل وہ پوری عسکری اور عاہری کے ساتھ اپنے خداوند کے حضور دجا مانگ رہا تھا۔

مادر بھی شاید اس کی اس کیفیت کا بڑے غور سے اندازہ لگا رہی تھی پھر جب اس نے ہاتھ کی پکڑیں بھیجتی دیکھیں تو اس نے دھماکے سے اس کی آنکھیں صاف کیں وہ اس کے پہلو ہی میں بیٹھی تھی۔ پھر اس کی ران پر رکھے ہوئے اس کے ہاتھ پر اس نے اپنا ہاتھ رکھا اور اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے اپنی خاموشی سے اسے وہ ایک طرح کی اور تشفی دینے لگی تھی۔

گاڑی بھاگتی رہی چھوٹے موٹے اسٹیشن آمدی اور جوقان کی طرح گزرتے رہے۔ وہ بچوں میں گھل مل گیا۔ اپنے آپ کو ان کے ساتھ باتوں میں مصروف رکھا ہاتھ تھا وہ لمبے داغی نہیں ہیں۔ کسی بھی وقت آنے والی رات کو یا صبح سے پہلے پہلے وہ ہانگ چاروں اسے داغ مفارقت دے کر غائب ہو سکتے ہیں۔ اس نے اپنے ذہن میں یہ بھی ٹھکان لیا تھا۔ کہ ان چاروں کی اس کے پاس موجودگی ایسے ہی ہے جیسے وہ کسی ہاتھ دھماکے میں ہوں۔ جیسے وہ کوئی انجانا نا آشنا خواب دیکھ رہا ہو اسی بناء پر وہ ان کی موجودگی سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

جب وہ سب اہل خانہ جرمی میں اپنے قلیت میں رہا کرتے تھے بہت وہ لڑو بہت کھیلا کرتے تھے۔ اس روز بھی لڑو اس کے سامان میں موجود تھی۔ اس کے ذہن میں ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ بچوں اور سارہ کے ساتھ بیٹھ کر لڑو کھیلنا چاہیے کہ سارہ اور ہی سامان کھولنے لگی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ راشد کے سامان کی ایک ایک چیز سے لطف رہے۔ پھر راشد کی حیرت کی انتہا نہ رہی جو سامان اس نے ملتان دینا تھا وہ سارہ لے کر خود بخود ایک طرف کر دیا اور کہنے لگی۔ ملتان والوں کا سامان بھی میں نے ایک طرف کر دیا ہے۔ اپنا سامان میں نے ایک طرف رکھ دیا ہے تاکہ جب ملتان آئے تو سامان دینے میں ہمیں کوئی وقت نہ ہو۔ وہ دل ہی دل میں یہ گمان کر رہا تھا کہ آخر اسے کیسے پتہ چلا کہ ہمارا سامان کونسا ہے اور ملتان میں ہمیں کون کون سا سامان دینا ہے۔

وہ انہی خیالات اور ان ہی گمانوں میں غلطان تھا کہ سارہ نے اتنی دیر تک لڑو اٹال تھی پھر بچے اوپر کھینچ لی انہوں نے دونوں سیٹوں کے درمیان رکھے اس کے اوپر اس نے بڑے سائز کی لڑو بھائی۔ چھوٹا بچہ حسن سارہ کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔ سارہ

چلا گیا تھا۔ اس کے بعد کوئی بھی ان کے پاس سیٹ کا مطالبہ کرنے نہ آیا۔ نوزیدہ اور احمد نے ایک بار پھر سامنے والا پردہ درست کر دیا تھا۔ یوں ان کا سفر بھر باری رہا۔ حیدر آباد آیا تو لڑو سے باقی بچھینے ہوئے راشد نے سارہ کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ میرے خیال میں بچوں کے ساتھ چائے پیتے ہیں۔ سارہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ لڑو کو سیٹ پر ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے فوراً سامان کے اندر سے تھرماس نکال کر دیا۔ سارہ کی ان حرکتوں سے جہاں راشد پریشان اور فکر مند سا ہو رہا تھا وہاں وہ خوش بھی تھا۔ کبھی کبھی اسے یہ بھی لگتا تھا کہ سارہ اب اس کے ساتھ بچوں کو لے کر گھر جائے گی۔ اس کے گھر والے ان سب کو دیکھ کر بہت خوش ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے سارہ اسی حالت میں پھر اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہنا شروع کر دے۔ لیکن کبھی کبھی جب اس کے ذہن میں یہ بھی خیال اٹھنے کے ہو سکتا ہے کہ رات کے وقت جب کہیں اس کی آنکھ لگ جائے تو سارہ بچوں سمیت غائب ہو جائے۔ بہر حال وہ انہی تفکرات میں ڈوبا ہوا تھا کہ سارہ کے تھرماس نکال کر اسے تمبا دیا۔ جب وہ اٹھنے لگا تو بچے فمد کرنے لگے کہ وہ بھی نیچے پلیٹ فارم پر جائیں گے۔ وہ جب ان کو ساتھ لے کر باہر نکلے گا تو سارہ نے اپنے معمول کے انداز سے گھجے ٹماٹ کر کے کہا بچوں کا خیال رکھیے گا۔ یہ سارہ اکثر اس وقت کرتا کہ تھی جب وہ بچوں کو گھر سے باہر لے کر جایا کرتا تھا۔ بہر حال بچوں کو لے کر وہ حیدر آباد کے پلیٹ فارم پر اترا۔ بچوں نے اپنے لیے پلیٹ فارم کے سامنے بک اسٹال سے چھوٹی چھوٹی کتابیں خرید لیں۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے کچھ سامان وہاں سے خریدا۔ انہیں ساتھ لیے ہوئے اس نے چائے کا تھرماس تیار کیا۔ کچھ پانی بھلکی کھانے کی اشیاء بھی لے لیں۔ سارا سامان خریدتے ہوئے وہ گاڑے گا بے مڑ کر اپنے کپارٹمنٹ کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ لوٹر اسے سی کے شیشے میں سے پردہ ہٹا کر سارہ کی نگاہیں برابر ان پر جمی ہوئی تھیں۔ شیشے میں سے وہ اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ سارا سامان خریدنے کے بعد وہ دوبارہ گاڑی میں سوار ہو گئے۔ اور گاڑی ایک بار پھر چل دی۔

گاڑی فاصلوں کو سمیٹتی ہوئی بھاگتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ نواب شاہ کا اسٹیشن جب آیا تو ڈائریکٹ کار والے کھانے کی صدائیں لگانے لگے تھے۔ یہ صدائیں

اور راشد اٹنے سامنے تھے۔ نوزیدہ اور احمد ایک دوسرے کے آٹنے سامنے بیٹھ گئے۔ اور یوں وہ لڑو کھینے لگے تھے۔ حیدر آباد سے پہلے ایک ٹکٹ چیکر آگیا تھا۔ ٹکٹ دہ کرنے کے بعد اس نے راشد سے بڑی نرمی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا آپ کے ایک سیٹ فالتو ہے اس پر آپ ایک صاحب کو بٹھائیے وہ روپڑی جا کر اترا جائیں وہ سمجھ گیا تھا کہ یا تو وہ گاڑی کا آوی ہو گا یا پولیس کا آوی ہو گا۔ اور اس سے وہ بیٹھ کر ان کی سیٹ پر بٹھانا چاہتا ہو گا جو ہم نے فالتو لی تھی۔ راشد نے ہنسنے سے ہمارے پاس کوئی فالتو سیٹ نہیں ہے چھ کی چھ ہمارے نام پر ریزرو ہیں۔ راشد کے اس انکشاف پر چیکر بڑی کمزور ہنسی ہنس دیا اور کہنے لگا میں ہوں آپ پانچ افراد ہیں۔ چھ سیٹیں آپ نے بک کر دوائی ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ ایک سیٹ سامان کے لیے ریزرو کرائی ہوں گی آپ کا سامان سیٹوں کے نیچے رکھا ہو رہا ہے آپ ایک شخص کو بٹھالیجئے کوئی حرج نہیں ہے۔ چیکر کے بدلتے ہوئے دیکھ کر اس نے صاف انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی اور طنزیہ سے انداز میں راشد کی طرف دیکھتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ راشد سامنے والا نہیں تو وہ چلا تھوڑی دیر بعد گاڑی پھر لوٹا اس کے ساتھ ایک پولیس والا تھا۔ پولیس والے سامان ہی پردہ ہٹایا اور پولیس والا لہجہ استعمال کرتے ہوئے کہنے لگا۔ آپ لوگوں کے ایک سیٹ فالتو ہے ایک صاحب کو یہاں بٹھالیجئے۔ روپڑی تک جائیں گے والا جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے اپنی سیٹوں پر کسی کو بٹھانے سے صاف انکار پولیس والا بھی اٹھنے اور تڑی جمانے کے موڈ میں آگیا تھا۔ اس کے تئیر ہٹا رہا تھا وہ پولیس مین شپ کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔ گاڑی ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گا راشد کو اس بات کا بھی پڑا دکھ اور غصہ تھا کہ پولیس والے نے سامنے پردہ ہٹا دیا اور احمد نے باندھا تھا۔ اسے اٹھا کر لے کر اندر آنے کی کہیے جرات کی۔ پولیس والا اٹھنے کے موڈ ہی میں تھا کہ ایک اور انقلاب رونما ہوا۔ اب تک سارہ بالکل چھ اور خاموش بیٹھی ہوئی تھی جس وقت پولیس والا اٹھنے لگا تو سارہ نے کچھ اس اس پولیس والے کی طرف دیکھا تو اس لمحہ سارہ کی آنکھوں سے ایسی روشنی پھوٹ رہی تھی جتنی پولیس والے کو بھسم کر کے رکھ دے گی پولیس والا خوفزدہ سا ہو کر

ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہا ہو۔ آخر ایک جھکے کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تب سارہ نے مرودہ سی زبان میں راشد کو مخاطب کیا۔
 آپ کوئی مناسب سے دو قلمی پکڑ کر لائیں میں اتنی رر تک سامان دروازے کے قریب لے جاتی ہوں۔
 ڈبے میں جس قدر مسافر تھے وہ بڑی تیزی سے اترنے لگے تھے۔ راشد کچھ دیر تک سارہ اور بچوں کے قریب ہی کھڑا رہا۔ وہ ان سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ انہیں کھونا نہیں چاہتا تھا پر سارہ کے کہنے پر وہ باہر نکلا۔ دو قلمیوں کو وہ بلا کر لایا۔ جب وہ ڈبے میں داخل ہوا تو دنگ رہ گیا۔ نہ وہاں سارہ تھی نہ بچے۔ سامان سارا دروازے کے پاس بڑی ترتیب سے رکھا ہوا تھا۔

اور بچوں کے ساتھ جاگ رہا تھا۔ بچے بھی اس کے ساتھ جاگ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں دور دور تک نیند کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ راشد بھی زبردستی اپنے آپ پر جبر کرتے ہوئے ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ گاڑی نے جس وقت اوکارہ ریلوے اسٹیشن کو کراس کیا تب راشد نے سارہ کے اندر ایک تبدیلی رونما ہوتے دیکھی۔ وہ کچھ اداس اور افسردہ ہونے لگی تھی۔ تاہم راشد سارہ اور بچوں کے ساتھ محو گفتگو رہا۔ جب لاہور ریلوے اسٹیشن قریب آیا تب راشد چونک پڑا۔ اس نے غور سے سارہ کی طرف دیکھا اس کی حالت یکسر بدل رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے احساسات کی ہلک جڑبات کی گنگنی اور ساری نشاط و اہلاط کی طرینا کی کسی نے چھین لی ہو۔ وہ راشد کے ساتھ گنگنو تو کر رہی تھی۔ دلچسپی بھی لے رہی تھی پر اس کی گنگنی سے اس کی حرکات سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا جیسے کسی ان دیکھی ان جانی قوت نے اس کے اسرار ہستی کو عرفان۔ اس کی روح کی رگڑ کی۔ اس کے جسم کی توانائی اور گنگنو کا حسن و جمال اس سے چھیننا شروع کر دیا ہو۔ جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر رکنے کے لیے گاڑی آہستہ ہوئی تب سارہ دکھ بھری داستانوں کے بکھرے اوراق۔ موجوں کے سینوں پر ڈوبتی کشتیوں جیسی دوران گرتے پتوں کی حیات جیسی اداس اور طوفانوں سے دوچار ہونے وقت کے جھکے جھکے قصوں جیسی افسردہ ہو کر رہ گئی تھی۔

سارہ کی یہ بدلتی حالت دیکھتے ہوئے راشد پچھارہ بھی بڑی تیزی سے دوران ہونے شروع ہو گیا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا سارہ کے ہونٹوں کی سرخی اس کی آنکھوں کے کاجل میں کشش اڑنے لگی تھی۔ گو وہ اب بھی گنگنو کر رہی تھی لیکن اس کے الفاظ کے طلسم میں پہلے جیسے نعشوں کی جلف رنگ نہ تھی۔ اس کا بلورین جسم رات کو ڈھبے والا دارچاند کی طرح کھپتا رہا تھا۔ اس کے احساسات میں بھی پہلی جیسی عنایت نہیں تھی بڑی تیزی سے وہ پچھاری کسی ان دیکھی دل گر گئی نہ ناآسودہ سے شعور کا کچھ اس طرز پر شکار ہوتی جا رہی تھی جیسے اس کی پرواز ختم ہونے والی ہو۔ جیسے اس کی رفعتوں کو اہٹا ہونے والی ہو۔

سارہ کی طرح بچوں کی حالت بھی ایسی ہی تھی ان تینوں کے پھروں پر بھی دریاہیں اڑ رہی تھیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی کا کوئی بہت عین بہت پیارا ان سے

ذیم اسمتھ برطانیہ کی ملکہ الزبتھ اول کی بہترین دوستوں میں سے تھی۔ اس عورت نے نظم اور نثر میں بھی کافی شہرت حاصل کی اور کافی نظمیں بھی اس نے لکھیں اس کی نظمیں اب بھی انگلستان میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اپنے بچوں کی تعلیم کو سنوارنا بنا رکھا تھا۔ خود بھی تعلیم یافتہ تھی اور یہ خواہش رکھتی تھی کہ اس کے بچے خوب تعلیم یافتہ ہوں۔

ذیم اسمتھ اپنے چھوٹے بچے کی پڑھائی کے سلسلے میں حد درجہ کی فکر مند تھی۔ اسکے چھوٹے بچے کا نام ذیم تھا اور وہ پڑھائی میں کمزور اور سست ذہن کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ یہ بڑا شرارتی بھی تھا اس کی کتابیں اور کاپیاں گندی ہی رہتی تھیں۔ ذیم اسمتھ نے اپنے بیٹے ولیم کو اس سلسلے میں بڑا نکھایا مارا بیٹا بھی لیکن ولیم شرارتی کا شرارتی ہی رہا۔ اس نے پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہ لی تھی۔

کہتے ہیں ایک روز ذیم اسمتھ نے اپنے بیٹے ولیم پر اتنا درجہ کی برا فروختہ ہوئی اس لیے کہ امتحانوں کے بعد جو نتیجہ آیا تھا اس میں ولیم سب سے پیچھے تھا۔ اس بناء پر اس روز ذیم اسمتھ نے ولیم کو خوب مارا پیٹا۔ اسکے کان بھی ٹھپٹھپے پھر اسے ایک بڑی سی الماری میں بند کر دیا۔ الماری کو کالا لگاتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کو تنبیہ کی کہ جب تک وہ اپنے آپ کو سنوارنے کا وعدہ نہیں کرتا اس وقت تک وہ الماری نہیں کھولے گی۔

اپنے بیٹے ولیم کو جس وقت اس بد قسمت عورت نے الماری میں بند کر دیا تو تھوڑی ہی دیر بعد ملکہ اسمتھ نے ایک خادمہ کے ذریعے اسے بلا بھیجا۔ اب یوں جانیں کہ ذیم اسمتھ اور اسکے بیٹے کی بد بختی کہ ذیم اسمتھ فوراً ملکہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

وہ یہ بھی بھول گئی کہ اس نے اپنے بیٹے کو الماری میں بند کر رکھا ہے۔ اور وہ یہ بھی فراموش کر گئی کہ کم از کم جاتے جاتے اپنے گھر کے ملازمین ہی کو یہ کہہ دے کہ تھوڑی دیر بعد الماری کھول کر ولیم کو باہر نکال لیں۔ بہر حال وہ بخیر چلی ملکہ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئی الماری باہر سے مقفل ہی رہی۔ ولیم الماری کے اندر تھا۔

انگلستان کے دریائے تھیمس کے کنارے بکننگھم شہر کے قریب مارلو نام کے علاقے میں حکومت برطانیہ کی ایک عمارت ہوا کرتی تھی۔ بلکہ اب بھی ہے اس کا نام بشپ کاؤنس ہے۔ یہ عمارت روجوں کے لیے بڑی مشہور تھی۔ بلکہ اب بھی ہے اس میں ایک عورت ذیم اسمتھ کی روح اکثر دیکھی گئی۔ وہ اس عمارت میں گھوما کرتی تھی وہ کالے کپڑے پہنتے ہوئی تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے بیٹے ولیم کو تلاش کرتی پھرتی ہے۔ جس سے اسے عشق کی حد تک محبت تھی۔

اس عورت کی روح اس عمارت میں گزشتہ چار سو سال سے دیکھی جا رہی ہے؛ اکثر و بیشتر اس روح کو عمارت کے بڑے بڑے کمروں میں دیکھا گیا۔ سیاہ لباس پہنے اپنے بیٹے کے لیے کراہتے آہیں بھرتے اسے اس عمارت کے برآمدوں میں بھی دیکھا گیا۔

کبھی کبھی اسے عمارت کے بالکل قریب پہننے والے دریائے تھیمس کے کنارے بھی اس انداز میں دیکھا گیا کہ کنارے کنارے ٹھکے ہوئے اس عورت کی روح اپنی کسی گمشدہ شے کو ڈھونڈ رہی ہو۔ جن لوگوں نے اسے دیکھا ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ذیم اسمتھ کو اکثر و بیشتر دریائے تھیمس کے کنارے باقاعدہ چلتے اور روتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ وہ آج سے کئی سو برس پہلے مر چکی تھی۔

یہ ذیم اسمتھ 1609ء میں کافی بوڑھی ہو کر فوت ہوئی۔ کہتے ہیں جس وقت مری اس وقت الزبتھ کی عمر 91 برس تھی۔ اس کی موت کے بالکل دس دن بعد عمارت میں رہنے والے اس کے گھر کے افراد نے اسکی روح کو پہلی بار عمارت میں گھومتے ہوئے دیکھا اس کے گھر والوں نے جب اپنی ماں کی روح کو گھومتے ہوئے دیکھا تو وہ اس حالت میں تھی کہ سیاہ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے وہ روحی اور بار ولیم کو پکارتی تھی۔ گویا مرنے کے بعد بھی اس کی روح اپنے بیٹے کے لیے دکھی اور مشکاشی تھی۔

جس عمارت میں یہ عورت ذیم اسمتھ رہتی تھی۔ یہ ایک سرکاری عمارت تھی 1840ء میں اس عمارت کی مرمت کی گئی اور اسے ایک طرح سے نیا بنا دیا گیا۔ جس وقت اس عمارت کی مرمت کی جا رہی تھی۔ اس عمارت میں پرانی کتابیں اور ایساں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ اٹھا کر جب ایک طرف رکھی جانے لگیں تو ان میں ایک ایسی کاپی تھی جو ذیم اسمتھ کے بیٹے ولیم کی تھی اور جس میں اس کے آنسو خشک ہوئے تھے۔ جن اوراق پر اس کے آنسو گرے تھے۔ وہ پیلے ہو چکے تھے۔ گھر میں مرمت کے اطمینان میں جب اس کاپی کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھا گیا تو لوگوں نے اس کے بعد ذیم اسمتھ کی روح کو دیکھا وہ اکثر و بیشتر اپنے بیٹے ولیم کی کاپی کے گرد چکر لگایا کرتی تھی۔ پھر جب گھر کی مرمت ہو گئی اور اس کاپی کو اٹھا کر پھیلے کی جگہ پر رکھا گیا تو عمارت کے سنے مکینوں نے نئی جگہ جہاں کاپی کو رکھا تھا پہلی بار بلکہ اکثر ذیم اسمتھ کی روح کو وہاں چکر لگاتے آہیں بھرتے۔ چھاتی بیٹنے اور اپنے بیٹے ولیم کو پکارے دیکھا۔

○○○

ملکہ اسمتھ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھنے اور اس سے ملنے کے بعد ذیم اسمتھ ملکہ کے قصر سے نکلی تو اسے یاد آیا کہ اس نے اپنے بیٹے ولیم کو الماری میں بند کر دیا تھا۔ لہذا وہ اپنی پوری رفتار سے گھر کی طرف بھاگی۔ اس وقت وہ بری طرح کانپ رہی تھی اسکے دل میں یہ خطرات اٹھ رہے تھے کہ الماری میں بند ولیم کو کچھ ہونے لگیا ہو۔ اس لیے کہ اپنے سارے بیٹوں میں ولیم کو وہ زیادہ چاہتی تھی۔

گو ولیم پڑھائی میں نالائق تھا نہ کابل تھا نہ اس کے باوجود اپنی شخصیت میں وہ اپنے سارے بھائیوں میں سب سے اعلیٰ تھا۔ اجہا درجہ کا خوبصورت تھا اس بنا پر ذیم اپنے اس بیٹے کو بے حد پسند کرتی تھی۔ دوسری بات اسے پسند کرنے کی یہ بھی تھی کہ وہ سب سے چھوٹا تھا۔ اور اپنے اس چھوٹے بیٹے کو وہ از حد پیار کرتی تھی۔ بہر حال ذیم الزبتھ جب قصر سے لوٹی تو لڑتے ہاتھوں اس الماری کو کھولا جس میں وہ اپنے بیٹے ولیم کو بند کر کے گئی تھی۔ اس نے جیسے ہی الماری کے ہٹ کھولے اس نے دیکھا ولیم الماری کے اندر لاش کی صورت میں پڑا ہوا تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اور اس کے سر کے نیچے اس کی وہ نوٹ بک رکھی تھی جسے وہ اکثر عراب کر دیا کرتا تھا۔ کاپی کے کئی اوراق اس کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے ذیم الزبتھ گر پڑی بے ہوش ہو گئی اور کافی دیر تک وہ اپنے آپ کو بحال نہ کر سکی۔ اس کے دوسرے بیٹوں نے اسے سنبھالا لیکن وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکی۔ اور کافی عرصے تک ہانگوں کی سی حرکتیں کرتی رہی اور وہ اپنے چھوٹے اور معصوم بیٹے کے قتل کی اپنے آپ کو ذمہ دار خیال کرتی رہی۔ دن رات آہیں بھرتی رہتی تھی۔ ذہن سے یہ بات وہ کبھی نہ نکال سکی کہ وہ اپنے ہی بیٹے کی قاتل ہے۔

اکثر و بیشتر جب تک وہ زندہ رہی لوگوں نے دیکھا وہ اپنی چھاتی بیٹی رہتی تھی۔ اپنے بیٹے ولیم کے مرنے کے کافی عرصہ بعد تک وہ اکثر بے ہوش ہو جایا کرتی تھی لیکن اب اس کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ تھا اس لیے کہ ولیم جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی وہ ہمیشہ کے لیے اس سے رخصت ہو چکا تھا۔

روسیوں کی ہولناک جنگ ہوئی۔ تاریک گواہ ہے کہ بارودنیو کی اس جنگ میں ۷ ستمبر ۱۸۱۲ کو ایسی ہولناک جنگ ایسا خوفناک گمراہ ہوا کہ اس جنگ میں لگ بھگ پینتالیس ہزار روسی اور تیس ہزار فرانسیسی سپاہی کام آئے۔ روسیوں کا جرنیل تو تشکوف بھی اس جنگ میں مارا گیا تھا۔

جس وقت یہ جنگ لڑی جا رہی تھی جرنیل تو تشکوف کی بیوی اور اس کے دوسرے اہل خانہ بارودنیو قصبے سے ذرا فاصلے پر ایک سرائے میں قیام کئے ہوئے تھے۔ یہ جنگ چونکہ ۷ ستمبر ۱۸۱۲ء کو شروع ہوئی تھی لہذا ستر کی صبح ہی صبح جس وقت جرنیل تو تشکوف کی بیوی سرائے میں اپنی قیامگاہ میں ابھی تو اسے اپنے کمرے میں عین دن کے وقت سفید رنگ کا ایک ہیولا داخل ہوتا دکھائی دیا۔

وہ پہچان گئی۔ وہ ہیولا اسکے مرے ہوئے باپ کی روح تھی۔ بچلے تو اپنے باپ کی روح کو دیکھ کر تو تشکوف کی بیوی لرز کا پٹھنی گئی تھی سر سے لے کر پاؤں تک اس پر خوف و وحشت طاری ہو گئی تھی۔ بیشک وہ اس کا باپ تھا لیکن وہ یہ جان کر خوفزدہ تھی کہ یہ میرے باپ کی روح ہے اور نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔

جب اسکے دل میں یہ بات پیشی کہ اس کے باپ کی روح اسے نقصان پہنچا سکتی ہے تو تشکوف کی بیوی اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹنے لگی تھی کہ اس کے باپ کی روح اس کے بالکل قریب آئی تو تشکوف کی بیوی مجبور ہو چکی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں ویسے بھی اس نے اپنے باپ کی روح کی حرکات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اس کے باپ کی روح اس کے قریب آئی پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

بہٹی تیری خوشیوں کے دن تمام ہوئے۔ تیرا شوہر بارودنیو کی جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ لہذا تیری شادیوں کے دن گئے جاچکے۔ یہ کہہ کر وہ ہیولا فضاؤں میں دھوئیں کی طرح غائب ہو گیا۔ تو تشکوف کی بیوی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

اسی روز تھوڑی ہی دیر بعد محاذ جنگ سے تو تشکوف کی بیوی کو یہ اطلاع دی گئی کہ اسکا شوہر بارودنیو کی جنگ میں کام آچکا ہے۔

1812ء میں پولین نے روس پر حملہ کیا روس کی ان افواج کا جرنیل جو پولین کا مقابلہ کر رہی تھیں ایک شخص تو تشکوف تھا۔ جنگوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک رات خواب میں تو تشکوف کی بیوی نے دیکھا کہ اس کا مرنا ہوا باپ اس کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ میری بیٹی میری بچی تیرا شوہر بارودنیو کی لڑائی میں مارا جائے گا لہذا تیری خوشیوں کے دن گئے جاچکے ہیں۔ تیری خوشحالی ختم ہوئی۔

یہ خواب دیکھ کر تو تشکوف کی بیوی پریشان ہوئی اور اس نے اپنے اسد خواب کا ذکر اپنے شوہر جرنیل تو تشکوف سے کیا۔ تو تشکوف بھی وقتی طور پر پریشان ہوا پھر اس نے نقشہ منگو اگر سارے محاذ جنگ کا جائزہ لیا۔ جہاں ان دنوں فرانسیسیوں کے ساتھ روسیوں کی جنگیں ہو رہی تھیں۔ سارے محاذ پر اسے کہیں بھی کوئی ایسا شہر اور قصبہ دکھائی نہ دیا۔ جس کا نام بارودنیو ہو اور جہاں اس کے مرنے کے آثار ہوں۔

چند ہی روز بعد ایک انقلاب برپا ہوا اور وہ یہ کہ فرانسیسیوں کے ہاتھوں روسیوں کو بے درے کئی عیشیں اٹھانی پڑیں۔ اور روسیوں کو فرانسیسیوں کے سامنے سے لگاتار پسپائی ہونا شروع ہو گئی۔

ان عیشوں اور پسپائیوں کا روس کی حکومت پر بہت برا اثر پڑا۔ لہذا روسی جرنیلوں نے جن میں تو تشکوف بھی شامل تھا۔ جنگ کا نیا لائحہ عمل تیار کیا تاکہ فرانسیسیوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا جائے۔

لہذا ۷ ستمبر ۱۸۱۲ء کو حملہ آور فرانسیسیوں کے لیے ایک نیا محاذ کھولا گیا تاکہ پہلو کی طرف سے ان پر حملہ کیا جائے اور نہ صرف یہ کہ ان کی پیش قدمی کو روکا جائے بلکہ ان کے پیچھے ہونے کو سببوں اور ان کے ولولوں کو بھی مانند کرتے ہوئے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کیا جائے۔

جس سمت سے یہ نیا محاذ جنگ کھولا جانا تھا یہ چھوٹا سا ایک قصبہ تھا جو ناسم سے ستر میل کے فاصلے پر تھا اور جس کا نام بارودنیو تھا۔ آخر کار روسیوں نے یہ نیا محاذ جنگ کھولا اور اس محاذ پر فرانسیسیوں کے ساتھ

رکھی ہوئی تھی۔ یہ منظر امریکہ کے لاکھوں لوگوں نے دیکھا اور یہ واقعہ اب بھی امریکہ کی تاریخ میں محفوظ ہے۔

لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ پچھلی گاڑی جو روحوں کی گاڑی تھی اس کے ساتھ جو ایک ہی ڈبہ تھا اس میں بہت سے انسانی ڈھانچے بھی حرکت کرتے تھے۔ اور وہ عجیب طرح کا ساز بجاتے تھے۔ جس اسٹیشن پر بھی وہ گاڑی رکی اور جن لوگوں نے بھی ان سازوں کو سنا وہ ان سازوں کو سن کر خوفزدہ ہو کر رہ گئے تھے۔

اور سب سے بڑی بات جس کا لوگوں نے جائزہ لیا اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو امریکہ کی تاریخ میں اب بھی محفوظ ہے وہ یہ کہ پہلے والی گاڑی کے پیچھے روحوں کی سیاہ رنگ کی گاڑی جو اصل لاش والی گاڑی کے پیچھے جا رہی تھی جس اسٹیشن پر بھی کھڑی ہوئی وہاں وہ آٹھ منٹ تک رکتی تھی۔ اس لیے کہ پہلی گاڑی جس میں ابراہام لنکن کی لاش رکھی ہوئی تھی وہ بھی ہر اسٹیشن پر آٹھ ہی منٹ رکتی جا رہی تھی۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اور خوفناک بات یہ تھی کہ جس وقت روحوں کی یہ گاڑی اسٹیشن پر آٹھ منٹ کے لیے رکتی تھی۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ اس آٹھ منٹ کے دوران جس جس اسٹیشن پر وال کلاک لگے ہوئے تھے وہ سب وال کلاک آٹھ منٹ کے لیے چلنا بند کر دیتے تھے۔

یہی نہیں ابراہام لنکن کے مرنے کے بعد اس کی روح کو بہت سے موقعوں پر ہینرہار لوگوں نے دیکھا۔ امریکہ کا وائس باؤس جو وہاں کے صدائے کہانی تھا وہ اس میں اکثر و بیشتر ابراہام لنکن کی روح کو دیکھا گیا اور اس روح کو امریکہ کے کئی سیاستدانوں نے اور بعد میں آنے والے صدور اور دیگر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا

اس سلسلے میں جو سب سے مشہور واقعہ ہے وہ یہ کہ ۱۸۹۹ء میں امریکہ کا صدر ایمرسن امریکہ کے دورے پر روانہ ہونا چاہتا تھا ابراہام لنکن کی موت کے بعد ہیرسن امریکہ کا صدر بننا تھا۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ جان کینی کو حکم دیا کہ وہ دورے پر جانے کے لیے اپنی تیاری کر لے۔ یہ جان کینی اس سے پہلے ابراہام لنکن کا بھی باڈی گارڈ رہ چکا تھا۔

۱۸۹۵ء میں امریکہ کا صدر ابراہام لنکن ایک شخص کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس وقت ابراہام لنکن ایک تھیر میں ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

اس وقت ابراہام لنکن کو مارا گیا تو ابراہام لنکن کی لاش کو ایک گاڑی کے ڈبے میں رکھا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس گاڑی کو ابراہام لنکن کی لاش سمیت چند بڑے بڑے شہروں میں گھمایا جاسکے تاکہ لوگ اپنے ہر دلچیز صدر کو خراج تحسین پیش کر سکیں۔

جب یہ گاڑی روانہ ہوئی تو جس جس اسٹیشن سے یہ گاڑی گزرتی تھی اس کے پیچھے پیچھے سیاہ رنگ کی ایک اور گاڑی گزرتی تھی۔

پیچھے والی گاڑی کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ وہ روحوں کی گاڑی تھی اس کے آگے آگے سیاہ رنگ کا انجن تھا۔ گاڑی میں ایک ہی ڈبہ تھا اور وہ بھی سیاہ رنگ کا تھا وہ گاڑی بھی صرف ان اسٹیشنوں پر رکتی تھی۔ جہاں آگے والی گاڑی رکتی تھی۔ جس میں ابراہام لنکن کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

روحوں کی یہ گاڑی ہر اس اسٹیشن سے گزرتی ہر اس اسٹیشن پر رکی جہاں ابراہام لنکن کی لاش والی گاڑی رکی تھی۔

بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ جس طرح آگے والی گاڑی میں ابراہام لنکن کا لاش رکھی ہوئی تھی۔ ایسے ہی پچھلی گاڑی کے سیاہ ڈبے میں بھی ابراہام لنکن کی لاش

استعمال میں وائٹ ہاؤس کے اسی بیڈ روم کو لائیکا جس کمرے میں ابراہام لنکن آرام کیا کرتا تھا۔

اس مقصد کے لیے اس نے وائٹ ہاؤس کی ملازمہ میری ایٹن کو حکم دیا کہ وہ چند ملازموں کو اپنے ساتھ لے جائے اور اس کمرے کی حفاظتی سہرائی اور سجاوٹ کا کام سرانجام دے جو کبھی ابراہام لنکن کے استعمال میں ہوا کرتا تھا۔ لہذا میری چند دیگر ملازموں کے ساتھ اس کمرے کی طرف گئی جس میں کبھی ابراہام لنکن آرام کیا کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پریزیڈنٹ روز ویلٹ کے لیے اس کمرے کو تیار کر دے۔

میری اور دیگر ملازموں کو گئے ہوئے ابھی تھوڑی سی دیر ہوئی تھی کہ سب چھپنے چلائے واپس لوٹے۔ وائٹ ہاؤس کے حکام کو جب اس حادثے کی خبر ہوئی تو انہوں نے وجہ پوچھی۔ اس پر میری کہنے لگی کہ اس کمرے میں ایک چونکا دینے والا اور خوفزدہ کر دینے والا منظر ہے۔ اس پر چند محافظ اس کے ساتھ دوبارہ اس کمرے کی طرف گئے جو یہی وہ اس کمرے میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا ابراہام لنکن کی روح اس کمرے میں ایک نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سیاہ رنگ کا لمبا کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اور اپنے جوتوں کے تسمے کس رہی تھی۔

محافظ اور دوسرے لوگ اس منظر کو برداشت نہ کر سکے اور خوفزدہ ہو کر واپس بھاگے۔ پھر ان کے ساتھ کچھ دیگر لوگ گئے اس کمرے کے دروازے پر جب پہنچے تو ان کے دیکھنے ہی دیکھتے ہوؤں کے تسمے کسنے کے بعد ابراہام لنکن کی روح فضاؤں میں دھوئیں کی طرح تحلیل ہو گئی تھی۔

اس حادثے کے بعد امریکہ کے صدر فرینکلن روز ویلٹ نے ابراہام لنکن کی خواہش کو استعمال کرنے سے گریز کیا تھا۔ اور جب تک وہ امریکہ کا صدر رہا اس نے کبھی بھی ابراہام لنکن کے اس کمرے کو استعمال نہیں ہونے دیا۔

امریکہ کے صدر فرینکلن روز ویلٹ نے ایک بار امریکی ریڈیو پر اپنا بیان دیتے ہوئے کہ ایک روز وہ اپنے کمرے میں تفکرات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ابراہام لنکن کی روح ایک تصویر کے پیچھے سے نمودار ہوئی اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ آرام سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک الماری کے اندر داخل ہو گئی تھی۔

امریکہ کے صدر ہیرسن کے ساتھ جانے کے لیے جان کینی وائٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں اپنے ریوالور کو صاف کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا ایک شخص اس سے پیچھے آن کر رہا تھا۔

اس نے سمجھا شاید صدر ہیرسن نے اسے بلانے کے لیے کسی کو روانہ کیا ہو، لہذا وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ جو کوئی اس کے پیچھے کھڑا تھا اس کی طرف اس کوئی خاص توجہ اور دھیان نہ دیتا تھا۔

پر اچانک اسے شک ہوا اس نے جب مڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے امریکہ کے مرنے والے صدر ابراہام لنکن کی روح کھڑی تھی۔ کہتے ہیں ابراہام لنکن کی روح کچھ ابرو طرح کینی کو دیکھتی رہی جیسے وہ اسے اپنی بے وقت موت کا ذمہ دار سمجھ رہی ہو۔ یہ جان کینی نے مڑ کر جب ابراہام لنکن کو مخاطب کرنا چاہا تو اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ابراہام لنکن کی روح اس کمرے کی دیوار کے اندر سما گئی تھی۔

اس کے بعد ۱۸۹۳ء میں انیہا ہوا کہ ابراہام لنکن کی روح کو دیکھ دیکھ کر کئی پانگل سا ہو گیا تھا۔ اسنے اپنی زندگی میں لگ بھگ تینتیس بار ابراہام لنکن کی روح کو وائٹ ہاؤس کی مختلف راہداریوں اور کمروں میں دیکھا۔ جب کبھی بھی کینی اور ابراہام لنکن کی روح کا آتما سامنا ہوتا تو کینی محسوس کرتا کہ ابراہام لنکن اسے ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا ہو جیسے وہ اپنی بے وقت موت کا ذمہ دار کینی کو خیال کرتا ہو۔ اس لیے کہ کینی ابراہام لنکن کا محافظ تھا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس کی غفلت کی وجہ سے تصحیبا میں ابراہام لنکن حملہ آوروں کے حملے کا شکار ہو گیا ہو۔

بہر حال ۱۸۹۳ء میں آخری بار ابراہام لنکن کی روح کو کینی نے دیکھا تو اس نے انتہائی عاجزی و انتہائی انکساری سے روح سے گزارش کی کہ وہ اس کا چھٹا چھوڑ دے ورنہ وہ پانگل اور محسوس ہو جائے گا۔ کہتے ہیں اس کے بعد ابراہام لنکن کی روح کم از کم اپنے محافظ کینی کے سامنے نہیں آئی۔

ہاں کینی کے علاوہ بشمار مواقع پر ابراہام لنکن کی روح امریکہ کے صدور اور دوسرے سیاستدانوں نے دیکھی۔

۱۹۳۳ء میں امریکہ کے صدر فرینکلن روز ویلٹ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ

ملکہ نے خیال کیا کہ شاید اس کے لیے کوئی انتہائی اہم پیغام ہو گا جو اسے ترسیل کیا جانا ہے۔ لہذا وہ انھی اور بڑی بیباکی سے اس نے دروازہ کھول دیا۔ ملکہ نے جب ادھی رات کے وقت ابراہام لنکن کی روح کو اپنے دروازے پر کھڑے دیکھا تو وہ اپنے حواس کھو بیٹھی غش کھا کر کمرے کی قالین پر گر گئی تھی۔ اس دوران ابراہام لنکن کی روح غائب ہو گئی تھی۔

ایم جی امریکہ کے صدر ٹرومین کے دور حکومت میں بتایا گیا تھا۔ اس ٹرومین نے بھی کئی بار ابراہام لنکن کی روح کو دانت ہاؤس میں دیکھا ٹرومین نے ایک بار اخبار نویسوں کو بیان دیتے ہوئے اس بات کا انکشاف کیا کہ اس نے کئی بار ابراہام لنکن کی روح کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے علاوہ امریکہ کے صدر آئزین ہاور نے بھی کئی بار ابراہام لنکن کی روح کو ایک کمرے سے دوسرے کمرے ایک لان سے دوسرے لان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ لیکن آئزین ہاور ایک فوجی جرنیل تھا بڑے سخت اعصاب کا مالک تھا لہذا اس نے اس روح کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

جس وقت جنگ عظیم دوم شروع ہوئی اور جاپان کے شہروں، سریشیا اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے گئے تو کہتے ہیں ان دنوں دانت ہاؤس میں ابراہام لنکن کی روح کو نگار ایک طرح سے ہر روز دیکھا گیا۔ ان دنوں ابراہام لنکن کی روح بٹلے کی نسبت زیادہ فکر مند لگتی اور اداس تھی۔ امریکہ کے صدر کینیڈی نے اپنی موت سے چند ماہ پہلے ابراہام لنکن کی روح کو دیکھا اس کے چند ہی دن بعد وہ اپنی موت سے ہمتار ہو گیا۔

اس کے بعد ایک بار پھر بریڈیٹ روڈ ویلٹ نے ابراہام لنکن کی روح کو دیکھا۔ یہ مختلف کروش سے گھومتی ہوئی ایک بڑے ہال میں داخل ہوئی تھی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نگاہوں سے اوتھل ہو گئی تھی۔ روز ویلٹ کا کہنا تھا کہ یہ منظر اس نے وائس ہاؤس میں کئی بار دیکھا۔

ریڈیو پر بریڈیٹ روڈ ویلٹ نے یہ بھی بیان دیا کہ ابراہام لنکن کی روح عدا طور پر بڑی سنجیدہ بڑی خاموش اور بڑی تہذیب یافتہ ہوا کرتی تھی۔ جس طرح ابراہام لنکن کی شخصیت بڑی متاثر کرنے والی تھی۔ ایسے ہی روح کی شخصیت بھی ابراہام لنکن جیسی بڑی موثر تھی۔ اس کے ساتھ ہی روز ویلٹ کا یہ بھی کہنا تھا کہ ابراہام لنکن کی روح تمام کسی وجہ سے انتہائی افسردہ اور اداس دیکھی گئی۔ بریڈیٹ روڈ ویلٹ 1945ء میں راز دارانہ طور پر موت کا شکار ہو گیا۔ اپنی موت سے چند لمحے پہلے اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے بریڈیٹ روڈ ویلٹ ابراہام لنکن کی روح کو دوبار ادھر ادھر جاتے ہوئے دیکھا۔

دانت ہاؤس میں عموماً ابراہام لنکن کی روح کو اپریل کے مہینے میں دیکھا جاتا تھا اس لیے کہ اسی مہینے میں ابراہام لنکن تختہ زمین ڈرامہ دیکھ رہا تھا کہ اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔

ایک بار برطانیہ کا وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل برطانیہ سے امریکہ گیا۔ دانت ہاؤس میں قیام کرنے کے لیے اسے وہی کمرہ دیا گیا جس میں ابراہام لنکن قیام کیا کرتا تھا۔ آدھی رات کے وقت ونسٹن چرچل شخصیں مارا ہوا اس کمرے سے باہر بھاگا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے دانت ہاؤس کے محافظوں کو بتایا کہ وہ اس کمرے میں قیام کئے ہوئے تھا کہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ابراہام لنکن کی روح اس کی طرف آئی قبل اس کے کہ وہ روح اپنے کسی رد عمل کا اظہار کرتی وہ بستر سے اٹھ کر باہر بھاگا آیا۔

ایک بار نیو یارک کی ملکہ ویلٹ جینا امریکہ کے دورے پر گئی اس کی بد قسمتی سے اسے بھی اسی کمرے میں ٹھہرایا گیا جو کبھی ابراہام لنکن کا کمرہ ہوا کرتا تھا۔ آدھی رات کے قریب کسی نے اس کمرے کے دروازے پر دستک دی جس میں ملکہ ٹھہری ہوئی تھی۔

لوگوں کی ہو کر رہ گئی ہو۔ ہر سمت سونے ساحل کے مناظر جیسی چپ اور وقت کی گھبر کے نامکمل اندوخال جیسی خاموشی تھی۔ پھر چپ کے اس جنگلی میں وقت کی اس لعلت۔ چاندنی اور اندھیرے میں نہانی ان ساعتوں میں باہر باغیچے کی طرف دیکھتے آئے لارڈ ڈفرن دنگ رہ گیا تھا۔ ایک بار اس کے پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی تھی لیکن اسے کچھ نہیں ہوا۔ دیکھا کہ ایک خوب دراز قد بھاری بھر کم شخص اپنی پیٹھ پر لہی کا ایک بہت بڑا تابوت اٹھائے حویلی کے صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

یہ صورتحال لارڈ ڈفرن کے لیے بڑی ناقابل برداشت تھی۔ جیسے کہ پہلے بیان کیا ہے کہ لارڈ ڈفرن اچھائی قسم کا دلیر اور پر عزم شخص تھا۔ پہلے سننے کرے کے اندر نہ کھڑے ہو کر لٹکارا۔ کون ہے۔ یہ تم کیا اٹھائے ہوئے ہو اور کیا چیز حویلی سے باہر لے جانا چاہتے ہو۔

لارڈ ڈفرن کے ان سوالوں اور اس کی اس پکار کا کوئی جواب نہ ملا تب لارڈ ڈفرن نے اسے کوڈ کر بھاگا تھوڑی دیر بھاگ کر اس نے اپنے اور تابوت اٹھانے والے کے درمیان فاصلے کو کم کیا۔ اس کے بعد دوبارہ اس نے کوڈ کرکٹ ہوئی آواز میں پوچھا۔ تم ان ہو اور تم نے اپنی پیٹھ پر یہ کیا اٹھا رکھا ہے۔

جہاں تک کہتے کہتے لارڈ ڈفرن کو خاموش ہو جانا پڑا اس کے حواس مجھد ہو گئے۔ ان اس کی رنگوں میں مجھد ہوتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایسے ہو گئے جیسے اسے کسی نے جہنم کے سامنے لٹکھڑایا ہو۔ اس لیے کہ اس نے دیکھا۔

جو شخص تابوت اٹھائے ہوئے تھا اس نے مڑ کر لارڈ ڈفرن کی طرف دیکھا۔ لارڈ ڈفرن دنگ رہ گیا۔ وہ پیڑوں کا ایک ڈھانچہ تھا۔ اس کے چہرے اور جسم پر جو لہری بہت جلد تھی وہ بالکل خشک اور سوکھے ہوئے چمڑے کی مانند تھی۔ ایسا محسوس ہوا تھا۔ جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے کسی انسانی ڈھانچے پر چمڑا بڑھا کر سی ڈال دیا گیا ہو۔

اس مافوق الفطرت مخلوق پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے لارڈ ڈفرن کے پاؤں تلے زمین نکل گئی تھی۔ اور اس پر سرسے لے کر پاؤں تک خوف ہی خوف طاری ہو گیا۔ ہر جلد ہی لارڈ ڈفرن نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اس نے اپنی ساری قوت مدافعت کوئی اور شجاعت جمع کی اس کے بعد دوبارہ سننے کوڈ کرکٹ ہوئی آواز میں اس مافوق

یہ 1889ء کا واقعہ ہے کہ فرانس میں انگلستان کا سفیر لارڈ ڈفرن ان دنوں آئرلینڈ میں اپنے ایک دوست کے یہاں چھٹیاں گزار رہا تھا۔ جہاں سے بتایا جانا چاہیے کہ لارڈ ڈفرن اچھا درجہ کا دلیر شجاع اور پیماک انسان تھا۔ جوان اور اولیٰ العزم تھا۔ کہتے ہیں ایک رات جبکہ وہ اپنے دوست کے یہاں آئرلینڈ میں گہری نیند سویا ہوا تھا اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا۔ اس خواب کی وجہ سے اس کی نیند اچاٹ ہو گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دوبارہ اس نے سونے کی کوشش کی لیکن خواب کے اثرات نے اسے ایسا پریشان کیا۔ وہ سو نہ سکا ایک بار پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے پلنگ پر بیٹھ کر اس خواب کے اثرات کو رفع کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر ایک دم پلنگ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس لیے کہ اسے اس کمرے سے باہر کچھ کھٹکا سنائی دیا تھا۔ جس میں وہ نیندا ہوا تھا۔ اپنے بستر سے اٹھ کر وہ کمرے کی اس کھڑکی کے پاس آیا۔ جو عمارت کے بیرونی لان اور باغ کی طرف کھلتی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسے کس کے کھٹکے کی آواز سنائی دی ہے لیکن کوئی چیز اسے دکھائی نہ دی۔

کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے لارڈ ڈفرن نے دیکھا چاروں طرف چاندنی رات میں جسموں کی فصلیوں پر کھٹکی ڈھانچا شبنم کی پھوار پڑ رہی تھی۔ چاروں طرف ایسی اداسی اور افسردگی کی رت تھی جیسے صدیوں کی دلیہ پر ہر شے ہر شے کی ساخت ہر شے

لے گیا۔

اس شخص کو دیکھنے کے بعد لارڈ ڈفرن کے ذہن میں آئیر لینڈ کی اس رات کی ساری تصویر کشی پھیل گئی۔ اس کے ذہن میں وہ بوسیدہ چمڑا چھانچہ پھیل گیا جو اس رات ایک بہت بڑا ثبوت اٹھائے ہوئے تھا اور پھر ثبوت سمیت وہ سائے کی طرح اس کے جسم کے اندر سے گزر گیا تھا۔ لارڈ ڈفرن ابھی ان ہی سوچوں میں غرق تھا کہ ہوٹل میں ایک زور دار دھماکہ ہوا اور چاروں طرف شور و غل پھیل گیا۔

ساتھ ہی ساتھ پورے ہوٹل کے اندر آہ و زاری کا ایک سماں برپا ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد لارڈ ڈفرن اس کے ساتھی اور محافظ کو بتایا گیا کہ جس وقت لفٹ بائجریں منزل پر گئی تھی تو اچانک نامعلوم وجہ سے اس کے تار ٹوٹ گئے اور پوری کی پوری لفٹ جو اس وقت لوگوں سے بھری ہوئی تھی وہ زمین پر گر گئی تھی اور جس قدر لوگ اس میں سوار تھے وہ مر گئے تھے۔

آخر لفٹ میں ہلاک ہونے والوں کو نکالا گیا۔ لارڈ ڈفرن اپنے سکریٹری اور محافظ کے ساتھ سارا سماں دیکھ رہا تھا۔ آخر کار ایک ایک کر کے لفٹ کے اندر سے ساری لاشیں نکال دی گئیں۔ لارڈ ڈفرن نے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس شخص کی لفٹ سے لاش نہیں نکلی تھی جو لفٹ لے کر اوپر گیا تھا۔ اس پر لارڈ ڈفرن نے ہوٹل کی انتظامیہ سے رابطہ قائم کیا اور ان سے پوچھا کہ آج انکشاف میں کون تھا۔

ہوٹل کی انتظامیہ نے جو جواب دیا اس سے لارڈ ڈفرن کے اوسان اور خطا ہو گئے تھے۔ ہوٹل کی انتظامیہ نے لارڈ ڈفرن کو بتایا کہ ان کا لفٹ میں اس روز چھٹی پر تھا۔ اور لوگ خود ہی لفٹ کو نیچے اوپر لے جا رہے تھے۔

لارڈ ڈفرن نے پیرس کے حکام سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اور اس حادثے کو فرانس میں اپنی نوعیت کا ایک عجیب و غریب واقعہ قرار دیا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر برٹش سوسائٹی آف فزیکل ریفریج کی ریفرنس بک میں بھی کیا گیا۔ اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ یہ اپنی نوعیت کا ایک ایسا واقعہ ہے جو ہنڈ راز میں پڑا ہوا ہے۔ اور اسے افشاں نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کوئی درجہ تھی جس نے دو بگ آئیر لینڈ اور فرانس کے گرانڈ ہوٹل میں لارڈ ڈفرن کو اپنا آپ دیکھا تھا۔ بہر حال یہ حادثہ ابھی تک

الفطرت مخلوق کو مخاطب کیا۔

تم کون ہو اور رات کے اس وقت اس ثبوت کو تم کہاں لے جا رہے ہو لارڈ ڈفرن کے ان الفاظ کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مڑا اور جس کا کوئی چیز ہوا اس میں ترقی ہے اس طرح چلتے ہوئے وہ لارڈ ڈفرن کی طرف بڑھا۔ لارڈ ڈفرن اپنی جگہ جم کر سم کھڑا ہوا پھر اس کے دیکھنے ہی وہ ڈھانچہ جو ہوا کا ایک جھونکا محسوس تھا۔ لارڈ ڈفرن کے جسم کے اندر سے گزر گیا۔

اگلے روز لارڈ ڈفرن نے اس حادثے کا ذکر اپنے دوستوں سے کیا۔ اس میں اس نے چند ماہرین سے بھی مشورہ طلب کیا۔ اور جو لوگ خوابوں کے ماہر تھے کے سلسلے بھی یہ معاملہ پیش کیا۔ لیکن کوئی لارڈ ڈفرن کو اطمینان اور تسلی کا جواب نہ دے سکا۔

آہستہ آہستہ لارڈ ڈفرن بھی اس حادثے کو بھل گیا یہاں تک کہ اس وہ چار سال کا عرصہ گزر گیا۔ آئیر لینڈ میں چند ماہ گزارنے کے بعد لارڈ ڈفرن پیرس و چلا گیا۔

چار سال بعد لارڈ ڈفرن ایک روز ایک دعوت میں شرکت کے لیے پیرس گرانڈ ہوٹل گیا۔ اس موقع پر لارڈ ڈفرن کا محافظ اور اسکا سکریٹری بھی اسکے ہمراہ۔ گرانڈ ہوٹل کی دوسری منزل پر جانے کے لیے جب لارڈ ڈفرن لفٹ کے پاس آیا تو کے قدم مجھ ہو کر رہ گئے تھے۔ اس وقت لفٹ کے اندر وہی شخص کھڑا تھا جسے کے وقت لارڈ ڈفرن نے اپنے دوست کے یہاں ثبوت اٹھائے دیکھا تھا۔ اس نے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اور جس وقت لارڈ ڈفرن لفٹ کے پاس گیا تھا تو اس تھوڑی دیر کے لیے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر لارڈ ڈفرن کو اپنے چہرے کی دیکھا۔ دکھائی اس کے بعد اپنے چہرے پر پھر نقاب ڈال لیا تھا۔ لفٹ کی طرف بڑھتے بڑھتے ڈفرن کے قدم رک گئے تھے۔

یہ سارا واقعہ ہلک جھپکتے میں گزر گیا تھا۔ کسی اور نے لفٹ کے اندر کہ اس شخص کو نہیں دیکھا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے لفٹ مہمانوں سے بھر گئی۔ اور مافوق الفطرت شخص نے لارڈ ڈفرن کو اپنی شکل کی جھلک دکھائی تھی وہ لفٹ آ

ایک ایسا راز ہے جس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

ایسا ہی ایک حادثہ اٹلی میں بھی ہوا جس پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور وہ راز بھی راز ہی ہے اور اس راز کو اب تک نہ کوئی افشاں کر سکا ہے اور نہ اس راز سے کوئی پردہ اٹھا سکا ہے۔

اٹلی کے یوسیلڈ نام کے علاقے میں کچھ کنڈرات ہیں۔ یہ کنڈرات کسی بہت بڑے قلعے کے ہیں۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ اس جگہ کسی دور میں ایک بہت بڑا اور انتہائی خوبصورت اور عجائب پر مبنی قلعہ ہوا کرتا تھا اور اسے اٹلی کے حکمرانوں نے برباد کر دیا تھا۔ اب وہ کنڈرات وہ دیرانے اس بڑے قلعے کی موجودگی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اٹلی کے لوگوں کا اور جن لوگوں نے اس جگہ کو دیکھا اور ان سیاحوں کا کہنا ہے جو ان کنڈرات تک گئے کہ یہ کنڈرات اکثر و بیشتر ایک جیسے جگہ قلعے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ کنڈرات قلعے کی صورت اس وقت اختیار کرتے ہیں جب سورج طلوع ہو رہا ہو اس کی روشنی پھیل رہی ہو یا سورج غروب ہو رہا ہو اس کی روشنی سمٹ رہی ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور وقت یہ کنڈرات صبح سالم قلعے کی صورت اختیار نہیں کرتے۔

لوگوں نے بڑے غور سے ان کنڈرات کا جائزہ لیا۔ بڑی باقاعدگی کے ساتھ یہ صبح و شام ایک صحیح سالم قلعے کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اس کے بعد جلد ہی یہ کنڈرات نظر آنے لگتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سائنس کے عجوبوں کا کمال ہے اور ان کنڈرات کو یا اس قلعے کو کچھ اس طرح تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی قلعے پر پڑتی ہے یا ان کنڈرات پر پڑتی ہے تو وہ ایک صحیح سالم قلعہ دکھائی دیتا ہے اور آگے بچھے اس کی شکل و صورت کنڈرات کی سی دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح جب سورج غروب ہونے لگتا ہے اور اس کی کرنیں سرخ ہو کر کنڈرات پر پڑتی ہیں تو پھر بھی وہ ایک صحیح سالم قلعہ دکھائی دیتا ہے اور آگے بچھے وہ پھر کنڈرات نظر آتا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ان کنڈرات اور قلعے میں کوئی تعبیر کا کمال نہیں ہے نہ اس میں کوئی سائنسی راز ہے۔ زیادہ تر لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ان

ہے اور اسنے تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد جب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو پہرہ جو اس نے اودن کے دروازے کے پیچھے دیکھا تھا۔ اور اسے جھانک رہا تھا۔ اور اس سے کچھ کہہ رہا تھا وہ اب ہاں نہیں تھا۔ کم ہو چکا تھا۔ جو پہلی وہ آگے بڑھی اودن کا دروازہ اس نے کھولا ٹرے دن سے نکالیں جب وہ اسٹور سے نکلی تو اس نے دیکھا کہ اودن کے دروازے کے پیچھے سے پھر کوئی جھانک رہا تھا۔ اس کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ اور وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا ایڑہوسٹس اسے سمجھ نہ سکی تھی۔ اس لیے کہ اس برداشت اور خوف موار تھا۔ اس کے ساتھ پہلے کبھی ایسا معاملہ پیش نہ آیا تھا۔

اسی بنا پر وہ بھاگی بھاگی باہر نکلی اور فلائٹ انجینئر موار کے پاس آئی۔ اور جو لمبے اسٹور میں اس کے ساتھ پیش آیا تھا وہ بیان کیا۔ موار ایڑہوسٹس کے ساتھ اسٹور میں آیا۔ وہ پہرہ جو اودن کے پیچھے سے جھانک رہا تھا وہ ابھی تک وہاں موجود تھا۔ اس کے ہونٹ بل رہے تھے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا دونوں کو ایسا اشارہ کر رہا تھا گویا وہ کہہ رہا ہو کہ میرے نزدیک آؤ میں تمہارے ہی پہلے کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ اس پر فلائٹ انجینئر موار جب قریب ہوا تو دنگ رہ گیا۔ وہ اس پہرے کو پہچان گیا وہ پہرہ ایک سابق فلائٹ انجینئر ڈان ریپو کا تھا۔ اور اس کے ساتھ خود موار بھی کام کرتا رہا تھا۔ وہ اس کا میٹر انجینئر تھا۔ جس وقت موار قریب ہوا تو ڈان ریپو کا پہرہ جو ایک طرح سے ڈان ریپو کی روح تھی پہلے کی نسبت کسی قدر بلند آواز میں کہنے لگی۔

معاذ دو۔ تمہارے طیارے کے ایک انجن میں آگ لگ رہی ہے۔

یہ کہتی ہے سابق فلائٹ انجینئر ڈان ریپو کی وہ روح غائب ہو گئی۔ موار چونکہ پہچان کر چکا تھا کہ وہ ڈان ریپو کی روح ہے لہذا جو کچھ اس نے کہا تھا اس سے اس نے جھار کے عمل کو لگاوا کیا۔ پہلے تو سارے عمل نے ایڑہوسٹس سے اور فلائٹ انجینئر موار کو مذاق اڑایا اور انہیں کہنے لگے کہ تم دن کے وقت خواب دیکھنے لگے ہو۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد انہیں جہاز کے انجن میں کچھ گڑبھ محسوس ہوئی تب انہوں نے جہاز کو فوراً موار اور اسے ٹورڈ بٹلے جانے کے بجائے نیویارک لے گئے۔

نیویارک کے ایئر پورٹ پر جب یہ طیارہ اترا تو حکام نے اس کا جائزہ لینے کا حکم

یہ حال ہی کا واقعہ ہے ایئرٹرن ایر لائنز کمپنی امریکہ کا ایک ٹرائی اسٹار طیارہ نمبر 318 نیویارک کے ایئر پورٹ سے 180 مسافروں کو لے کر اڑا تھا۔ اس کی میٹر نیویارک سے فلوریڈا کی طرف تھی۔ اس میں زیادہ لوگ وہ سوار تھے جو فلوریڈا چاہا بینک منانا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ علاقہ اپنی تھیں لیوں کی وجہ سے جہد مشہور۔

اس ٹرائی اسٹار 318 طیارے کی ایڑہوسٹس اس وقت ایک لڑکی مری و تھی۔ جس وقت جہاز فضاؤں میں پرداز کر گیا اور پرداز بالکل ہموار ہو گئی۔ ایڑہوسٹس اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور اسٹور کی طرف گئی تاکہ مسافروں کو ناشتہ بنا دیا جائے۔

اس نے اپنا ہاتھ اس اودن کی طرف بڑھایا جس میں کھانے کی ٹرے رہتی تھیں۔ تاکہ وہ گرم رہیں جو پہلی وہ اس اودن کے دروازے پر آئی اس کے منہ پہنچنے لگے نکلے رہ گئی۔ تاہم خوف اور وحشت سے وہ طیارے کی پچھلی سائیڈ سے جانک تھی۔

میری نے دیکھا کہ اودن کے دروازے کے پیچھے سے ایک شخص اسے جھانک رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بل رہے تھے وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن میری پر ایسی وحشت خوف طاری تھا کہ وہ کچھ سن نہ سکی۔ اس نے یہ خیال کیا کہ یہ حقیقت میں اس کا

ایئر لائنز کا وائس پریذیڈنٹ 1973ء میں ٹرائی اسٹار 318 کی پہلی پرواز میں سفر کر رہا تھا۔ یہ وہی طیارہ تھا جس میں ٹرائی اسٹار 101 کے کچھ حصے نصب کئے گئے تھے۔ جہاز جس وقت فضا میں نمودار ہوا تھا تو ایئر لائنز کے وائس پریذیڈنٹ کی ساتھ والی نشست بالکل خالی پڑی ہوئی تھی۔ پھر وائس پریذیڈنٹ نے دیکھا کہ ایک شخص جو ایئر لائنز کے کپتان کی وردی پہنے ہوئے تھا وہ اسکی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ وائس پریذیڈنٹ نے سمجھا کہ شاید وہ غلطے کا فروپے اور آکر بیٹھ گیا ہے۔ لہذا اپنا منہ آگے ہی رکھے وہ اس کے ساتھ بات چیت کرنے لگا۔ جہاز سے متعلق سوال کرنے لگا۔ آنے والا وہ کپتان بھی واپس پریذیڈنٹ کے سوالات کا بڑا عمدہ طریقے سے جواب دیتا رہا۔

اس کپتان کی گفتگو سے واپس پریذیڈنٹ بہت متاثر ہوا۔ اور جب مڑ کر اس نے اسکی طرف دیکھا تو وہ دنگ رہ گیا۔ اس لیے کہ اس کے پیچھے ٹرائی اسٹار 101 میں مرنے والے کپتان باب لافٹ کی روح ایئر لائنز کی پوری یونیفارم پہنے بیٹھے ہوئی تھی۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے وائس پریذیڈنٹ چونک سا پڑا۔ اور ایک دم اس کی زبان سے نکل گیا۔

یہ کیسے اور کس طرح ممکن ہے؟

اس صورتحال نے ایئر لائنز کے وائس پریذیڈنٹ کو پریشان کر دیا۔ لہذا اپنی جگہ سے اٹھ اٹھا کاک پٹ کی طرف گیا اور اس کے غلطے کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس پر جہاز کا کچھ عہدہ وائس پریذیڈنٹ کے ساتھ اس نشست کی طرف آیا جہاں سے انھہ کہ وائس پریذیڈنٹ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ باب لافٹ کی روح وہاں سے جا چکی تھی۔

اس کے بعد ایک اور موقع پر جس وقت ٹرائی اسٹار 318 کا انجینئر موآر اس فرض سے کاک پٹ میں داخل ہوا کہ دیکھے کہ جاز کی ہر شے معمول کے مطابق کام کر رہی ہے۔ تو اس نے دیکھا کہ جس سیٹ پر بیٹھ کر اس نے جائزہ لیتا تھا اس سیٹ پر بیٹھ ہی ڈان ریپو جو ٹرائی اسٹار 101 کا انجینئر تھا وہ بیٹھا تھا وہ اسکی روح تھی۔ جو ایئر لائنز کی یونیفارم پہنے ہوئے تھی۔ اور وہ سارے انٹرویو منٹ چیک کر رہی

دیا۔ جب اس جہاز کا جائزہ لیا گیا تو واقعی اس کے انجن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ کارنگروں کا یہ بھی کہتا تھا کہ اگر یہ طیارہ مزید تھوڑی دیر تک فضا میں پرواز کرتا تو انجن بھٹک سے اڑ کر طیارے سے علیحدہ ہو جاتا اور جس قدر مسافر اس میں سوار ان میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ بہر حال نیویارک میں اس طیارے کی مرمت کی گئی۔ انجن میں آگ لگی تھی اسے ٹھیک کر دیا گیا اس کے بعد پھر یہ طیارہ فضاؤں میں پرواز ہوا۔

دراصل ڈان ریپو جس کی روح ٹرائی اسٹار 318 کے اوون کے دروازے پر کھینچا ہوا ہوئی تھی وہ ٹرائی اسٹار 101 کا فلائٹ انجینئر ہوا کرتا تھا اس کے ساتھ دنوں جہاز کا پائلٹ باب لافٹ ہوا کرتا تھا۔ 1972ء میں جس وقت ڈان ریپو پائلٹ باب لافٹ 97ء مسافروں کے ساتھ ٹرائی 101 طیارے میں سفر کر رہے یہ طیارہ کسی انتہائی نقص کی وجہ سے فضاؤں میں تباہ ہو گیا جسکے نتیجے میں نہ صرف کہ ڈان ریپو اور باب لافٹ پائلٹ مارے گئے بلکہ طیارے کے اندر جہاز کے غلطے علاوہ جو 97 مسافر تھے وہ بھی ختم ہو کر رہ گئے تھے۔

جس وقت 1972ء میں ٹرائی اسٹار 101 حادثے کا شکار ہوا تھا تو اس کے حصے بچ گئے تھے۔ جو ملے نہیں تھے اور تباہ و برباد نہیں ہوئے تھے۔ انہی دنوں اس کی لاک ہینڈ کارپوریشن ٹرائی اسٹار 318 تیار کر رہی تھی۔ لہذا ٹرائی اسٹار 101 سے جسے اچھی حالت میں تھے بچ گئے تھے خراب نہیں ہوئے تھے۔ وہ لاک ہینڈ کارپور نے ٹرائی اسٹار 318 میں فٹ کر دیئے تھے۔ اس ٹرائی اسٹار 318 میں کپن کے اوون بھی ٹرائی اسٹار 101 کا لگا ہوا تھا۔ جس میں فلائٹ انجینئر ڈان ریپو اور باب لافٹ باب لافٹ کام کیا کرتے تھے۔ اور حادثے کا شکار ہو کر مر گئے تھے۔

کپن اور اسٹور کے علاوہ اور بہت سے حصے جو ٹرائی اسٹار 101 کے بچ گئے وہ بھی ٹرائی اسٹار 318 میں لگا دیئے گئے تھے۔ 1972ء میں جب ٹرائی اسٹار 101 ہوا تھا اور اس سے اگلے سال ٹرائی اسٹار 318 کو پرواز کے لیے فضاؤں میں چھوڑا۔ پہلے ہی پرواز میں ٹرائی اسٹار 318 میں روح نے ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ کچھ طرح کہ۔

لیکن ایسٹرن ایئر لائنزوں جہاز کو زمین پر بیکار کھڑا کرنا نہیں چاہتی تھی۔
 گاہے گاہے وہ ٹرائی اسٹار 318 کے کو وہ فضاؤں میں اڑاتے رہے غلے کے لوگ یا کچھ
 جانے پہچانے آدمی اس میں سفر کرتے رہے اس کے بعد ایسا ہوا کہ ٹرائی اسٹار 318
 ڈان ریپو اور باب لافٹ کی روحوں نے آنا بند کر دیا۔ لوگوں کو بھی جب یقین ہو گیا
 کہ اب دونوں کی روحوں ٹرائی اسٹار 318 میں نہیں آئیں تب اس جہاز میں لوگوں
 نے حسب معمول سفر کرنا شروع کر دیا۔

تھی۔ جس وقت موآر وہاں داخل ہوا تو وہ روح اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور فضاؤں
 غائب ہونے سے پہلے اس نے موآر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا فکر مند ہونے کی ضرورت
 نہیں ہے ہر چیز معمول کے مطابق کام کر رہی ہے میں نے ہر چیز چیک کر لی ہے
 ٹھیک ہے۔

ایک اور موقع پر جس وقت ٹرائی اسٹار 318 میسا سے اٹلا تھا سفر
 تھا۔ اس وقت اس میں ایک اور انجینئر تھا لافٹ کے دوران اس نے ارادہ کیا کہ
 دیکھے کہ انسٹرومنٹ معمول کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ موآر کی طرح وہ بھی
 کاک پٹ کی طرف گیا تو اس نے دیکھا کہ نقشہ گاہ پر اس سے پہلے ہی ڈان ریپو کی
 بیٹھی ہوئی تھی۔ جو پوری طرح یو سفارم میں تھی۔ اور جہاز کے انسٹرومنٹ کا
 لے رہی تھی وہ انجینئر جب وہاں داخل ہوا تو ڈان ریپو کی روح اٹھ کھڑی ہو
 جاتے جاتے اس انجینئر سے بھی یہی کہا کہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔
 معمول کے مطابق کام کر رہی ہے۔

جب ٹرائی اسٹار 318 کے ساتھ یہ حادثات پیش آئے تب ایسٹرن ایئر
 نے اس جہاز سے متعلق 1974ء میں کچھ ہدایات جاری کیں۔ ان ہدایات میں
 طور پر غلے کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی بتا دیا گیا تھا کہ اس جہاز میں ٹرائی اسٹار
 کے انجینئر ڈان ریپو اور بانیلف باپ لافٹ کی روح آتی ہیں فکر مند ہونے کی ضرورت
 نہیں ہے۔ یہ روحوں چونکہ نقصان نہیں پہنچاتیں بلکہ جہاز کی دیکھ بھال کرتی
 اس لیے ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ پریشانی کا مظاہرہ کیا جائے۔
 طرح اس جہاز میں مسافر سفر نہیں کریں گے۔

جب یہ ہدایت نامہ جاری کیا گیا تو اس کا برا برا اثر ہوا۔ جو ہدایات جا
 گئیں تھیں وہ عام لوگوں تک بھی پہنچ گئیں لہذا لوگوں نے ٹرائی اسٹار 318 میں
 کرنا بند کر دیا۔ انہیں ڈر اور خدشہ تھا کہ چونکہ اس جہاز میں روحوں کا مسکن
 کسی بھی وقت وہ مسافروں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ یا کوئی کام ان کے مزاج
 مرضی کے خلاف کیا گیا تو وہ ٹرائی اسٹار 318 کی تباہی اور بربادی کا بھی باعث
 سکتی ہیں۔ اس بنا پر لوگوں نے ٹرائی اسٹار 318 میں سفر کرنا بند کر دیا۔

جلاوطنی کی وجہ یہ مدت ختم ہوئی تو آزار یہ کہ پونا حمیرا پہنی ویسٹ انڈیز سے لندن لوٹا اور وہاں سے آتے ہوئے وہ ایک نیگرو غلام کو بھی جو اس کا خدمت گزار تھا اپنے ساتھ لے آیا۔ کہتے ہیں کہ افریقہ کا یہ نیگرو انتہائی شریف اور نیک انسان تھا اور وہ اپنے کام میں بڑا ویسا حذر تھا۔

لندن آکر یہ نیگرو اچانک بیمار ہو گیا تھا۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ اس بیماری سے وہ بچے گا نہیں۔ لہذا اپنی موت سے چند دن پہلے اس نے اپنے مالک سے یہ انتہاس کی کہ جب وہ مر جائے تو اس کی لاش کو افریقہ میں اس کے آبائی گاؤں میں دفن کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

یہ اس کی آخری خواہش تھی اس کے بعد چند ہی دن بعد وہ مر گیا لیکن اس کی آخری خواہش کا کسی نے کوئی احترام نہ کیا۔ اور اسے موت کے بعد برطانیہ ہی میں دفن کر دیا گیا۔

اس نیگرو کی موت کے چند ہی دن بعد خلاف معمول واقعات ہونا شروع ہو گئے۔ کبھی ایسا لگتا کہ سارا محل کھپانا شروع ہو گیا ہو۔ اس محل کے مالک کی جو محل کے نواح میں فصلیں ہوتی تھیں۔ اچانک رات کے وقت وہ بھٹس جایا کرتی تھیں اور اسے ناقابلِ ٹکائی نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے فارم میں محل کے مالک نے جو بانور رکھے ہوئے تھے وہ بھی ایک ایک دو دو کر کے مرنا شروع ہو گئے۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے محل کے مالک یعنی نیگرو غلام کے آٹانے ایک پادری کی خدمات حاصل کیں اور اس سے گزارش کی کہ وہ کچھ مذہبی رسومات ادا کرے تاکہ مرنے والے نیگرو کی روح اور کھوپڑی اس عمارت کے کیٹھنوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اس پادری نے اپنی طرف سے بوری کو کشش کی جس قدر بھن دو کر سکتا تھا اس نے کئے۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ عمارت کے اندر کھوپڑی اسی طرح شور کرتی تھی اور کھوپڑی لوگوں کو دکھائی بھی دیتی تھی۔ کبھی کبھی عمارت کے اندر مرنے والے نیگرو غلام کی روح ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بھی دیکھی جاتی تھی

پادری جب اپنے کام میں ناکام ہو گیا تو اس نے عمارت کے کیٹھنوں کو یہ

انگلستان کی ملکہ این کا محل کبھی راجوں کے مسکن کی حیثیت سے بڑا مشہور و معروف تھا۔ یہ محل انگلستان کے جنوبی حصے میں اب بھی واقع ہے۔ اس سے پہلے یہ محل مارش وڈ والا کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن آج کل اسے چھٹی راجوں کے مسکن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس محل کے اندر کسی مرنے والے شخص کی کھوپڑی رکھی ہوئی ہے۔ جو کوئی بھی اس کھوپڑی کو اٹھا کر باہر پھینکنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ کھوپڑی پھینچنے چلانے لگتی ہے۔ اٹھانے والا خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی بھی اس کھوپڑی کو اٹھاتا ایک سال کے بعد اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔

سب سے پہلے 1872ء میں ہانی کورٹ کے ایک فاضل راج ہے۔ ایس پودیل نے اس محل کے متعلق راجوں کی ایک داستان سنائی۔ اس راج کا کہنا تھا کہ اس محل کے اندر بیسٹ کا نام کے ایک شخص کی کھوپڑی ہے۔ جو کوئی بھی اس کھوپڑی کو اٹھا کر محل سے باہر پھینکنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا اسے اٹھاتا ہے تو وہ کھوپڑی پھینچنے چلانے لگتی ہے۔ اٹھانے والا ایک سال کے اندر اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔

اس کھوپڑی سے متعلق جے بیسٹ کا نام کی کھوپڑی کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات کچھ اسی طرح بیان کی جاتی ہے۔

کہتے ہیں ملکہ این کے بعد اس محل کا وارث ایک شخص آزار یہ بنی تھا۔ جسے غدار کی بنا پر 1685ء میں انگلستان سے ویسٹ انڈیز کی طرف جلا وطن کر دیا گیا تھا

دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کرتا تو کھوپڑی میں سے پتھریں بلند ہونا شروع جاتیں۔ اور جو کوئی بھی اس کھوپڑی کو اٹھاتا ایک سال بعد فوت ہو جاتا۔
اس کے بعد کھوپڑی نے ایک اور مرحلے طے کیا۔ اور یہ کہ کبھی کبھی مسٹر ۷ ہے جو بے گھر میں کھوپڑی آپ سے آپ بیچ و پکار کرنے لگتی تھی۔ جس وقت وہ بیچ پڑ کرتی تھی اس کے ایک سال بعد یقیناً اس گھر کا کوئی نہ کوئی فرد مر جاتا تھا۔
ایک بار آدھی رات کے وقت مسٹر ۷ ہے جو بے گھر میں کھوپڑی کو بیچ و روتے اور حاضریں مارتے ہوئے سنا۔ یہ 1971ء کے شروع کا زمانہ تھا۔ مسٹر ۷ نے سمجھا اسکے ماں باپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ جو کھوپڑی نے بیچ و پکار کی ہے۔ ہو نہ ہو ماں باپ میں سے ایک نہ ایک فرد گر جائے گا۔ لیکن ماں باپ کے بچائے دے ایک سال بعد خود مسٹر ۷ ہے جو اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

○○○

انگلستان کے علاقے یارک شائر میں برٹن ایگنس ہارٹ ملکہ اسمتھ کے دور کی تین تعمیرات کے ایک عمدہ مثال سمجھی جاتی ہے اس محل کی تعمیر 1598ء میں ہندی گرجہ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ سرہندی گرجہ نے بھی اسی عمارت میں قیام کیا تھا۔ سرہندی گرجہ کی ایک بہن بیٹی جو بصورت بیٹی پر کشش تھی اور اس کو اس مارت سے بڑا لگاؤ تھا۔ ایک بار اسی عمارت میں وہ بیمار ہو گئی اور بیماری سے پہلے نائے اپنے باپ سرہندی گرجہ سے یہ وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اس کی لاش اسی عمارت کے احاطے میں دفن کر دیا جائے۔

اس لڑکی کا نام این تھامز واقعہ کی کچھ عرصہ بعد اس کی بد بختی کہ وہ مر گئی۔ جن اس کے ماں باپ اس کے اہل خانہ نے اپنی بیٹی این کی اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ بہترین روایت کے مطابق انہوں نے ایک اور جگہ اپنی بیٹی این کی تدفین کا اہتمام کیا۔

این کے مرنے کے بعد اس عمارت کے اہل خانہ اور آس پاس بسنے والے لوگوں نے دیکھا کہ آدھی رات کے وقت اس عمارت میں عجیب طرح کی بیچ و پکار کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اس عمارت کے کینوں کے علاوہ آس پاس کے لوگوں نے

مشورہ دیا کہ ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ جس ٹیگرو غلام کی آخری خواہش کا انہوں نے احترام نہیں کیا کسی کی وجہ سے یہ سارا خلاف عقل معاملہ جاری ہے لہذا اس نے مشورہ دیا کہ کاتب نام کا جو ٹیگرو غلام تھا جسے اس کی خواہش کے خلاف لندن کی سرزمین میں دفن کر دیا گیا اسکی قبر کو اکھاڑ جائے اور اسے اس کی خواہش کے مطابق اس کے وطن پہنچا کر وہاں اس کی تدفین کا اہتمام کیا جائے۔

آخر باری کے اس مشورے پر عمل کیا گیا 1914ء میں ٹیگرو غلام کی قبر کو کھودا گیا۔ اس کے سر کو جب نکالا گیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا 1914ء میں بھی اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس معاملے نے لوگوں میں ایک طرح کا خوف اور وحشت پھیلا دی تھی۔ بہت سے تحقیق کرنے والوں نے اس معاملے پر خود کیا لیکن وہ یہ نہ جان سکے کہ اتنے عرصے کے بعد بھی کبھی اس کھوپڑی سے خون نکلا پھر حال اس ٹیگرو غلام کی لاش کو لے جا کر اسکے آبائی گاؤں میں اس کی تدفین کا اہتمام کیا گیا۔ تب وہ عمارت روحوں اور کھوپڑیوں کی بیچ و پکار سے محفوظ ہو گئی۔

○○○

فرانس کے ایک پرنسٹن اے ہے جو بے گھر میں ایک کھوپڑی تھی جو اس نے اپنے گھر پر رکھی ہوئی تھی۔ اس پر شاید وہ کوئی دلیر بیچ کرتا تھا۔ اس کا اور جن لوگوں نے اس کھوپڑی کو دیکھا ان کا کہنا تھا کہ وہ کھوپڑی سترہویں صدی کی تھی۔ اس کھوپڑی کا نام مسٹر ۷ ہے جو اور دوسرے لوگوں نے فریڈینڈ رکھ دیا تھا۔

مسٹر ۷ اور اس کے اہل خانہ ان دنوں امریکہ کے صوبے لوئیسیانا میں بسے ہوئے تھے۔ پہلے یہ کھوپڑی بالکل خاموش رہتی تھی اس میں حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ نہ ہی اس کھوپڑی کی روح کو کبھی مسٹر ۷ یا اس کے اہل خانہ نے دیکھا۔ پھر اجانک مسٹر ۷ اور اس کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ اس کھوپڑی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ پہلے تو ان کے گھر میں ایک روح کا آنا جانا ہوا۔ مسٹر ۷ نے خود شہ ظاہر کیا کہ یہ روح اسی کھوپڑی سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لیے کہ روح جب اس گھر میں داخل ہوتی تھی تو اس کھوپڑی کے پاس ٹھہر جاتی تھی گویا روح اپنی کھوپڑی کو دیکھنے آتی تھی۔ اسکے بعد ایسا ہونا شروع ہوا کہ جو کوئی بھی اس کھوپڑی کو ہاتھ لگاتا یا اسے ایک جگہ

کرنا شروع کر دیا تھا جو کوئی بھی اس کھوپڑی کو اس کی جگہ سے ہلاتا وہ بیچ و پکار کرتی اس کے بعد ایسا ہوتا کہ مرتے ہوئے پادری کی روح اس جگہ نمودار ہوتی اور ایسی ایسی حرکات کرتی کہ دیکھنے والے وحشت زدہ اور خوف کے مارے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیتے کچھ عرصہ تک اس کیتھولک خاندان نے اس کھوپڑی کو اپنے پاس رکھا جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کھوپڑی ان کے لیے مسائل کھولے کر رہی ہے تب انہوں نے مرتے والے اس پادری کی کھوپڑی کو ایک دوسری جگہ منتقل کر دیا اور اس کے بعد ان کا گھر اس کھوپڑی کی بیچ و پکار اور پادری کی روح کے آنے سے محفوظ ہو گیا۔

بھی دیکھا کہ بسا اوقات اس عمارت اور اسکے گرد و نواح میں نہ صرف یہ کہ این کی روح گھومتے ہوئے دکھائی دیتی تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ صرف این کی کھوپڑی اس عمارت اور اس کے ارد گرد طواف کرتی دکھائی دیتی تھی۔ اس صورتحال نے اس عمارت کو اور اس پاس کے رہنے والوں میں ایک طرح کا خوف دہراں برپا کر دیا تھا۔ آخر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ چونکہ این نے مرنے سے پہلے یہ آخری خواہش کی تھی کہ اسکی لاش کو عمارت کے احاطے میں دفن کیا جائے اور اس کی آخری خواہش کا چونکہ احترام نہیں کیا گیا لہذا اس کی روح بے چینی میں عمارت اور اس کے ارد گرد جگہوں میں گھومتی رہتی ہے اور اس کی کھوپڑی ظاہر ہوتی ہے اور لوگوں کو ہراساں کرتی ہے۔ جو لوگ اس سلسلے میں تجربہ رکھتے تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ این کی آخری خواہش کا احترام کیا جائے اور جب تک اس کی آخری خواہش کا احترام نہیں کیا جائے گا اس وقت تک عمارت اور اس کے نواح میں این کی روح سرگرداں رہے گی اور اس کی کھوپڑی بھی بیچ و پکار کرتے ہوئے لوگوں کو ہراساں کرتی رہے گی۔

ان حالات کے محنت 1900ء میں این کی قبر کو کھودا گیا اور اس کی لاش کو نکالا گیا لاش اسی عمارت کے احاطے میں دفن کی گئی جس میں دفن کرنے کے لیے این نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ جب ایسا ہو چکا تو پھر نہ کبھی این کی روح اس علاقے میں دکھائی دی نہ کھوپڑی جو شور برپا کرتی تھی۔

○○○

ایک کیتھولک پادری جس کا نام امبروز تھا۔ 1641ء میں زمانہ ہرم میں قتل کر دیا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ہانچسٹر کے چرچ کی چوٹی پر نصب کر دیا گیا تاکہ اس کی یہ سزا دوسروں کے لیے عبرت خیزی اور سبق آموزی کا کام دے کچھ عرصہ تک کلا ہوا ہے سر ہانچسٹر کے چرچ کی چوٹی پر لٹکا رہا وہیں بڑا بڑا خشک ہو گیا اس کے بعد ایک کیتھولک فیملی نے اس کھوپڑی کو حاصل کرنے کی کوشش کی جس میں انہیں کامیابی ہوئی پھر پادری کی وہ کھوپڑی انہوں نے گھر لیجا کر سرحدوں کے قریب ایک بلند جگہ بڑی عزت بڑے احترام کے ساتھ رکھ دی۔

کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد اس گھر میں اس کھوپڑی نے بھی شور اور غوغا مچایا

فنی تھی وہ بھی تمام ہو گئی تھی۔

اگلے روز بارہ جو لائی کو ایلفریڈ نام کے ایک مالخ کی ڈیوٹی نگرانی کے نادر پر فنی گئی تھوڑی ہی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ نگرانی کے نادر سے ایلفریڈ بڑا اور موت لگا رہا ہو گیا۔ اس سے اگلے روز جہاز کا جو ایڈمرل تھا وہ بھی اچانک اپنی جان سے ہاتھ دینٹھا۔

دراصل جو جہاز جارج پنٹم اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا تھا وہ واقعی انہیں صدی میں تباہ و برباد ہو چکا تھا اور یہ جہاز جو انہوں نے روشنی دیتا ہوا اپنی لمبی سے سمندر میں دیکھا تھا وہ اس جہاز میں مرنے والی دہمیں تھیں۔ جو روشنی جیسے یہ جہاز کو سمندر میں سر حرکت میں لائی ہوئی تھیں جس جہاز کو انہوں نے دیکھا تھا اس ام ڈیج ایسٹ انڈیا میں تھا اور یہ ایک شخص ڈیکن کی ملکیت تھا۔ ان دنوں یورپ ہندوستان کو سونے کی چڑیا خیال کیا جاتا تھا۔ اور یورپ کے بہت سے لوگوں نے افسر کمپنیاں بنا کر ہندوستان سے تجارت شروع کر رکھی تھی۔ اور اس میں وہ بہت لت کھاتے تھے۔ ڈیکن بنیادی طور پر ایک مالخ تھا اس نے اپنا جہاز خود تیار کیا اس بنا جہاز جب سترہویں صدی میں ڈیکن نے تیار کر لیا تو اس نے جہاز میں کافی عمدہ لباس کے بعد لیڈر طور پر اس نے تجارت کا کام شروع کیا دراصل ڈیکن زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کا مکتبی تھا اس پر دولت کے دھیر لگانے کا ایک طرح سے ضبط رہا تھا۔

وہ برطانیہ پر مبنی اور یورپ کے دیگر ممالک سے کپڑے ہتھیار اور اس قسم کی لوازمات لانا جو ہندوستان میں لاکر بیچنا اور واپسی پر ہندوستان سے مصالحے پریشم اور لاکر بھرنے کے جاتا اس طرح اس نے اس بحری تجارت سے دھیروں دولت کمائی جو اپنی وہ یورپ سے لائے ان کی ہندوستان میں بڑی مانگ تھی اور جو بحریں وہ ہندوستان کو یورپ لے کر جاتا ان کی وہاں بڑی مانگ تھی اس طرح اس کی تجارت اپنے ذاتی ای جہاز کے ذریعہ دن دوئی رات جو گئی ترقی کرتی چلی گئی تھی۔

ڈیکن جہاز رانی کا ماہر تھا وہ ایک عمدہ قسم کا صارف بھی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کوئی طرح کس موسم میں کس رخ پر چلانا چاہیے جہاز کی ہر غرابی سے وہ آگاہ تھا

11 جولائی 1881ء کو برطانیہ کا شہنشاہ جارج پنٹم جو اس وقت سولہ سال کا شہزادہ تھا اپنے ایک بھتیگی جہاز میں سفر کر رہا تھا اس کے ساتھ عملے کے تیرہ افراد کے علاوہ اور اشخاص بھی تھے۔ جس وقت سورج سمندر میں غروب ہو رہا تھا۔ اچانک انہوں نے سمندر کے اندر ایک جہاز دیکھا جس کے چاروں طرف ایک مافوق الفطرت روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس جہاز کے اندر سے بھی روشنی پھیلی تھی جو عام جہازوں میں نہیں ہوتی اور اس جہاز کے اوپر ایک گھبرا ہوا رہا تھا۔ جس کے اوپر مونے پہنچے ہوئے حرف میں ڈیج ایسٹ انڈیا میں "لکھا ہوا تھا۔ اس جہاز کو دیکھتے ہوئے جارج پنٹم ہی نہیں اس کے ساتھ جو عمدہ جہاز میں مصروف عمل تھا دنگ اور پریشان رہ گئے تھے۔ اس لیے کہ ڈیج ایسٹ انڈیا میں نام کا جہاز سترہویں صدی عیسوی میں سمندر کے اندر طوفانوں کی تاب نہ لاتے ہوئے غرق ہو گیا تھا۔

جارج پنٹم اور اس کے ساتھی اس جہاز کو ابھی بڑے غور سے دیکھ ہی رہے تھے اور ابھی کوئی اندازہ نہ لگا سکے تھے کہ یہ جہاز اچانک ان کے قریب اور بالکل نزدیک نمودار ہو گیا اور یہ کہ یہ جہاز تو لنگ بھگ دو ڈیڑھ سو سال پہلے سمندر کے اندر غرق ہو گیا تھا۔ اور پرانی طرز کا جہاز تھا جس طرح کو لمبے کے دور میں جہاز ہوا کرتے تھے۔ ابھی وہ اپنی سوچوں میں غرق تھے کہ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز لنگھوں سے اچانک اونٹھل ہو گیا اور اس جہاز کے ارد گرد اور جہاز کے اندر جو ایک مافوق الفطرت

جورا چورا کرجی کرجی کر کے رکھ دیا بادبان پھٹ گئے تھے اور پورا جہاز چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں سمندر پر تر رہنے لگا تھا۔ جہاز کے اندر بھٹا تھا وہ کپتان ڈیکن میت سب ہلاک ہو گئے۔ صرف ایک مالچ ایک تختے پر تیرتا ہوا افریقہ کے ساحل پر پہنچا جس ساحل پر وہ پہنچا وہاں ماہی گیروں کی ایک بستی تھی وہاں آکر اس نے ڈیکن اور اس کے جہاز کی غرقابی کے حالات تفصیل سے سنائے۔

جب طوفان ختم ہوا تو جس جگہ جہاز غرق ہوا تھا اس طرف کئی جہاز روانہ کئے گئے تاکہ اگر تختوں پر تیرتا ہوا کوئی مالچ دکھائی دے تو اس کی جان بچائی جاسکے لیکن جس جگہ جہاز غرق ہوا تھا وہاں جب مختلف جہاز پہنچے تو انہوں نے دیکھا نہ وہاں جہاز تھا نہ تختے تھے ہر چیز طوفان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

جارج پنٹن نے 11 جولائی 1881ء کو ڈیکن کے اس جہاز کو دیکھا تھا جو غرق ہو گیا تھا اور جے روسی چلا رہی تھیں پھر اس جہاز کو 1939ء میں لگ بھگ 150 اؤں نے دیکھا یہ لوگ اس وقت سمندر کے کنارے غسل کر رہے تھے کہ شام کے جب بالکل ان کے قریب سے یہ جہاز گزرا بالکل اسی طرح جس طرح جارج پنٹن نے اس جہاز کو دیکھا تھا جہاز کے ارد گرد غیب سی ماورائی روشنیاں تھیں۔ جہاز کے اندر بھی روشنیاں بھڑکتی سمندر کے وسیع حلقوں کو روشن کر رہی تھیں۔ جہاز کے بادبان ایسے ہی کھلے تھے جیسے ڈیکن اپنے جہاز کے بادبان کھول کر یورپ سے ہندوستان اور ہندوستان سے یورپ لیا کرتا تھا۔ 1939ء میں جب 150 لوگوں نے جو سمندر کے کنارے نہا رہے تھے جہاز کو دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے۔

اس لیے کہ یہ پرانی طرذ کا ستر سوویں صدی کا جہاز تھا اور بادبان بھی ایسے تھے جیسے کہ لمبوس کے جہاز کے ہوا کرتے تھے لوگ اس جہاز کو دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے جن میں ان میں سے کچھ جاننے والوں نے بتایا کہ یہ جہاز حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ ہزار بھی ستر سوویں صدی میں ہوا کرتا تھا اور اب یہ روسیوں اس جہاز کو چلا رہی ہیں ان لوگوں کی روسیوں جو اس جہاز میں سمندر کے اندر غرق ہو گئے تھے۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے جن 150 لوگوں نے سمندر کے اندر روشنیاں پہنچے ہوئے جہاز کو دیکھا تھا ان میں سے کچھ کے پاس کیمرے بھی تھے انہوں نے بڑی

اور اسے دور کرنے کا ہنر بھی جانتا تھا پر وہ اچھا درجہ کا بخیل اور کٹھن تھا ڈھیر دولت کا تھا کیا ہر جہاز میں جو عملہ تھا ان پر ایک پانی ایک پیسہ خرچ نہ کرتا تھا۔ روزینہ ان کے ساتھ اس نے مقرر کیا ہوا تھا اس سے بھی کم ادائیگی انہیں کیا کرتا تھا، ایک بار وہ ہندوستان سے یورپ کی طرف روانہ ہوا جب اس کا جہاز افریقہ کے آخری کونے میں راس امید کے قریب پہنچا تو اس نے اور اس کے مالحوں نے دیکھ سمندر کے اندر طوفانوں کے آثار نمودار ہوئے تھے۔

تمام مالحوں نے ڈیکن سے گزارش کی کہ یہ جو سمندر کے اندر سرخ آندھج نمودار ہوئی ہے یہ کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے لہذا یا تو ہمیں جہاز کو مارا تبدیل کر لینا چاہیے یا فی الفور جہاز کو ساحل کے ساتھ لگا کر باندھ دینا چاہیے اور یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جہاز کو خشکی پر چڑھا دیا جائے تاکہ اگر زیادہ تیز طوفان ہو تو سمندری بہرں جہاز کو ساحل کے ساتھ ٹکرا کر نقصان نہ پہنچا سکیں۔

لیکن ڈیکن بڑا عسدی انسان تھا وہ ایک صنایع بھی تھا ہنر مند بھی تھا اس نے جہاز چوکے خود اپنی نگرانی میں تیار کروایا تھا لہذا اسے احساس تھا کہ اس کا جہاز بڑا مضبوط ہے جو لکڑی اس میں لگائی گئی ہے وہ بڑی آسانی سے بڑے بڑے سمندری طوفانوں کا بھی مقابلہ کر سکتی ہے بادبان ایسے مضبوط ہیں کہ کسی بھی آندھیاں چلیں وہ بھٹنے والے نہیں ہیں۔ تاہم جب اس نے سمندر میں طوفان کے آثار دیکھے تو اس نے مالحوں کو حکم دیا کہ بادبان باندھ دیئے جائیں اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ طوفان اس کے جہاز کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لیے کہ جہاز میں جو لکڑی استعمال کی گئی ہے وہ ایسے کئی طوفانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

ڈیکن نے جب سمندر کے اندر جہاز کا رخ بدلنے اور جہاز کو ساحل پر لے جانے سے قطعی انکار کر دیا جب مالچ بے چارے خاموش اور بے بس تھے وہ اس کے ساتھ کام کرنے لگے انہوں نے جہاز کے بادبان لیٹ لیے تھے اب وہ بے چارے بڑی بے بسی سے طوفان کے اپنے جہاز تک پہنچنے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

آخر یہ انتظار ختم ہوا اور وہ طوفان جو سرفی مائل تھا اور سمندر میں اٹھا تھا وہ اس طاقت اور قوت کے ساتھ جہاز سے ٹکرایا کہ جہاز کی مضبوط لکڑیوں کو اس نے

تجزی سے کیرے لگالے تاکہ اس جہاز کی تصویریں کھینچیں لیکن ان کے ایسا کرنے جہاز ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

اس کے بعد ستمبر 1942ء میں ایک بار پھر اس جہاز کو دیکھا گیا اسی روشنیاں بھینکتے ہوئے اسی طرح سمندر کے ایک خاصے بڑے حصے کو روشن کر ہوئے یہ یورپ سے ہندوستان کی طرف رواں دواں تھا۔ 1942ء میں یہ جہاز ٹاؤن کے آس پاس اور قریب دیکھا گیا۔ جب لوگوں نے اس جہاز کی تصویریں چاہیں تو پھر ان کے دیکھنے ہی دیکھتے یہ جہاز ہرگز رابن کے پیچھے اچانک مافوق الفطاعت انداز میں روپوش ہو گیا تھا۔

1942ء کے بعد یہ جہاز کسی کو دکھائی نہیں دیا اور اب تک یہ جہاز روہیں سمندر کے اندر اوجھل گئی تھی ایک ایسا راز بنا ہوا ہے جو حقیقت کوئی نہیں جان سکا۔

برطانیہ کے دنڈر محل میں آج تک لنگ بھگت پیچیس روہیں اپنا مسکن بنائے ہوئے ہیں۔ 1977ء میں اس محل کے اندر پرہ دینے والے ایک سستری نے لنگ ہنری ہشتم کی روح کو دیکھا۔ اس روح کو دیکھتے ہی وہ زمین پر گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔ اور آج سے صرف چار سال پہلے ایک سستری نے ہنری ہشتم کی روح کو دیکھا وہ ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ سستری دلیر اور جرات مند تھا وہ روح کے تعاقب میں بھاگ نکلا۔

اس سستری نے دیکھا اس کی اس حرکت سے روح کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمودار ہوئے تھے۔ اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے روح محل کی ایک دیوار میں داخل ہو گئی تھی بعد میں پتا چلا کہ دیوار کے جس حصے میں وہ روح داخل ہوئی تھی وہاں کبھی دروازہ ہوا کرتا تھا۔

موجودہ شہزادی مارگریٹ نے خود اپنی آنکھوں سے دنڈر محل میں ملکہ الزبتہ اول کی روح کو دیکھا تھا اس موقع پر اس جگہ کے قریب ہی ایک سستری بھی کھڑا تھا۔ جہاں کھڑے ہو کر شہزادی مارگریٹ نے اس روح کو دیکھا تھا سستری سے بھی اپنی آنکھوں سے کوئین الزبتہ اول کی روح کو دیکھا جو محل کے اندر سرگرداں تھی یہ سستری بھی بڑا جرات مند اور دلیر تھا جو اپنی اس نے ملکہ الزبتہ اول کی روح کو دیکھا وہ شہزادی مارگریٹ کو نظر انداز کرتا ہوا ملکہ الزبتہ کی روح کے پیچھے بھاگا لیکن وہ ابھی نزدیک ہی

شاہی محل کے اندر ایک درخت کے ساتھ لپٹے آپ کو باندھ کر خودکشی کر لی تھی۔ چونکہ اس درخت پر عام طور پر مرنے والے ہیرن کی روح محل کے اندر نمودار ہوا کرتی تھی۔ لہذا ملکہ وکٹوریہ نے حکم دیا کہ اس درخت کی ساری شاخیں کاٹ دی جائیں۔ اور اس کے سنے کو بھی کاٹ کر جلا دیا جائے۔ اس طرح ملکہ کے حکم پر 1863ء میں اس درخت کو کاٹ جلا دیا گیا ایسا کرنے کے بعد ہیرن کی روح محل کے مختلف حصوں میں دکھائی دیتی رہی۔ محل کے موجودہ مکینوں کا کہنا ہے۔ کہ انہوں نے خود کئی بارہ ہیرن کی روح کو دندو سر محل کے نواح میں اس حالت میں گھومتے دیکھا کہ اس کے ساتھ بہت سے شکاری کتے ہوا کرتے تھے۔ 1979ء میں محل میں پہرہ دینے والے ایک سنتری نے اپنی آنکھوں سے ہیرن کو دیکھا اس کے ساتھ شکاری کتے تھے۔ ہیرن کی روح بالکل سنتری کی طرف آ رہی تھی۔ جب ہیرن کی روح بالکل سنتری کے قریب آئی تو سنتری بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔

کہتے ہیں سر جارج ولر کے باپ کی روح بھی اکثر اس محل میں دیکھی گئی اس کا نام ولر تھا۔ ایک بار محل میں قیام کرنے والے ایک شخص پارکر کو ولر کی روح دکھائی دی۔ اور روح نے پارکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میری طرف سے میرے بیٹے سر جارج ولر کو یہ بتا دو کہ اگر اس نے اپنی موجودہ عادتوں کو ترک نہ کیا تو بہت بڑا نقصان اٹھائے گا۔

پارکر اس روح کو دیکھنے کے فوراً سر جارج ولر کے کمرے میں گیا۔ اور اس کے باپ ولر کی روح نے جو پیغام دیا تھا وہ اسے سنایا۔ لیکن سر جارج ولر نے اپنے باپ ولر کی روح کی اس نصیحت کو کوئی اہمیت نہ دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس واقعے کے چند ہی دن بعد سر جارج ولر اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم کی تیسری بیوی جس کا نام جین سیر تھا۔ سیر کی روح ہر سال 12 اکتوبر کو برطانیہ کے اس محل میں نمودار ہوتی ہے۔ محل کے رہنے والے دیکھتے ہیں کہ اس کی روح جب نمودار ہوتی ہے تو محل کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف جاتی ہے اس حالت میں کہ اس کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی لالٹین ہوتی ہے۔ دراصل جین سیر 12 اکتوبر کو اپنے بیٹے ایڈورڈ ہشتم کو جنم دینے کے

پہنچا تھا کہ وہ درج دیوار کے اسی حصے میں روپوش ہو گئی۔ جس میں ہنری ہشتم کی روح روپوش ہوئی تھی۔ اور جہاں کہا جاتا ہے کہ ابھی دروازہ ہوا کرتا تھا۔

برطانیہ کا دندو سر محل بارہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا اور یہ لپٹے وقت کی سب سے عمدہ اور بہترین عمارت خیال کی جاتی تھی۔ 1449ء میں انگلستان کے بادشاہ کنگ جارج اول کو فانیوں نے اس محل کے اندر قتل کر دیا تھا اور اب بھی اس کی روح محل کی لائبریری کے اندر رات کے وقت سرگرداں دکھائی دیتی ہے۔

جارج سوئم ملکہ میں ابڑی کے باعث 1870ء میں اسی محل کے اندر قید کیا گیا۔ اور جنوری کی 29 تاریخ کو 1920ء میں اسی محل میں وہ سر گیا۔ اس کی روح بھی اسی محل کے اندر کئی بار محل کے تقریباً کئی حصوں میں دیکھی گئی۔ جارج سوئم کی اس روح کو موجودہ شاہی خاندان کے تقریباً سبھی افراد نے دیکھا۔ کہتے ہیں جس وقت جارج سوئم کی روح دکھائی دیتی تھی اس کے ہونٹ ہلتے تھے جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہو۔ خدا بہتر جانتا ہے وہ کچھ بولتے ہوئے کسی کی کیا شکایت کرتا ہے۔

اس کے علاوہ انہی رعوں کو دیکھتے ہوئے خوفزدہ ہو کر ایک سنتری نے 1972ء میں اپنے آپ کو گولی مار لی تھی۔ جس وقت اس نے اپنے آپ کو گولی مار لی تھی اس وقت وہ بالکل جوان اور توانا تھا۔ اس شخص کی روح بھی اکثر دندو سر محل میں نمودار ہوتی ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس سنتری کی روح صرف اس وقت محل کے اندر سرگرداں دکھائی دیتی ہے۔ جب شاہی خاندان کے لوگ وہاں موجود نہ ہوں۔

اس روح کا ایک یہ بھی کمال ہے کہ اکثر وہ پیشتر مرنے والے اس سنتری کی روح محل کے اندر پہرہ دینے والوں کے پاس آتی ان سے راضی لیتی اور انہیں کبھی کہ تم جلد جا کر آرام کرو۔ وہ سنتری جا کر اپنے ساتھیوں سے کہتا کہ اسے مرنے والے سنتری نے آرام کرنے کے لیے کہا ہے۔ اس طرح محل کے اندر پہرہ دینے والے محافظوں نے کئی بار اپنے ہاتھوں مرنے والے سنتری کی روح کو ان سے ملاقات کرتے اور ان کی ڈیوٹی سنبھالتے ہوئے دیکھا۔

جس وقت رچرڈ دم انگلستان کا حکمران تھا۔ اس کے ساتھ ہیرن نام کا ایک شخص تھا جو رچرڈ دم کے ساتھ شکار کھیلنے میں اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ اس ہیرن نے

دیوار سے لکڑی کا ایک چھوٹا سا صندوق نمودار ہوا۔ جو قیمتی جواہرات اور ہتھکڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے ہتھکڑوں اور جواہرات سے بھرا ہوا یہ صندوق برطانوی عجائب گھر کے حوالے کیا گیا۔ پھر وہاں سے جواہرات کے ماہر کی طرف روانہ کیا گیا تاکہ وہ ان کی قیمت کا اندازہ لگا سکے۔ جن ماہرین کے پاس یہ صندوق بھیجا گیا تھا وہ دونوں باپ بیٹی تھے۔ جس وقت وہ صندوق کھلے جواہرات اور ہتھکڑوں کا جائزہ لے رہے تھے تو ایک سات فیٹ لمبا شخص جو حقیقت میں روح تھی۔ اور جس نے ملکہ الیزبتھ کے دور کا لباس پہن رکھا تھا۔ اچانک اس کمرے میں نمودار ہوا جس کمرے میں وہ جوہری باپ بیٹی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ روح جو اچانک اس کمرے میں نمودار ہوئی تھی ان دونوں باپ بیٹی کی طرف اس انداز میں دیکھ رہی ہو جیسے وہ ان سے اچھا درجہ کی خفا اور ناراض ہو۔ اس کے انبار سے یہ بھی تپتے چلتا ہے کہ اس روح کا جواہرات کے صندوق سے کوئی تعلق ہو۔

چند ہی دن بعد ان جواہرات اور ہتھکڑوں کو عجائب گھر میں نمائش کے لیے پیش کیا گیا جس وقت سب لوگ ان جواہرات کو دیکھ رہے تھے۔ تو ایک عورت ان جواہرات کو دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر گر گئی اور بے ہوش ہو گئی۔ جب اس عورت کو ہوش آیا تو اس سے بے ہوشی کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا ان جواہرات اور ہتھکڑوں کے اندر جو ٹیکس پڑا ہوا تھا اس پر اس نے تازہ خون دیکھا تھا۔ آج تک یہ معاملہ ایک راز ہی ہے کہ اس عورت نے ٹیکس پر کیسے خون دیکھا اور یہ بھی راز ہی ہے کہ وہ لمبا شخص جو جوہری اور اس کی بیٹی کے پاس نمودار ہوا تھا وہ کون تھا؟ اس کا جواہرات اس کے صندوق سے کیا تعلق تھا۔ اس کے بعد پھر نہ کبھی ان جواہرات پر خون نمودار ہوا اور نہ ہی وہ لمبے قد کی روح ان جواہرات کے لیے نمودار ہوئی۔

صرف ایک ہفتہ بعد فوت ہو گئی تھی۔ مرنے کے بعد اس کی روح اپنے بیٹے کی پیدائش کے دن ہاتھ میں چلی ہوئی لائیں لیے محل کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف ٹپکتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ ملکہ جین سیز کا بیٹا ایڈورڈ ششم شروع ہی سے بڑا لالچ اور کزور تھا۔ لہذا اس کی پرورش محل میں کام کرنے والی ایک نرس سہیل کے ذمے لگائی تھی۔ ایڈورڈ ششم جب جوان ہوا تب سہیل فوت ہوئی اور اسے بھی محل کے ایک حصے میں دفن کر دیا گیا۔

کہتے ہیں 1829ء میں محل کے بے محلے پر آسمانی بجلی گری جس حصے میں سہیل کو دفن کیا گیا تھا۔ لہذا محل کا یہ حصہ گرا دیا گیا اور اسے سرے سے محل کا یہ حصہ تعمیر کیا گیا۔ اور نئی تعمیر کے دوران سہیل کی قبر کو بجوا کر دیا گیا تھا۔

اس واقعے کے بعد سہیل کی روح نے لگاتار محل کے اس حصے میں نمودار ہونا شروع کیا۔ جہاں کبھی اس کی قبر ہوا کرتی تھی۔ سہیل کی روح کو موجودہ دور میں بھی محل کے اس حصے میں دیکھا گیا ہے۔ جہاں اسکی رہائش ہوا کرتی تھی۔

صرف چند سال پہلے پہرہ پہنے والوں نے محل کے اندر دو گھوڑ سوار روجوں کو لکھا۔ بہرہ دار ان کے پیچھے لگ گئے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ دونوں گھوڑ سوار روہیں کدھر جاتی ہیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑ سوار روہیں محل کی ایک دیوار کے اندر سما گئیں۔ پھر محل کی انتظامیہ سے اجازت لینے کے بعد جب اس دیوار کی جگہ کو کھودا گیا تو وہاں سے دو انسانی ڈھانچے نمودار ہوئے اور انہیں پوری عزت و احترام کے ساتھ فن کر دیا گیا اور اس کے بعد ان گھوڑ سوار روجوں نے نمودار ہونا بند کر دیا تھا۔

1917ء میں ایک پولیس آفیسر جو اس محل کی حفاظت پر مامور تھا اس نے محل کا دروازہ کھولا۔ جس وقت دروازہ کھولا تو نو مہمان محل میں داخل ہوئے ان میں دو مرد سات عورتیں تھیں۔ ان کے قیام کا بندوبست کرنے کے لیے وہ پولیس افسران کے ساتھ ہو لیا۔ لیکن وہ تھوڑی ہی دور تک ان کے ساتھ گیا تھا کہ وہ نو کے نو افراد محل کی راہ داری میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

1981ء میں جب چارلس اور ڈیانا کی شادی کا اہتمام ہوا تو یہ اہتمام سینٹ پال کے کلیسا میں کیا گیا تھا جس وقت شادی کی رسم ادا کی جا رہی تھی تو کلیسا کی ایک

خوش قسمتی سے اس وقت گرین ہا کے پاس اس کے اسٹاف کار میں کبیرہ چڑا ہوا تھا اور فلم بھی تھی اس نے فوراً کبیرہ اٹھایا اور اس کی چار تصویریں کھینچ لیں، جو قسمی تصویر کے بعد جب گرین ہا مزید تصویریں کھینچنا چاہتا تھا تو وہ ہیولا جو حقیقت میں ایک روح تھی۔ فضاؤں میں تیرتا ہوا گرین ہا کی اسٹاف کار کی طرف بڑھا تھا

یہ صورتحال گرین ہا کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ وہ روح فضاؤں میں تیرتی ہوئی برسے منتظم طریقے سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس کا جسم اب بھی سفید دھات کی طرح رات کے وقت چمک رہا تھا۔ گرین ہا کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ کوئی مادائی مخلوق ہے اور اس کی موت یقینی ہے لہذا اپنے بچاؤ کے لیے اس نے اسٹاف کار کا ہارن بجانا شروع کر دیا۔ اور اسٹاف کار کے اوپر جو گھومنے والی لائٹ لگی ہوئی تھی وہ بھی اس نے آن کر دی تھی۔

لگاتار ہارن بجاتے اور گھومنے والی لائٹ کو آن کرنے کا ایک اثر ہوا۔ روح جو بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی وہ رگ لگی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گرین ہا کی نگاہوں سے اوٹھل ہو گئی تھی۔

اگلے روز گرین ہا نے نہ صرف یہ کہ اپنا بیان مقامی اخبارات کو دیا بلکہ اخبارات میں چھپنے کے لیے وہ فوٹو بھی دیتے جو رات کے وقت اس نے روح کی کھینچیں تھیں۔ یہ خبر اور تصویریں چھپتے ہی امریکہ کی ریاست الباما میں ان امور پر بحث چھو گئی کہ آخر پولیس آفیسر گرین ہا نے رات کے وقت کیا دیکھا تھا۔ کافی دنوں تک یہ خبر اور فوٹو زیر بحث رہے اسکے بعد گرین ہا کی بدبختی کے دن شروع ہو گئے

اس کی پہلی بدبختی یہ ہوئی کہ اس کی بیوی اسے جھوڑ کر علی گئی اس کی دوسری بدبختی یہ ہوئی کہ اس کی ذاتی کار جو اس نے چند ہی دن پہلے کی تھی اچانک اس میں آگ لگی اور وہ جل کر خاکستر ہو گئی۔ گرین ہا کی تیسری بد قسمتی کہ 15 نومبر 1963ء کو اسے پولیس کی نوکری سے برطرف کر دیا گیا جب اس نے حکام بالا سے یہ معلوم کیا کہ اس کو نوکری سے برطرف کرنے کی کیا وجہ ہے تو حکام بالا کی طرف سے اسے یہ جواب ملا کہ جس قسم کے اخبارات میں بیان دے کر اور فوٹو چھپوا کر پولیس کے اندر اس نے ایک قسم کا خوف اور دہشت پھیلائی ہے اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو

یہ 17 اکتوبر 1963ء کا واقعہ ہے امریکہ کی ریاست الباما میں ایک پولیس آفیسر جس کا نام گرین ہا تھا وہ اپنی اسٹاف کار میں چھٹیاں مٹانے اپنے آبائی قصبے فاک دل کی طرف جا رہا تھا۔ اس وقت رات کے دس بجے کا عمل ہو گا۔ گیارہ بجے یا اس سے تھوڑی دیر بعد وہ اپنے آبائی قصبے کے رہائشی علاقے کے قریب جب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک عجیب و غریب سا انسانی ہیولا سڑک کے بالکل بیچ میں کھڑا ہوا تھا۔ قد کاٹھ میں سات فٹ کے گنگ بنگل ہو گا۔ اور اس کا بدن رات کے وقت کچھ اس طرح چمک رہا تھا جیسے سفید دھات کے بنے ہوئے رنگ سے اس کا جسم پینٹ کر دیا گیا ہو۔ رات کے وقت سڑک پر کڑے اس کا جسم چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔

گرین ہا ایسی مافوق الفطرت قوتوں اور روحوں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ لہذا یہ صورتحال اس کے لیے پریشان کن تھی۔ ایسی چیز نظر آتا گرین ہا کے لیے ایسے ہی تھا جیسے اس کے سر میں سیگنل آگ آئے ہوں۔

اس چمکتے ہوئے انسانی ہیولے کو دیکھ کر گرین ہا عجیب سی سوچوں میں پڑ گیا تھا۔ پہلے تو وہ یہ خیال کرنے لگا جیسے وہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے۔ لیکن قریب ہی اسے کوئی اڑن فطرتی فطر نے آئی لہذا اس خیال کو اس نے جھٹک دیا۔ تاہم اس کے ذہن میں یہ خیال ضرور موجیں مار رہا تھا۔ سڑک کے درمیان سفید دھات کی طرح چمکتا ہوا وہ ہیولا ضرور کسی دوسرے اجرام فلکی سے تعلق رکھتا ہے۔

پولیس والے رات کے وقت لوگوں کی حفاظت کے لیے گشت کرنا بند کر دیں گے لہذا اسے ناپسندیدہ فعل قرار دیتے ہوئے پولیس کی نوکری سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

الباہا ریاست کے بہت سے سرکردہ لوگوں نے اس سلسلے میں تحقیقات کا کام شروع کیا لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ گرین ہا نوکری چھین جانے کی وجہ سے کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے لگا تھا۔ تحقیق کرنے والے کچھ عرصہ تک اس موضوع پر تحقیقات کرتے رہے لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے آخر یہ فیصلہ دے دیا گیا کہ شاید پولیس آفیسر گرین ہا نے اپنی نوکری کے دوران کسی سے زیادتی کی تھی۔ یا کسی کو قتل کیا ہو گا اور اس کی روح نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہو گا۔

1350 ق م۔ مصر پر فرعون اخاتون کی حکومت تھی۔ اس کی چھ بیٹیاں تھیں ان چھ میں سے عدینہ سب سے چھوٹی تھی۔ جس نے فرعون کی مرضی کے خلاف یریمیا نام کے ایک اسرائیلی سے شادی کر لی تھی۔ یہ شادی چونکہ خفیہ طور پر ہوئی تھی لہذا فرعون کو جب اس شادی کی خبر ہوئی تو اس نے راج دیتا کے بڑے بچاری سے مشورہ کرنے کے بعد یریمیا اور اپنی بیٹی عدینہ کے لیے سزا تجویز کی۔ یریمیا کو زندان میں بند کر دیا گیا تاکہ اگلے روز اسے مصلوب کر دیا جائے۔ لیکن وہ زندان سے بھاگ کر اپنی جان بچا گیا۔ جبکہ فرعون کی بیٹی عدینہ کا پہلے ہاتھ کاٹا گیا اس کے بعد گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس کے کئے ہوئے ہاتھ کو اور اس کے جسم کو علیحدہ علیحدہ می کیا گیا۔ اس کے جسم کی می سقاہ کے صوا میں اہرام کے اندر رکھ دی گئی جبکہ ہاتھ کو می کرنے کے بعد سونے کے صندوق میں رکھا گیا اور وہ صندوق اس کی ماں اور مصر کی ملکہ نافریٹ کے حوالے کر دیا گیا۔

نافریٹ کی موت کے بعد یہ ہاتھ عدینہ کے شوہر یریمیا کے پاس پہنچ گیا۔ پھر یریمیا کے بعد یہ نسل در نسل یریمیا اور عدینہ کی اولادوں میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ ہاتھ 1890ء میں سونے کے صندوق سمیت مصر کے ایک شخص عبدالوہاب کے ہاتھ لگا۔

شیخ عبدالوہاب نے چونکہ اپنی بیماری کا کافی علاج کر دیا تھا اور اسے افاقہ نہ ہوا تھا اور بیماری دن بدن بڑھتی جا رہی تھی لہذا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انگلستان جا کر اپنے دوست یوس ہامن سے علاج کروانے کا اس غرض کے لیے وہ بحری جہاز میں سوار ہوا اور انگلستان چاہنچا۔

جب وہ انگلستان پہنچا کہ کاؤنٹ یوس ہامن کی حویلی کے دروازے پر دستک دے رہا تھا تو دروازہ کھلنے والا خود کاؤنٹ یوس ہامن ہی تھا۔ اپنی حویلی کے دروازے پر مصر کے شیخ عبدالوہاب کو دیکھ کر یوس ہامن دنگ رہ گیا تھا۔ اس وقت اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ بھی شیخ عبدالوہاب کی جلتے والی تھی۔ اس لیے کہ مصر میں وہ بھی کھدائی کی جماعت کے ساتھ اپنے شوہر یوس ہامن کے ساتھ رہ رہی تھی۔ دونوں نے شیخ کو حویلی میں بٹھایا اور شیخ نے اپنی بیماری کی تفصیل طیب یوس ہامن سے کہی۔

یہ گفتگو سن کر طیب یوس ہامن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ شیخ عبدالوہاب کے پاس آیا۔ اس کی نشیں پر ہاتھ رکھا تو زید تک وہ اس کی نشیں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر حریت اور استغاب سے اس نے شیخ عبدالوہاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا

عبدالوہاب تمہاری ظاہری حالت بتاتی ہے کہ تم واقعی بیمار ہو اور کافی عرصے سے بیمار ہو۔ اور تمہاری صحت کافی حد تک گری ہوئی ہے۔ لیکن تمہاری نشیں بتاتی ہے کہ تمہیں کوئی بیماری نہیں۔ بتاؤ یہ کیا کروں۔

یوس ہامن کی اس گفتگو سے شیخ عبدالوہاب بھی پریشان ہو گیا تھا۔ اس کی بڑبڑائی کو دیکھتے ہوئے یوس ہامن نے پھر اس سے پوچھا۔

میرے عزیز یہ تو بتاؤ یہ روگ جو تمہیں لگا ہے یہ کب کا ہے۔ کیا تمہارے ذہن میں اس کے لگنے کی وجہ بھی ہے۔

یوس ہامن میرے دوست تمہاں تک میرا ذاتی خیال ہے جب سے میں نے مصر کی شہزادی عدنیہ کا نکاح کیا تھا جو سونے کے صندوق میں بند تھا اپنے پاس رکھنا شروع کیا ہے تب سے مجھے یہ بیماری یہ روگ لگ گیا ہے عبدالوہاب نے ہنسے ہوئے

عبدالوہاب کا تعلق یرمیا اور عدنیہ کی نسل سے نہیں تھا بلکہ یہ صحرائے سقارہ کی اس بستی کا سردار تھا جس بستی میں بہت عرصہ پہلے یرمیا نے اپنے لیے ایک حویلی بنوائی تھی

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب کے پاس عدنیہ کے کٹے ہوئے ہاتھ کا صندوق جب پہنچا تو وہ ایک عجیب طرح کے بخار میں مبتلا ہو گیا اس نے مقامی طبیوں سے بہت علاج کروایا لیکن اسے کہیں افاقہ نہ ہوا۔

اس صورتحال سے بچنے کے لیے آخر تنگ آکر اور گھبرا کر شیخ عبدالوہاب نے بڑے عیسائیوں پر علاج کرانے کا چہرہ کیا۔ شیخ عبدالوہاب چونکہ صاحب ثروت انسان تھا مال و دولت کی اس کے پاس کئی نہ تھی لہذا اس نے اپنا علاج اعلیٰ درجے پر کرانے کا چہرہ کیا۔

کہتے ہیں ان دنوں مصر کی سرزمین میں آثار قدیمہ کی کھدائی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ انگلستان سے ایک ٹیم کھدائی کے سلسلے میں مصر کی سرزمینوں کا رخ کرتی تھی کھدائی کرنے والی اس جماعت کا سربراہ انگلستان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص کیروان تھا۔

لارڈ کیروان کی اس کھدائی کی جماعت کے ساتھ ایک ماہر طیب بھی آیا کرتا تھا جس کا نام کاؤنٹ یوس ہامن تھا۔ چونکہ کھدائی کرنے والی اس جماعت کا پڑاؤ شیخ عبدالوہاب کی بستی کے قریب ہے۔ آکر تھا لہذا طیب کاؤنٹ یوس ہامن اور کھدائی کی جماعت کا سربراہ لارڈ کیروان دونوں شیخ عبدالوہاب کے جاننے والے تھے۔

جن دنوں شیخ عبدالوہاب کو عدنیہ کے کٹے ہوئے ہاتھ کا سونے کا صندوق ملا ان دنوں کھدائی کا یہ کام کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کیا ہوا تھا لارڈ کیروان اور طیب کاؤنٹ یوس ہامن دونوں ہی انگلستان میں قیام کیے ہوئے تھے۔

اس سے پہلے بھی جب کبھی شیخ عبدالوہاب بیمار ہوتا تھا تو کھدائی کی جماعت کے پڑاؤ میں جا کر وہ یوس ہامن سے ہی علاج کروا دیتا تھا۔ یوس ہامن اکثر و بیشتر صحرائے سقارہ میں عبدالوہاب کی حویلی میں بھی قیام کرتا تھا۔ سنا ہے شیخ عبدالوہاب کے کاؤنٹ یوس ہامن اور اس کی بیوی کے ساتھ گہرے اور برادرانہ تعلقات تھے۔

سے یوس ہامن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

یوس ہامن عبدالوہاب کے ان الفاظ پر چونک سا بڑا بھر وہ بول اٹھا۔

کھن کر کہو تم کیا کہہ رہے ہو جہادی بات کو میں ابھی تک نہیں سمجھا کس کا ہوا ہاتھ کہیا سونے کا صندوق اس پر شیخ عبدالوہاب اٹھا اس نے اپنے سامان مع سے سونے کا وہ صندوق نکالا جس میں شہزادی عدینہ کا کلا ہوا ہاتھ تھا جس کے اوپر چھو سا ایک شیشہ لگا ہوا تھا وہ سونے کا صندوق شیخ عبدالوہاب نے کاؤنٹ یوس کی گود میں رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

یوس ہامن آج سے 2500 سال پہلے مصر پر ایک فرعون حکومت کرتا تھا

جس کا نام اخاتون تھا۔ اس کی بیٹی کا نام عدینہ تھا یہ کلا ہوا ہاتھ اسی شہزادی کا ہے۔ یہ نسل در نسل چلتا رہا ہے۔ میری بستی کے ایک بوڑھے کے پاس تھا اس کی ایک بیٹی ہے جو بے چاری اپنا بچہ ہے اس ہاتھ اور سونے کے صندوق کی حفاظت کے لیے اس بوڑھے نے یہ ہاتھ امانت میرے پاس رکھ دیا تھا۔ اس کی تفصیل کیا ہے یہ تو وہ بوڑھا ہی بتا سکتا ہے پر میں یہ کہوں جب سے یہ ہاتھ میرے پاس آیا ہے۔ مجھے یہ روگ چا بیماری اندر ہی اندر کھاتے جا رہی ہے۔ اور اگر اسکا علاج نہ ہوا تو میں سمجھتا ہوں میرا خاتمہ ہو جائے گا۔ شیخ عبدالوہاب کی اس گفتگو کا جواب کاؤنٹ یوس ہامن دینا چاہتا تھا کہ عین اسی لمحہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

یوس ہامن اپنی جگہ پر اٹھا اور شیخ عبدالوہاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

بیٹھو میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے۔ پھر وہ دیوان خانے سے نکل کر حویلی کے صدر دروازے پر آیا حویلی کا صدر دروازہ اس نے کھولا تو سامنے ایک اوجھڑ عمر کا شخص کھڑا تھا اسے دیکھتے ہی یوس ہامن نے پر جوش انداز میں اس کا استقبال کیا۔ اسے اندر آنے کو کہا۔ پھر وہ حویلی کا دروازہ بند کر کے اس شخص کو لے کر دیوان خانے میں جب آیا تو اس شخص کو دیکھتے ہی شیخ عبدالوہاب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر عبدالوہاب آگے بڑھتا آنے والے اس شخص سے پوچھ گیا تھا۔ آنے والا وہ شخص لاڈ کیروان تھا۔ جو مصر میں کھدائی کی نگرانی کرتا تھا۔ تاریخ میں یہی وہ لاڈ کیروان ہے جس نے کھدائی کے دوران مصر کے ایک اور فرعون تو تن خامن کی می

کی شناخت کرائی تھی۔

شیخ عبدالوہاب کے جواب دینے سے پہلے ہی یوس ہامن نے لاڈ کیروان کو مخاطب کیا۔

کیروان بیٹھو۔ میں تمہیں پوری تفصیل بتاتا ہوں۔ لاڈ کیروان بیٹھ گیا۔ پھر وہ کچھ شیخ عبدالوہاب پر گزرا تھا۔ یوس ہامن نے اسے بتا دیا۔

یہ ساری گفتگو سن کر لاڈ کیروان گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا اس دوران کاؤنٹ یوس ہامن بھربول پڑا۔

شیخ عبدالوہاب۔ میں تو ہمت کا قائل تو نہیں۔ لیکن جو داستان تم نے سنائی ہے اس کے مطابق جہادی بیماری اس کئے ہوئے ہاتھ ہی کی وجہ سے ہے۔ تم بیمار بھی ہو۔ کمزور اور لاغر بھی ہو چکے ہو۔ لیکن میں جہادی نبی دیکھ چکا ہوں جہادی نبی بتاتی ہے کہ تم میں کوئی بیماری نہیں۔ لہذا میں یہ مانتے پرے بس اور مجبور ہوں کہ جہادی بیماری ضرور شہزادی عدینہ کے کئے ہوئے ہاتھ سے وابستہ ہے۔

کاؤنٹ یوس ہامن کی اس گفتگو پر لاڈ کیروان نے ایک قہقہہ لگا یا پھر وہ زور اور آواز میں بول پڑا۔

یوس ہامن میں جہادی اس گفتگو سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ ساری توہمات کی باتیں ہیں یہ کلا ہوا ہاتھ شیخ عبدالوہاب کی بیماری کا باعث کیسے بن سکتا ہے۔ تم اس اونچی طرح جاؤ لو۔ اس کا علاج کرو۔ پھر دیکھیں گے۔ کہ کیا بیماری ہے۔

اور ہاں یوس ہامن میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ بہت جلد میں مصر کا رخ کرنے والا ہوں تاکہ کھدائی کے کام کو پھر شروع کیا جاسکے۔ میں نے اپنے بھتر آدمی کو شش دن مصر کی طرف روانہ کر دیئے ہیں جو وہاں جاکر پڑاؤ لگائیں گے اور کھدائی کرنے والے لوگوں کو اس پڑاؤ میں تیار رکھیں گے۔ میں اس لیے آیا تھا کہ تم کسی اچھی وقت مصر جانے کے لیے تیار رہنا۔ اب میں جاتا ہوں تم شیخ عبدالوہاب کو دیکھو اس پر لاڈ کیروان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا پھر وہ شیخ عبدالوہاب کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔

شیخ۔ جب جہیں یوس ہامن سے فرصت ملے تو میرے یہاں ضرور آنا۔ اگر تم

شیخ اگر اس بوڑھے کے پاس عرصے سے یہ ہاتھ رہا ہے اور اسے کچھ نہیں ہوا تو
 اور کھنا چہاری یہ ساری بیماری اس کے ہونے ہاتھ کی وجہ سے ہے۔ میرا دل کہتا ہے
 اس بوڑھے کا قفل شہزادی عدینہ کی نسل سے ہوگا۔ جیسا کہ تم بتا چکے ہو کہ یہ
 اس کی نسل میں چلتا رہا ہے۔ لہذا اب جو تکہ تم ان کی نسل سے نہیں ہو اور یہ
 ہاتھ ہمارے پاس پہنچا ہے تو میرا دل کہتا ہے کہ اس کی وجہ سے تم عجیب غریب
 بیماری میں مبتلا ہو گئے ہو۔

شیخ عبدالوہاب نے تم کچھ دن میرے پاس قیام کرو۔ سونے کے اس صندوق کو
 اس میں شہزادی عدینہ کا کٹا ہوا ہاتھ ہے میں اپنی اوپر کی منزل کے توش خانے میں رکھ
 رہا ہوں۔ اس نیت سے کہ اب یہ ہاتھ چہاری طرف سے میری طرف منتقل ہو چکا
 ہے میں اس نیت سے اسے رکھوں گا کہ میرا ہاتھ اس چہاری میں جہادی ہستی کے اس بوڑھے
 کو یہ ہاتھ لوٹا دوں گا۔

شیخ عبدالوہاب نے یوس ہامن کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر یوس ہامن اپنی
 لڑ سے اٹھا سونے کا وہ صندوق جس میں شہزادی عدینہ کا کٹا ہوا ہاتھ تھا وہ اس نے
 لہایا اور اپنی حویلی کے اوپر کے حصے میں توش خانے میں لکڑی کی ایک بوسیدہ سی
 لہاری میں رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر دیوان خانے میں آکر شیخ عبدالوہاب سے
 لنگو میں لگ گیا تھا جبکہ اسکی بیوی اٹھ کر کھانا پکانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

اس طرح شیخ عبدالوہاب نے لندن میں چند روز تک قیام کیا کہ پھر وہ یوس
 ہامن کے پاس رہا کچھ دن اس نے لارڈ کیروان کے پاس بھی قیام کیا۔ اس قیام کے
 دوران شیخ عبدالوہاب بالکل شہیک ہو گیا ایسا صحت مند ہوا کہ لگتا تھا کہ اسے کوئی بیماری
 ہوئی ہی نہ ہو۔ اس نے جب دیکھا کہ وہ اب صحت مند ہو گیا ہے تو لندن سے صحرانے
 مقامہ مصر میں اپنی ہستی کی طرف لوٹ گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ کھادی کے باہر لارڈ کیروان کو مصر کی طرف آنے میں کچھ تاخیر ہو
 گئی اس لیے کہ وہ انگلستان میں اپنے کچھ کام نمانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس دوران
 لارڈ یوس ہامن شہزادی عدینہ کے کٹے ہوئے ہاتھ کے صندوق کو تقریباً فراموش کر
 گیا تھا۔ اس لیے کہ کٹے ہوئے ہاتھ والے سونے کے صندوق کو اس نے اپنی حویلی کی

چند روز میرے یہاں قیام کرو گے تو یہ میری خوشی کا باعث ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی لارڈ
 کیروان اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

لارڈ کیروان کے جانے کے بعد یوس ہامن پھر اپنی نفست پر آکر بیٹھ گیا
 پھر تھوڑی دیر تک دیوان خانے میں خاموشی رہی اس کے بعد یوس ہامن نے پھر
 عبدالوہاب کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

شیخ تم چند روز تک یہاں قیام کرو۔ سونے کے صندوق کو جس میں کٹا
 ہوا ہاتھ ہے تم ہاتھ مت لگانا۔ اسے چند دن کے لیے میرے پاس رہنے دو اسے اسے
 منزل پر جو میرا توش خانہ ہے اس میں رکھ دیتا ہوں یہ میرے پاس امانت کے علم
 پر رہے گا اس وعدے کے ساتھ کہ جب میں مصر جاؤں گا تو یہ کٹا ہوا ہاتھ اسی بوڑھے
 کے حوالے کر دیا جائے گا۔ جس سے تم نے یہ حاصل کیا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد یوس ہامن رکا اس کے بعد شیخ کی طرف دیکھتے ہوئے
 اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

شیخ یہ تو کہو جس بوڑھے سے جہیں یہ ہاتھ ملا تھا اس نے اسے برسوں پہلے
 یہ رکھا ہو گا کیا وہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہوا تھا جس میں تم مبتلا ہوئے ہو۔
 یہ شیخ عبدالوہاب تڑپ کر بولا۔

یوس ہامن نہیں۔ وہ شخص کبھی بھی بیمار نہیں ہوا۔ وہ انتہا درجہ کا بچہ
 ہے اسکی عمر بھی نوے سال کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کی ایک بچی ہے جو بچہ
 چھوٹی ہی اور ساتھ ہی اپنا ہی بھی ہے۔ اس لیے کہ اس نے آخری عمر میں دو سونے
 خانے میں تھی اس کی پہلی عورت بانجھ تھی اس کے کوئی اولاد نہ تھی دوسری بیوی
 اس کی صرف ایک بیٹی ہی ہے۔ نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس نے حفاظت
 خاطر صندوق میرے حوالے کر دیا تھا۔

طیب یوس ہامن گردن جھکا کر کچھ جوتا رہا۔ اس کے چہرے پر تفکر اور
 غم کے آثار پھیل گئے تھے۔ اس کی بیوی بھی یہ حالت دیکھتے ہوئے متحکک ہو
 گئی۔ شیخ عبدالوہاب بھی اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا پھر یوس ہامن نے
 عبدالوہاب کو مخاطب کیا۔

بہ جہنم کے مارے مسافر قدیم برگد کے سائے اور بوڑھے مندر کی طرح بالکل چپ ہو خاموش کھڑا رہا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے یوس ہاسن کی بیوی بچاری بدگمانی کے انکاروں۔ دھوپ بانگے ابر وقت کے بدترین لمحوں اور راکھ ہونے گھر بار کی طرح ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر اس نے یوس ہاسن کا بازو پکڑ کر اسے بلایا اور اپنی آواز میں زور دیا کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

کیا ہوا۔ جس وقت میں اس کمرے میں آئی آپ بیٹھ کے بل گرے ہوئے تھے۔ اور اب میں دیکھتی ہوں آپ کا جسم لرز اور کانپ رہا ہے۔ آپ کی آنکھوں اور ہرے سے خوف اور وحشت بھی ٹپک رہی ہے۔

اپنی بیوی کے کہاں موجود ہونے اور اسے اپنے ساتھ وہاں دیکھنے پر یوس ہاسن نے اپنے آپ کو کسی قدر سنبھالا اور اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

میں اپنے کوچ کی تیاری کر رہا تھا اسی سلسلے میں توش خانے میں آیا یہ لکڑی الی الماری جس میں میں نے شہزادی عدینہ کا لٹکا ہوا ہاتھ سونے کے بکس میں رکھا تھا اس میں میرے کچھ کاغذات بھی تھے۔ میں چاہتا تھا کہ یہاں سے اپنے کاغذات بھی اکٹروں اور جاتے وقت کئے ہوئے ہاتھ کے اس سونے کے صندوق کو بھی لے چلوں تاکہ جس کسی کی یہ امانت ہے اسے یہ واپس کر دی جائے۔

اس وقت میرے جی میں آیا کہ ایک بار میں اس سونے کے بکس کو ذرا کھول رہا ہوں تو دیکھا کہ جب میں نے سونے کا صندوق کھولا تو میں نے وہ کچھ دیکھا جس کی شکل اور اسید نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ ہاتھ کے اوپر جو مصالحہ لگا ہوا تھا وہ اتر رہا ہے۔ ہاتھ کی جلد بے رنگ اور سکڑی ہو رہی تھی اس کی جگہ بالکل تازہ سرخ رنگ کی جلد لے رہی ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ نئی جلد سے مصر کی شہزادی عدینہ کے کئے ہوئے ہاتھ میں سنہری ہنگ کے چھوٹے چھوٹے بال بھوت رہے ہیں۔ کیا یہ منظر مجھے وحشت زدہ خوفزدہ کرنے کے لیے کافی نہ تھا۔

اپنے شوہر کی اس گفتگو سے یوس ہاسن کی بیوی بھی سوچوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ کھلی الماری میں رکھے ہوئے سونے کے

بالائی منزل کے ایک ایسے کمرے کی لکڑی کی الماری میں رکھ دیا تھا جس کو توش خانہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

پھر جب کھدائی کے باہر لارڈ کیروان کے انگلستان سے مصر کی طرف کوچ کرنے کا وقت قریب آیا تو کاؤنٹ یوس ہاسن کو عدینہ کے کئے ہوئے ہاتھ کا وہ صندوق کا صندوق یاد آیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ مصر کی طرف جاتے ہوئے عدینہ کے ہاتھ والا صندوق وہ اپنے ساتھ لے جائے گا۔ صحرائے سقارہ کی جس بستی میں عدینہ اور میری کا نسل سے تعلق رکھنے والا وہ بوڑھا رہتا ہے جس نے وہ صندوق شیخ عبدالوہاب کو دیا تھا وہ سونے کا بکس اسی کو لونا دے گا تاکہ جس کی امانت ہے اسی کے پاس پہنچ جائے۔ اپنی روانگی سے چند یوم پہلے کاؤنٹ یوس ہاسن اپنی حویلی کے بالائی منزل پر گیا اور اس کمرے میں داخل ہوا جس میں اس نے شہزادی عدینہ کے کئے ہوئے ہاتھ کا سونے کا صندوق رکھا ہوا تھا۔ لکڑی کی الماری اس نے کھولی پھر جب اس نے سونے کا صندوق کھولا تو دیکھتے ہیں یوس ہاسن کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی اور بیٹھ کے بل اور خوف کے مارے وہ فرش پر گر گیا تھا۔

یوس ہاسن کی یہ چیخ نیلی منزل پر اس کی بیوی نے بھی سن لی تھی لہذا وہ بھاگی بھاگی اوپر آئی اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر ابھی تک بیٹھ کے بل زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اونچے اونچے سانس لے رہا تھا۔

یوس ہاسن کو جب احساس ہوا کہ اس کی بیوی نیچے سے اوپر آگئی ہے۔ تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کی بیوی نے دیکھا یوس ہاسن کے چہرے پر ورنانے کے شہر دشت میں کھڑے کسی مسافر اور سماجی باندیوں کی تحمیلوں میں جکڑے ہوئے شام طلعت کا شکار کسی غلام جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کے چہرے پر خوف کے سچ و تاب اور آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی وہ شوہر کی طرف ہڑی تیزی سے بڑھتے ہوئے اس کے قریب آئی پھر اچھائی لکڑی مندی او تشویش میں اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگی کیا بات ہے جنہاری حالت کیوں بدلی ہوئی ہے۔

یوس ہاسن نے اپنی بیوی کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا تھا اس اپنی چیخ

کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ جاتی دفعہ کئے ہوئے ہاتھ کے اس صندوق کو بھی اپنے ہاتھ لے جائیں گے۔ وہاں میں شیخ عبدالوہاب سے ملوں گا اور اس نے جس بوڑھے سے یہ ہاتھ لیا تھا میرا دل کہتا ہے اسی بوڑھے کے حوالے اس ہاتھ کو کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ بوڑھا جانے لے گا۔ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

اپنے شوہر کی اس گفتگو کے جواب میں تھوڑی دیر کی سوچ و بچار کے بعد یوساں کی بیوی نے اپنے نعت خات کا اہتمام کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

ابھی ہماری روانگی میں چند یوم باقی ہیں۔ ان دنوں میں اگر اس ہاتھ نے مارے گھر میں کوئی انقلاب یا خونریز واقعہ پیش کر دیا تو پھر ہمارے پاس ساری عمر فراموشی کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔ شاید آپ نے اندازہ لگایا کہ نہیں میں نے خور سے اس ہاتھ کو دیکھا میں نے اس ہاتھ کے اندر زندگی کے آثار دیکھے ہیں اور اگر اس ہاتھ میں زندگی کے آثار پھر پروردگار میں آگئے تو یاد رکھئے گا یہ ہاتھ ہمارے لیے ناقابل مٹائی ذل بن کر رہ جائے گا۔

میں نے پرانی کتابوں میں پڑھ رکھا ہے۔ کہ جس مرنے والے کی آخری رسومات ٹھیک طریقے سے ادا نہ کی جائیں یا اسے کرب کی حالت میں ختم کر دیا جائے اس کے ساتھ یہی حالت ہوتی ہے۔ میں آپ کو بھی مشورہ دوں گی کہ قبل اس کے کہ یہ ہاتھ ہمارے لیے کسی مصیبت کسی دشواری کسی اذیت کا باعث بنے اسے صندوق میں اٹھا کر ہم پیچھے لے جاتے ہیں اس وقت آتش دان میں آگ خوب گرم ہے۔ ہمارے خیال میں اس ہاتھ کو آتش دان میں چلی آگ میں جلا کر ہم اسکی آخری رسومات ادا کر دیتے ہیں۔ اس طرح میرے خیال میں شہزادی عدینہ جکا یہ کتا ہوا ہاتھ ہے اس کی آواز کو بھی سکون مل جائے گا۔

یوساں ہاسن نے اپنی بیوی کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ ہمت کر کے وہ آگے بڑھا۔ جو کافذات اس نے ہمارے لیے لیئے تھے۔ وہ بھی لیے۔ کئے ہوئے ہاتھ کے نہری صندوق کو بھی اس نے لیا۔ پھر دونوں میاں بیوی بالائی منزل سے نیچے آئے۔ دونوں آتش دان کے پاس بیٹھ گئے۔ پہلے یوساں ہاسن نے اپنے شہزادی کافذات سنبھالے اس کے بعد آتش دان کے سامنے یوساں ہاسن نے سونے کا صندوق

صندوق کی طرف دیکھتی کبھی اپنے شوہر کی حالت کا جائزہ لینے لگتی۔ پھر ہمت کر کے جب وہ آگے بڑھی اس نے سونے کے صندوق کا دھککا کھولا اور جو نبی اس نے ہاتھ لے دیکھا تو وہ بیچ مارتی ہوئی بیچے ہٹ گئی تھی۔

قرب تھا کہ وہ بھی اپنے شوہر کی طرح پیٹھ کے بل گر جاتی اس کے شوہر یوساں ہاسن نے اسے سنبھال لیا۔ ہاتھ کو دیکھنے کے یوساں ہاسن کی بیوی کی حالت غفلتوں سے بچنے کے معافی۔ ہاتھ بندھی خوشبو انگٹوں سے گیلے دامن۔ تم آٹھیل اور ٹاپا جرم قین جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ گھٹا تھا اس ہاتھ کو دیکھنے کے بعد اس کے ذہن کا ساری یکسوئی جاتی رہی ہو۔

تھوڑی دیر تک وہ اپنے شوہر کے ہاتھوں لرزتی کا بچتی رہی۔ پھر اس نے لہجہ آپ کو سنبھالا اور اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کھپاتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

آپ کا کہنا درست ہے۔ میں نے بھی ہاتھ میں بہت جڑی حیدرلی دیکھی۔ ہاتھ کے اوپر اسے می کرنے کے لیے جو مصالک لگا ہوا تھا وہ جگہ جگہ سے اترا ہوا ہے۔ ہاتھ خشک اور بوسیدہ جلد کی جگہ بالکل سرخ اور گوری جلد لے رہی ہے اور آپ کے کہنے مطابق نئی جلد سے انتہائی خوبصورت اور سنہری بال بھی آگ رہے ہیں۔

تھوڑی دیر تک دونوں میاں بیوی اپنی جگہ پر کھڑے رہ کر گہری سوچوں میں ڈوبے رہے۔ یوساں ہاسن کی بیوی نے اسے مخاطب کیا۔

اس ہاتھ کو کہیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ہمارے با کسی مصیبت کسی املا کا باعث بن جائے۔ اس سے پہلے جب میں آپ کے ساتھ جا گئی تھی تو میوں سے متعلق میں نے عجیب و غریب معاملات مقامی لوگوں سے سنے۔ اول تو ہمیں شیخ عبدالوہاب سے اس ہاتھ کو قبول ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب جبکہ ہمارے گھر میں ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا گھر اس کی ذمہ داری آئے اور ہم کلمہ نادیدہ عذاب میں مبتلا ہو کر رہ جائیں۔

اپنی بیوی کی گفتگو کے جواب میں یوساں ہاسن تھوڑی دیر تک غور و فکر میں مبتلا رہا۔ پھر اپنی بیوی کی ڈھارس کے لیے وہ بول پڑا۔

اب چند دن تک ہم دونوں میاں بیوی لارڈ کیروان کے ساتھ یہاں سے

کھولا۔ ڈڑتے ڈڑتے پہلے اس نے صندوق کے اندر سے شہزادی عدنیہ کا کھانا ہوا پکا نکالا۔ جب اس نے ہاتھ کو پکڑا تو بیچ راتے راتے رہ گیا۔ اسی لمحے کہ اس نے ہاتھ زندگی کی گرہا بٹ محسوس کی تھی۔ پر ہمت کر کے اس نے شہزادی عدنیہ کے کئے ہوئے ہاتھ کو آتش دان کی جلتی اور بجھ گئی ہوئی آگ میں رکھ دیا تھا۔

بس اس ہاتھ کا آگ پر رکھنا تھا کہ کمرے میں ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ آگ سے ہاتھ نکل کر سونے کے صندوق میں آن بیٹھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں آگہرا کھرا جیسا دھواں پھیل گیا تھا کہ اس کے اندر کوئی چیز بچھائی نہ رہی تھی۔ لیو ہاسن اور اس کی بیوی کو ایسا لگا جیسے ان کے لپٹے ہی گھر میں ان کی تمام عمر کے بارانہ ان کی ساری سائنٹیفک خوابوں کی ساری تعبیریں اندھیری رات کے ستاروں کا شکار گئی ہوں۔ اور آنکھوں کی راحت دست قاتل نے ان سے چھین لی ہو۔

لیو ہاسن اور اس کی بیوی کو ایک دوسرے کے علاوہ خود اپنی ذات تک احساس نہ رہا تھا۔ وہ کمرے کے اس ماحول میں کھو گئے تھے۔ ان کا اپنا گھر تھا۔ اور اپنا کرہ تھا۔ لیکن وہ کسی بھی چیز کو پہچان نہیں پارہے تھے۔ کمرے کے اندر ایسی تھی جیسے کسی نے ان دونوں کو اٹھا کر کسی انتہائی نا آشنا بر فسانوں میں پھینک دیا

کچھ روز تک اس کمرے میں ایسا ہی سماں رہا۔ لگتا تھا کہ ان دونوں میں بیوی سے ان کے گشتاں زندگی کی بے انت خوشیوں کی لہریں چھین کر ان دونوں وقت کے مقتل مقدور کی سیاہی ملاستوں کے طوفان اور بے تعلقی کے بربذ میں پھینکا دیا گیا ہو۔

اس گہری کہر میں پہلی بار دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی نظر دیکھا پھر اچانک کمرے کے اندر ایک اور تبدیلی نمودار ہوئی۔ ان دونوں میاں بیوی احساس ہوا کہ جیسے کمرے کے سحر کے حورا۔ ظلم کی طیلان سیرابوں کی سنسناہ اور غموں کے غبار جیسے ماحول میں اچانک خواب اور الہام کی سی ایک کیفیت ا کھڑی ہوئی ہو۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں جاذبے کی سحر خیزیاں برپا ہو

عذبے بکھر گئے تھے۔ ایسی سردی ایسی ٹھنڈ پھیل بکھر گئی تھی۔ جس سے دونوں میاں بیوی آتش دان کے پاس بیٹھے ہونے کے باوجود کھپانے لگے تھے اور ان دونوں کے دانت جھنکے لگے تھے۔ پھر کمرے کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے سفید بیوے کی صورت میں ایک لڑکی نمودار ہوئی تھی۔

اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے دونوں میاں بیوی رنگ رہ گئے تھے۔ اس لڑکی کا ہوا انہیں ایسا لگا جیسے وہ صحرا کے جلس وجر۔ زیست کے بدترین ستم اور وحشت وشت کی غرورہ سسکیوں سے گھبرا کر ایک دم اس کمرے میں داخل ہو گئی ہو۔

لڑکی کا وہ ہوا لگا کہ اس انداز میں آگے بڑھا جیسے راتوں کے سحر۔ یادوں کے اعجاز میں خوابوں کی کوئی مسافر لڑکی زمین پر لپٹے قدم جمائے بغیر اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے۔ فضاؤں میں تیرتے ہی تیرتے، وہ لڑکی آگے بڑھی تھی۔ لیو ہاسن اور اس کی بیوی نے دیکھا لڑکی مسر کا شاہاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ جو اس کے شانوں سے لے کر زمین تک پھیلا ہوا تھا۔ لباس انتہائی قیمتی لگتا تھا۔ آنے والی اس لڑکی کے ماتھے پر سنہرے رنگ کا ایک سانپ تھا جو اپنا بچھن اور اٹھانے ہوئے تھے۔ بالکل ایسے جیسے مصر کے اہرام کے اندر قدیم میوں کی تصویریں ملتی ہیں۔

اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے لیو ہاسن اور اس کی بیوی دونوں خوفزدہ ہو گئے تھے۔ ان دونوں نے دیکھا اس لڑکی کا چاند اور گلاب چہرہ محبت کی کھلی کتاب تھی۔ آنکھوں میں عذبوں کی حلاوت۔ زندگی کی طراوت اور چہرے پر رفاقتوں کی امانت تھی

کمرے میں اس کی آمد کے باعث نشاط و رنج و آس و نراش۔ زمزمہ و پیاس۔ آئینہ و عکس گیان و وحیان۔ نقیق و نگار۔ ازل و ابد کے حجاب۔ سکوت مرگ میں لبو کی دلدادہ۔ احاطہ خواب میں پامال کے سیلے اندھیوں جیسا ملاحول شروع ہو گیا تھا

تھوڑی دیر تک وہ لڑکی جو شہزادی عدنیہ کی روح تھی کمرے کے وسطی حصے میں آکر کھڑی رہی۔ دونوں میاں بیوی کو یوں لگا جیسے فضاؤں کے اندر وہ تیر رہی ہو نہیں۔ یہی اندازہ لگایا کہ وہ خوب دراز قد تھی اور اپنے حسن و جوانی اپنے خوبصورتی

میں کوئی مثال کوئی جواب نہ دیکھتی تھی۔

پھر شہزادی عدینہ کا وہ خوبصورت ہیولا اس کی وہ خوبصورت روح جو دھندلیہ سارے کی طرح لگ رہی تھی حرکت میں آئی۔ یوس ہاسن اور اس کی بیوی کے قریب ہی جو سوئے کا صندوق پڑا ہوا تھا جس کے اندر عدینہ کا لکنا ہوا ہاتھ تھا اس روح۔ اپنے ہاتھ میں سوئے کا وہ صندوق اٹھایا۔ فضاؤں میں تیرتا ہوا وہ ہیولا کمرے سے نکلا گیا تھا۔ اس کے جانے ہی کمرے کے اندر دو دھندلیہ۔ چٹ گئی خشکی بالکل ختم ہو گئی۔ مگر پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد یوس ہاسن اور اس کی بیوی حیران و پریشان کمرے میں بیٹے رہے۔ کبھی وہ ایک دوسرے کی طرف بچپ چاپ نگاہوں سے دیکھتے کبھی آتش و میں جلتی آگ کی طرف جس پر انہوں نے عدینہ کا لکنا ہوا ہاتھ رکھا تھا کبھی ان دونوں کی نگاہیں اس سمت جاتی تھیں جہاں سوئے کا چھوٹا صندوق رکھا تھا جیسے اٹھا کر شہزادہ عدینہ کی وہ ہیولا ناروح چل دی تھی۔

تھوڑی دیر تک کھڑی کھڑی کرب خیزی خاموشی اس کمرے میں طاری رہی پھر یوس ہاسن کی بیوی نے اپنے ظہور کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
یوس یہ ایک عجیب سا تجربہ یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ ہمارے کمرے کا روح رونما ہوئی۔ جس وقت ہم نے ہاتھ آتش دان پر رکھا کمرے میں ایک دھماکا چاروں طرف متج بہت دھند پھیل گئی۔ ساتھ ہی وہ ہیولا جو شاید مصر کی شہزادی عدینہ کا تھا داخل ہوا تو اس سے اس کمرے میں مجھے یوں لگا جیسے زندگی کی بالکونی میں جا کے سیل سا کوئی رخ پاؤں پریشان بازیت کے دریائے سندھ یا موت کے گہرے سم میں کرب بھری ڈال دی گئی ہو۔

وہ سفید لباس میں ملبوس روح میرے اس کمرے میں ایسے در آئی جیسے وہ کے تالاب وقت کے ٹوٹے پتھروں میں تیلی فضاؤں میں اڑتے ہوئے سفید پرندوں کوئی تندیسی علامت ہو۔

میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کے بدن پر سفید لباس سے فرشتوں اسطے پردوں کی ہلک تھی۔ اس کی تجسیم دھتک رنگ جذبول نوادوں کے عجے صغیر

مداقت کا زندہ نشان لگتی تھی۔ وہ واقعی اپنے پہرے اپنی تجسیم سے اپنے وقت اپنے دور کی شہزادی ہی لگتی تھی۔ جس وقت وہ ہمارے اس کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا نوید بہ ندی جیسا گہگہ و نور و جمال اس کے سر میں بازو اور نعلی جسم۔ رخسار و لب کی رشتہ تابش اس کے سکوت بدن کی فضا۔ مکر کے کبھی زامیے تجھے خوبیوں کے نشہ نصیر جیسے لگے تھے۔

گو کمرے میں گہرے بادل جیسی دھند پھیل گئی تھی۔ لیکن میں نے ایک بار انہیں بند کرنے کے بعد اس ہیولے کو دیکھا تھا۔ اس کے انداز میں نہ جہنم عنائت فنی نہ انصاف نظر۔ اس کے پاس نہ محبت کا تاثر تھا نہ صوت لطف۔ اس کا بلور سے رافا بدن سمندر کے لہلہ سینے پر تیرتا نا آشتا سا ہیولا لگتا تھا وہ کمرے میں آئی جیسے اداوں میں تیرتا کوئی جسم اچانک کھس آیا ہو۔

یوس ہاسن کی بیوی جب خاموش ہوئی تب یوس ہاسن خود بول پڑا۔
جہاں رہا کہنا درست ہے۔ اس ہیولے کی تجسیم سے میں نے ایک اور اندازہ بھی لیا۔ بڑی دھکی بڑی پریشان لگتی تھی۔ جیسے اس سے کسی نے ہم آغوشی کی خواہش چشم فکر کی سہرہ کی کا شمار چھین لیا ہو۔

اس کا چہرہ اس بات کی غمازی کرتا تھا جیسے بھر کی تفلوں میں اس کے دل کی لٹ میں لاکھوں طوفانوں کے غم۔ اور روح کے گھاؤ میں دشمن کی مجروح شدت بھر نا لگی ہو۔

بہر حال ہم نے اس کے ہاتھ کو آتش دان پر رکھ کر بڑی غلطی کی۔ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ ہاتھ کو سوئے کا صندوق ہی میں بند رہنے دینا چاہیے تھا۔ اگر ہم سے معاملہ اترتا تھا اور پرانی اس سکڑی ہوئی جلد کی جگہ تازی جان دار جلد لے رہی ن اس میں سے خوبصورت سنہری بال، آگ رہے تھے ہاتھ میں زندگی کے آثار پیدا ہو پتے۔ تو ہمیں اس میں دخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔

چند روز میں دیے ہی ہم یہاں سے مصر کی طرف روانہ ہونے والے تھے۔ یہ وہ سوئے کے صندوق سمیت ہمیں اس شخص کے حوالے کر دینا چاہیے تھا جس سے یہ عدو شیخ عبدالوہاب نے لیا تھا۔

ہوئی تھی۔ یوس ہامن نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔

تم تھوڑی دیر کو۔ میں دیکھتا ہوں کون ہے۔ اگر کوئی ملنے والا ہو تو اس سے فارغ ہونے کے بعد کیردان کی طرف چلتے ہیں۔ یوس ہامن نے جب آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو دستک دینے والا خود لارڈ کے کیردان ہی تھا اسے دیکھتے ہوئے یوس ہامن نے بے پناہ خوشی محسوس کی اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسی کمرے میں لایا جہاں تھوڑی دیر پہلے دونوں میاں بیوی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب نفیستوں پر بیٹھ گئے تب یوس ہامن نے کیردان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا شہزادی کیا۔

کیردان میرے بھائی میں آج تمہارے سلسلے ایک عجیب و غریب اور مافوق الفطرت واقعے کی تفصیل کہنا چاہتا ہوں کیردان جواب میں فوراً بول پڑا۔
جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو وہ بعد میں سنوں گا کچھ جو میں کہنے آیا ہوں وہ غور سے منوں نے لپٹے جانے کے پروگرام میں تبدیل کر دی ہے اب چار دن کے بجائے میں برسوں جہاں سے روانہ ہو رہا ہوں لہذا میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ تمہارے پاس عیاری کے لیے صرف آج اور کل کا دن ہے برسوں ہم جہاں سے کوچ کریں گے۔ لہذا ان دونوں میں تم اپنے کوچ کی تیاریاں مکمل کر لو اب تم وہ مافوق الفطرت بات کہہ چکے ہو۔ جو تم مجھ سے کہنے والے تھے۔

کیردان جب خاموش ہوا تب یوس ہامن نے پھر کہنا شروع کیا۔

کیردان اس کمرے میں آج عجیب سا واقعہ پیش آیا اور یہ واقعہ اس ہاتھ کی اہل سے تھا جو شیخ عبدالوہاب مصر سے لپٹے ساتھ لیا تھا اور میرے پاس ہی چھوڑ گیا تھا میں نے بعد یوس ہامن نے ہاتھ کے اندر زندگی کے آثار پرانی جلد کی جگہ نئی جلد ہاتھ کے اندر منہری بالوں کے لگنے ہاتھ کے آگ پر رکھ دھماکہ ہونے کر کے اندر گہری تابست بادل بنا دھند پھیلنے اس کے بعد شہزادی عدینہ کے بیولے کا اس کمرے میں بخش ہوئے اور ہاتھ کو سونے کے صندوق سمیت اٹھا کر لے جانا سارے واقعات کیردان کو تفصیل کے ساتھ سنا دالے تھے۔

یوس ہامن جب کہہ چکا تو کیردان نے ایک چہرہ پر قہقہہ لگایا یوس ہامن فرط دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

یوس ہامن جب خاموش ہوا تو کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ تا یوس ہامن کی بیوی بول پڑی۔

آپ کا کہنا درست ہے۔ ہمیں ہاتھ آگ پر نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ جب ہم یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ہاتھ کی پہلی سکڑی ہوئی خشک جلد کی جگہ دوسری جلد لے رہی ہے اور ہاتھ میں زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں تو کسی زندہ شے کو آگ میں رکھنے کا کیا کوئی حق حاصل نہ تھا۔

اس لحاظ سے ہم نے ایک گناہ ایک جرم کیا ہے مجھے اس بات کا بھی خیال ہے کہ مصر کی شہزادی عدینہ جو لگ بھگ تین ہزار دو سو سال بعد اپنا ہاتھ لینے والی ہو گئی ہے وہ مصر کی سرزمینوں میں ہمارے لیے اذیت اور عذاب کا باعث ہی نہ بن چلا۔ آپ جانتے ہیں کہ چند روز تک ہم یہاں سے مصر کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ وہاں لارڈ کیردان پھر اپنی کھدائی کے کام کی ابتدا کرے گا۔ اور کھدائی کے کی ابتدا بھی مسقارہ کے انہی اہراموں میں ہوگی جہاں شہزادی عدینہ کی مٹی رکھی ہو ہے۔ میں نے مصر کی میموں کے متعلق اس سے پہلے عجیب و غریب قصے اور افسانے سن اور پڑھ رکھے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے انتقام لینے کے لیے شہزادی عدینہ مٹی مسقارہ کے ان صحراؤں میں ہمارے خلاف حرکت میں آئے۔ اور ہم نے اپنی زندگی سے بھرپور ہاتھ کو جو آگ پر رکھ کر اذیت دی ہے ہم سے انتقام اور بدلہ لے، اپنی بیوی کے ان الفاظ پر یوس ہامن بھی کسی قدر پریشان ہو گیا تھا۔ اپنی بیوی کے جھانسنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی تسلی اور تسکین کے لیے وہ کہنے لگا۔

جن خطوط پر تم سوچ رہی ہو میرے سوسین بھی اسی طرح ہیں۔ ہمیں اب پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہم دونوں ہم بیوی اٹھ کر لارڈ کیردان کی طرف چلتے ہیں۔ اور اس سے سارے حالات کہتے ہیں یا دیکھتے ہیں وہ کیا کہتا ہے۔

یوس ہامن کی بیوی نے اس سے اتفاق کیا پھر دونوں میاں بیوی اٹھ کھڑے ہوئے ابھی وہ لپٹ کرے سے باہر نکلتے ہی گئے تھے کہ حویلی کے دروازے پر دھما

مصر میں مسقارہ کے صحرا کے اندر اپنے پلاؤ میں پہنچنے کے بعد لارڈ کیروان یوس ہاسن اور لارڈ کیروان کے اہل خانہ دو روز تک برابر اپنے پلاؤ میں آرام کرتے رہے اسکے بعد لارڈ کیروان کیپ میں جتنا کھدائی کا عملہ تھا اسے چند روز تک صحرائے مسقارہ اور اس کے آس پاس اور اہرام کے اندر اور باہر ان مقامات کی نشاندہی کرتا رہا جہاں سے دوبارہ کھدائی کے کام کی اجازت کرنا تھی۔ یہ سارے کام خزانے کے بعد لارڈ کیروان یوس ہاسن کو لگ بھگ ایک ہفتہ لگ گیا ایک ہفتہ گزر چکا ہے کے بعد ان دونوں نے ایک روز شیخ عبدالوہاب کو جس نے شہزادی عدینہ کا نکاح ہوا ہاتھ یوس ہاسن کو دیا تھا اپنے کیپ میں بلایا۔

شیخ عبدالوہاب جب لارڈ کیروان کے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے میں اس وقت لارڈ کیروان اس کی بیوی یوس ہاسن اور اس کی بیوی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان چاروں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر شیخ عبدالوہاب کا استقبال کیا اور خالی نشست پر اسے بیٹھنے کو کہا۔

شیخ عبدالوہاب جب پہنچ گیا تو لارڈ کیروان نے اسے مخاطب کیا۔
 شیخ جس کام کے لیے میں نے تمہیں بلایا ہے وہ تو میں بعد میں گزارش کروں گا پہلے جو کچھ یوس ہاسن اور اس کی بیوی تم سے کہنا چاہتے ہیں۔ وہ غور سے سنو اس کے بعد تجھے بتاؤ کہ کیا ان کا کہنا درست ہے۔

لارڈ کیروان کے کہنے پر شیخ عبدالوہاب نے یوس ہاسن اور اس کی بیوی کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اس موقع پر وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ یوس ہاسن پہلے ہی بول پڑا۔

یوس ہاسن نے انگلستان میں اپنے گھر میں عبدالوہاب کے دینے ہوئے شہزادی عدینہ کے کئے ہوئے ہاتھ کے مسئلے میں جو واقعہ پیش آیا تھا وہ تفصیل کے ساتھ سنا ڈالا تھا۔

سارے واقعات سننے کے بعد شیخ عبدالوہاب کی گردن لمحہ بھر کے لیے جھکی رہی تھی اس کے چہرے پر پریشانی اور آنکھوں میں فکر مندی کے آثار تھے۔ کچھ دیر تک وہ مراقبہ کی سی حالت میں بیٹھا رہا اس کے بعد نگاہ اٹھا کر اس نے جب سب سے پہلے لارڈ

یوس ہاسن گتا ہے آج تم نے دن کے وقت سوتے میں کوئی خواب دیکھ ہے جو واقعات تم نے مجھ سے بیان کئے ہیں یہ خواب کے علاوہ کبھی بھی پیش نہیں کئے دیکھ یوس ہاسن ایک عملی انسان بن کر زندگی بسر کرو اگر دن کے وقت تم ایسے خواب دیکھنا شروع کر دیتے تو تم ایک کامیاب معالج کی طرح اپنے فرائض سرانجام دے سکتے۔

یوس یہ کیسے ممکن ہے کہ کئے ہوئے ہاتھ میں زندگی کے آثار آئیں اس پر جلد آئی شروع ہو جائے اس میں سے سنہری بال جھوٹا شروع ہو جائیں اور پھر تم ہاتھ آگ پر رکھو و صما کہ ہو بادلوں جیسی ٹھنڈی کپڑا کے سرے میں بھر جائے اس کی آج سے تین ہزار سال سے بھی زیادہ پہلے مر جانے والی شہزادی کا بیوہ جہاز سے کرے میں نمودار ہو اور اپنے ہاتھ کو اٹھا کر لے جائے۔ یوس ہاسن کوئی ایسی کھٹک جو انہونی ہے جو ہوا کا بل اعتبار ہو بلکہ اس سے مراد کوئی جہاز مضحکہ اڑانے والی کوئی اسے ناممکن تصور کرے۔

لارڈ کیروان میری باتوں کو تحسّر اور مذاق میں نہ نالو میں نے دن کے یہ خواب نہیں دیکھا بلکہ میری بیدار آنکھوں نے یہ سارا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا جس وقت یہ واقعہ رونما ہوا میری بیوی بھی میرے ساتھ اس کمرے میں موجود تھی تم مجھ پر نہیں اعتبار کرتے تو میری بیوی سے پوچھ لو۔

کیروان نے ایک با پھر بھرور قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔
 جہادی بیوی سے کیا پوچھوں یہ بھی جہادی طرح خوابوں میں زندگی کرنے والی ہے تم دونوں میاں بیوی چونکہ تہا زندگی بسر کر رہے ہو لہذا میں ہوں اکثر و بیشتر تم ایسے خوابوں میں کھو جاتے ہو گے جہاں اب میرے پاس نہیں ہے نہ میں ایسی باتوں پر اعتبار کرتا ہوں نہ ایسی باتیں سننے کا عادی ہوں جو میں تم سے کہنے آیا تھا وہ تم سے کہہ چکا تم دونوں میاں بیوی ابھی سے تیاری شرفا دو میں جاتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی لارڈ کیروان اٹھا اور ان کے پاس سے چلا گیا وہ دونوں میاں بیوی خیران پریشان اور ششدر رہ گئے تھے۔
 تیسرے روز وہ انگلستان سے مصر کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

کیروان اور اس کی بیوی کو دیکھا تو اس کی نگاہیں یوس ہاسن اور اس کی بیوی پر جم گئیں تھیں۔ اس کے بعد اسکی آواز خیفے میں سنائی دی تھی۔

یوس ہاسن تم دونوں سیان بیوی نے بہت برا کیا اگر تم نے یہ دیکھا تھا کہ شہزادی عدینہ کے کئے ہوئے ہاتھ میں کوئی تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ تو تم دونوں کو خاموش رہنا چاہیے تھا۔ اگر تم دونوں نے یہ دیکھا کہ ہاتھ کی پرانی اور خشک جلد خرم ہو رہی ہے اور اسکی چمک نئی اور تازہ جلد ننودار ہو رہی ہے۔ اور اس میں سنہری بال بھی بھوت رہے ہیں تو تمہیں ہاتھ کو جوں کا توں پہننے دینا چاہیے تھا۔

وہ کسی بھی وقت تم دونوں کے لیے نقصان کا باعث نہ بننا بلکہ جس وقت تم سقاہ کے ان صحرائ میں آتے اس کو اپنے ساتھ لے آتے تو میں ہاتھ میں رونما ہونے والی ان تبدیلیوں کے باعث اس کو سونے کے اس صندوق کے ساتھ اپنی بستی کے اس بوڑھے کو لوٹا دیتا جس کا تعلق شہزادی عدینہ اور اس کے شوہر یرمیا کی نسل سے ہے۔

اب بتاؤ وہ ہاتھ اس وقت کہاں ہے ؟

جواب میں یوس ہاسن تھوڑی دیر تک بیٹے بی بی سے عبد الوہاب کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا

عبد الوہاب میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جب ہمارے کمرے میں دھماکہ ہوا تب بہت دھند اور بادلوں جیسی چیز ہمارے کمرے میں آئی تب ایک دروازہ کی عورت کا بیولہ اس کمرے میں داخل ہوا آگ پر کھاجانے والا ہاتھ اس وقت سونے کے صندوق میں تھا۔ سونے کا وہ صندوق اٹھا کر وہ بیولہ چلا گیا کہاں گیا اس کے متعلق کچھ خبر نہیں اس بیولہ کے غور سے دیکھنے کے بعد ہم نے اندازہ لگایا کہ بیولہ مصر کی شہزادی عدینہ کا تھا۔

اس لیے کہ وہ لمبا شہاٹ لباس پہنے ہوئے تھی اور وہ لباس سفید رنگ کا تھا جو شاہوں سے ملے کر زمین تک پہنچتا تھا اس کے ماتھے کے اوپر سنہرے رنگ کا ایک سائب تھا جس نے اپنا چہن خوب اوپر اٹھا رکھا تھا اور اس کا ایک ہی ہاتھ تھا دوسرا بازو اس کا کٹا ہوا تھا میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بیولہ اسی شہزادی کا ہے۔ جس کا کٹا ہوا

ہاتھ تم نے سونے کے صندوق میں ہمیں پیش کیا تھا۔

یوس ہاسن تھوڑی دیر کا ہراس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔

شیخ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ کٹا ہوا ہاتھ پھر جہارے پاس پہنچ گیا ہو گا۔ لیکن جہاری گفتگو بتاتی ہے کہ تم اس ہاتھ سے بے خبر ہو۔
شیخ عبد الوہاب جو گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا یوس ہاسن کی اس گفتگو سے جو کٹا پھر کہنے لگا۔

مجھے اس ہاتھ کا کچھ علم نہیں کہ وہ کہاں ہے بہر حال جو کچھ ہوا برا ہوا تم لوگوں کو کسی بھی صورت ہاتھ کو آگ پر نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ یاد رکھ جو حلیہ تم نے بتایا ہے میرا اندازہ کہتا ہے کہ یقیناً وہ شہزادی عدینہ کی روح تھی اب اس سلسلے میں میں اس بوڑھے کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کروں گا یرمیا جس کا تعلق یرمیا اور عدینہ کے خاندان سے ہے اس لیے کہ وہ اس سے پہلے کی بار عدینہ کی روح کو سقاہ کے اہرام کے آس پاس دیکھ چکا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کٹا ہوا ہاتھ اس بوڑھے کے پاس پہنچ گیا ہو۔

شیخ عبد الوہاب جب خاموش ہوا تب لارڈ کیروان نے اسے دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

شیخ میرے پڑاؤ میں جو لوگ ہیں ان میں زیادہ کا تعلق جہاری بستی سے ہے کسی کو سمجھو کہ وہ اس بوڑھے کو ہلاک لانے تاکہ پتا چلے کہ واقعی شہزادی عدینہ کا کٹا ہوا ہاتھ یہاں پہنچ گیا ہے میں تو یہ ہی اندازہ لگا رہا تھا کہ یوس ہاسن اور اس کی بیوی نے یہ خواب دیکھا ہوا ہے اور کٹا ہوا ہاتھ جسے تم لندن لے کر گئے تھے۔ اپنی دایب پر ساتھ ہی لے آئے ہو گے لیکن جہاری گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ تم ہاتھ ان دونوں سیان بیوی کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ بہر حال کسی کو سمجھو کہ وہ اس بوڑھے کو ہلاک لانے میں اس سے تفصیل جانتا پسند کروں گا۔

شیخ عبد الوہاب باہر نکلا تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا نفست پر پہنچ گیا
میں نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ ابھی اس بوڑھے کو ہلاک لاتا ہے پھر جو تفصیل تم اس سے پوچھنا چاہو پوچھ لینا میں نے جس شخص کو بھیجا ہے اسے ساری

شیخ عبد الوہاب کی حالت دیکھتے ہوئے لارڈ کیروان اور اس کی بیوی یوس ہاسن اور اس کی اہلیہ چاروں لرز کانپ گئے تھے صورتحال کی نزاکت کا اندازہ لارڈ کیروان کو بھی ہو گیا تھا اپنی جگہ سے ہٹا اپنے بچہ پر اس نے مسکراہٹ بکھیر لی پھر بڑے پیارے انداز میں اور خشقت میں اپنا ایک ہاتھ شیخ عبد الوہاب کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

شیخ مجھ سے غلطی ہوئی میں اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں مجھے اپنی چہری شہزادی عدینہ می کے ہونٹوں پر نہیں لگانی چاہیے تھی میں ایک بار پھر معافی کا خواستگار ہوں مجھے امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گے۔

لارڈ کیروان کی اس حرکت سے عبد الوہاب کا غصہ رفع دفع ہو گیا تھا اس نے اپنے بچہ پر مسکراہٹ بکھیر لی پھر وہ کہنے لگا

مہاشا اگر ہمارے درمیان ایک کھچاؤ اور بد مزگی ہوئی میرا خیال ہے اب یہاں سے چلنا چاہیے پھر کسی وقت تم لوگوں کو یہاں لاؤں گا اور ان میوں سے متعلق تفصیل سے بتاؤں گا۔

ان چاروں نے بھی شیخ سے اتفاق کیا پھر جب وہ اہرام سے نکلے عین اس موقع پر وہ شخص وہاں پہنچا جسے بلانے کے لیے شیخ نے اپنی ہستی کی طرف روانہ کیا تھا۔

اس شخص نے آتی ہی شیخ عبد الوہاب کو مخاطب کیا۔

شیخ اس بوڑھے نے پڑاؤ میں آنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کو غصہ ہے کہ ہاتھ کو آگ پر کیوں رکھا گیا تھا۔ آنے والے اس جوان کی اس گفتگو پر لارڈ کیروان چونکا اور شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

اس بوڑھے کو کیسے پتا چلا کہ یوس ہاسن اور اس کی بیوی نے شہزادی کے کٹے ہوئے ہاتھ کو آگ پر رکھا تھا جواب میں شیخ مسکراتے ہوئے بول پڑا۔

اس جوان کو اس کی طرف بھڑاتے ہوئے میں نے ہر بات کی تفصیل اس کے کہہ دی تھی تاکہ وہ بوڑھا بھی اس سے باخبر ہو جائے میرے خیال میں اس نے اس کا برا منایا ہے کہ ہاتھ کو آگ پر رکھا گیا ہے بہر حال تم لوگ اپنے پڑاؤ کی طرف جاؤ میں اپنی ہستی کی طرف جاتا ہوں عشاء کی نماز کے بعد میں اس بوڑھے کو لے کر جہارے پاس

تفصیل بھی بتا دی ہے شیخ عبد الوہاب کے ان الفاظ کے ساتھ ہی کیروان پھر بول پڑا۔
شیخ عبد الوہاب ایک کام تو ہو چکا اب تم میرے ساتھ ستارہ کے اہرام میں چلو میرے خیال میں تم نے اس شہزادی کی می کو ضرور دیکھ رکھا ہو گا جس کا کٹا ہوا ہاتھ تم نے یوس ہاسن کو پیش کیا تھا۔

لارڈ کیروان میں نے شہزادی عدینہ کی می کو صحرائے ستارہ کے اہرام میں دیکھ رکھا ہے اور تم اس می کو دیکھنا چاہتے ہو تو انھو بھی میرے ساتھ چلو جواب میں لارڈ کیروان اسکی بیوی یوس ہاسن اور اس کی بیوی چاروں اٹھ کھڑے ہوئے اور شیخ عبد الوہاب کے ساتھ ہو لیے تھے۔

شیخ عبد الوہاب انہیں لے کر صحرائے ستارہ کے اہرام میں داخل ہوا اور ان سب کو عین شہزادی عدینہ کی می کے سلسلے بجا کر کھڑا کر دیا تھا۔

لارڈ کیروان اس کی بیوی یوس ہاسن اور اس کی بیوی چاروں تھوڑی دیر تک شہزادی عدینہ کی می کو بڑے غور اور انتہاک تعجب اور تجسس میں دیکھتے رہے پھر جہانے لارڈ کیروان کو کیا سوچتی اس کے ہاتھ میں چھری تھی اس نے ہلکے ہلکے شہزادی عدینہ کے ہونٹوں پر مارتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ اس کی اس حرکت سے شیخ عبد الوہاب برہم ہو گیا اس کی آنکھیں غصے میں چنگاریاں چہرہ برق برسانے لگا تھا۔ پھر اچانک اس کا ہاتھ اٹھا۔

وہ لے لے ہاتھ کا ایک طمانچہ لارڈ کیروان کے منہ پر مارنا ہی چاہتا تھا کہ یوس ہاسن نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور لارڈ کیروان سے وہ چھری چھین لی جو وہ شہزادی عدینہ کے ہونٹوں پر مار رہا تھا۔ پھر شیخ عبد الوہاب برس پڑا۔

کیروان تم نے انتہائی قیج جوائی اور بری حرکت کی ہے میرا ہاتھ اٹھ چکا تھا میں جہارے منہ پر ایسا طمانچہ راکھا کہ تم بول نہ سکتے ہو ان اہرام کے اندر پلٹنا ہی کھاتے چلے جاتے۔

پر دعا وہ اس یوس ہاسن کو کہہ کہ اس نے میرا ہاتھ روک لیا تم نے یہ کیا کیا کیا تم اپنی چن چن اس می کے ہونٹوں پر مارنے لگے یہ بڑی قیج بڑی بری اور انتہائی ناگوار پسندیدہ حرکت ہے۔

پر مزید کچھ کتابیں حاصل کیں جن کا مطالعہ یہاں آکر بھی میں نے کیا ان سے متعلق میں تمہیں چند واقعات بتاؤں گا میرے خیال سے ان واقعات کی وجہ سے شیخ عبدالوہاب اور بوڑھے کے آنے تک ہمارا وقت اچھا کٹ جائے گا۔

کیروان تم رعوں پر یقین نہیں رکھتے اور جہاد یہ عقیدہ ہے کہ مرجانے کے بعد انسان کی روح اس دنیا میں نہ آتی ہے نہ کوئی کاہانے نمایاں سر انجام دیتی ہے۔ لیکن میں ہمارے اس عقیدے سے اختلاف رکھتا ہوں میں ان رعوں کو تسلیم کرتا ہوں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ رعوں انسان کے مرجانے کے بعد زمین پر اترتی بھی ہیں لوگوں کی ہنسی خوشی اور غم میں بھی شامل ہوتی ہیں اس کے لیے میں تمہیں چند مثالیں بھی پیش کر سکتا ہوں اور یہ مثالیں حکایتیں نہیں گھڑی ہوئی نہیں بنائی ہوئی نہیں بلکہ تاریخی اسناد و ثبوت پر مبنی ہیں۔

کیروان مصر کی جس سرزمین پر اس وقت ہم بیٹھے ہیں اس سرزمین سے متعلق بھی میں نے رعوں سے متعلق کچھ پڑھ رکھا ہے یہاں بھی خود ہمارے ملک انگلستان میں بھی روس میں ہندوستان میں بھی اس کے علاوہ دیگر بے شمار ممالک میں ایسے واقعات سند کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے رعوں کو دیکھا اور ان کے عمل کے خلاف رد عمل کا اظہار بھی کیا۔

یہاں تک کہتے کہتے یوس ہاسن خاموش ہو گیا اس لیے کہ عین اسی لمحہ عبدالوہاب ایک بوڑھے اور بارہ تیرہ سال کی لڑکی کے ساتھ اس خیمے میں داخل ہوا تھا

لڑکی پانچ قسم کی تھی اس لیے کہ ایک ناگ سے وہ لنگڑا چل رہی تھی ان تینوں کو دیکھتے ہی لارڈ کیروان یوس ہاسن اور دونوں کی بیویاں اپنی جگہ پر ایٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اس بوڑھے اور بچی کو لے کر شیخ عبدالوہاب آگے بڑھا اس دوران یوس ہاسن نے خالی نشستوں کی طرف اشارہ کیا اور بوڑھے اور بچی کو لے کر شیخ عبدالوہاب ان نشستوں پر بیٹھ گیا تھا۔

بیٹھنے کے بعد شیخ عبدالوہاب نے باری باری یوس ہاسن لارڈ کیروان اور ان

آؤں کا ہر تم جو تفصیل اس سے جانتا جاہو جان سکو گے۔

ان چاروں نے شیخ کی اس گفتگو سے اتفاق کیا پھر وہ چاروں اپنے کیپ کی طرف چلے گئے تھے۔ جبکہ شیخ عبدالوہاب اپنی بقی کی طرف جا رہا تھا۔

○○○

اسی روز سورج غروب ہونے کے بعد جبکہ شام چاند رات میں ڈھلنے لگی تھی ستارہ کے قلب و جان میں چاندنی کے انوار کا ایک سیل رواں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا آسمان سے اترتی چاندنی صحرائے ستارہ کے لیلیوں پیشانی پر لہنے بوسوں کی مہربان لگا رہی تھیں چاروں طرف سوچوں اور دوسوں کے جہروں جس کی فضاؤں میں بے کراں اداسیوں جیسی چپ اور اداسی تھی کبھی کبھی تیز ہواؤں کے باعث صحرائے ستارہ میں رست کا کوئی نیکولہ اٹھتا اپنی مسافر پیش کرتا پھر اداس لکھوں کی طرح بے کراں صحرائے ستارہ کی آنکھوں میں کھو جاتا تھا۔

خاموشی کے اس جنگل میں لارڈ کیروان یوس ہاسن اور ان دونوں کی بیویاں ایک خیمے میں بیٹھی ہوئی تھیں وہ شیخ عبدالوہاب عدنیہ اور ریمیکا کی نسل سے تعلق رکھنے والے بوڑھے کے مشفق تھے۔ اس خاموشی کو یوس ہاسن نے توڑا اور کیروان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

کیروان میرے بھائی ابھی توڑی در تک شاید شیخ اس بوڑھے کو لے کر آئے جو شہزادی عدنیہ کے کئے ہوئے ہاتھ کا مالک ہے دیکھ میرے بھائی اس بوڑھے کے ساتھ ذرا محاذ انداز میں گفتگو کرنا اس سے قبل ستارہ کے اہرام کے اندر بھی تم جذبات میں اپنا آپ کھو بیٹھے تھے۔ اور اپنی چڑی کو شہزادی عدنیہ کی کمی کے ہونٹوں پر مارنا شروع کر دیا تھا۔ جہاد اس حرکت کو شیخ نے انتہا درجہ کا پائند کیا تھا اگر میں شیخ کا ہاتھ نہ پکڑتا تو اسکا بھاری پھر کم آہنی ہاتھ لیتا ہمارے بھرے پر پڑتا اور جہاد چہرہ وقتی طور پر ضرور بگڑتا۔

کیروان میں یہ نہیں کہتا کہ تم رعوں کی موجودگی کو تسلیم کرو انہیں ماننا لیکن میں نے اس موضوع پر کافی کتابیں پڑھی ہوئی ہیں اور جس وقت یہ عدنیہ کے کئے ہوئے ہاتھ کا حادثہ مجھے پیش آیا اس روز اور اس کے دوسرے روز میں نے اس موضوع

کی بیویوں کی طرف دیکھا پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

یہ بوڑھا جو میرے ساتھ آیا ہے یہ دی ہے جسے میں نے آج لانے کا وعدہ کیا تھا یہ بچی اس کی بیٹی ہے دراصل اس بوڑھے کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی آخری عمر میں جا کر اس نے دوسری شادی کی اور یہ بیٹی پیدا ہوئی اس کی دوسری بیوی مر چکی ہے یہ میری بستی میں اپنی بیٹی کے ساتھ اکیلا رہتا ہے اور لارڈ کیروان یوس ہاسن اور تم دونوں کی بیویاں میری بستی میں آتے جاتے رہے ہو وہاں جو سب سے قدیم حویلی ہے گویا وہ بوسیدہ ہوتی جا رہی ہے اس بوڑھے کی ملکیت ہے وہ حویلی ان کے چچا امجد یریمچا نے اس وقت تعمیر کرائی تھی جب عدینہ مر گئی تھی اور عدینہ کی می می کو دیکھتے رہنے کے لیے اس نے اس بستی میں حویلی بنائی تھی۔

یوس ہاسن لارڈ کیروان اور ان دونوں کی بیویاں تھوڑی دیر تک اس بوڑھے اور اس کے ساتھ آنے والی بچی کو غور سے دیکھتے رہے بوڑھے نے سوئے گا وہ صندوق بھی اٹھا رکھا تھا جس میں شہزادی عدینہ کا ہاتھ تھا اور جس نشست پر وہ بوڑھا بیٹھا تھا سوئے گا وہ صندوق اس نے اپنے پہلو میں رکھ لیا تھا۔ لارڈ کیروان اور یوس ہاسن تھوڑی دیر تک اس صندوق کو بڑے غور سے دیکھتے رہے پھر یوس ہاسن نے اس بوڑھے کو مخاطب کیا۔

کیا میں جان سکتا ہوں تمہارا نام کیا ہے اس سوال پر بوڑھا دھیمی سی آواز میں بول پڑا۔

میرا نام یریمچا اور میری بیٹی کا نام عدینہ ہے ہمارے چچا امجد چونکہ یریمچا اور عدینہ تھے لہذا ہماری نسل میں زیادہ تر یہ دونوں ہی نام رکھے گئے ہماری نسل کی ابتداء یریمچا اور عدینہ سے ہوئی میرے خیال میں ہماری نسل کا خاتمہ بھی ان ہی دو ناموں پر ہو گا اس لیے کہ میرا کوئی بیٹا نہیں لہذا مجھ پر میری نسل تمام ہو جائے گی میرا نام یریمچا ہے۔ میری بیٹی بھی اپنا چ ہے۔ چتا نہیں یہ چھڑا کی پروان بھی چڑھتی ہے یا نہیں اگر اس کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے تو پھر عدینہ پر ہی ہماری نسل تمام ہو کر رہ جائے گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد بوڑھا تھوڑی دیر کے لیے رکا پھر احتیاجی انداز میں

یوس ہاسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

مجھے اس بات کا دکھ اور افسوس ہے کہ تو نے ہماری جدہ امجد کا ہاتھ آگ پر رکھا میں نے یہ ہاتھ شیخ عبدالوہاب کے حوالے اس لیے کہا تھا کہ یہ اس کی حفاظت کرتا رہے میں بوڑھا ہو چکا ہوں لاغر اور کمزور ہوں نہ جانے کب موت سے بغلگیر ہو جاؤں میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے بعد میری اس بیٹی کی کیا حالت ہو گی۔ لہذا اس ہاتھ کو حفاظت کے طور پر میں نے شیخ عبدالوہاب کے حوالے کیا تھا۔

لیکن بعد میں مجھے اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اس لیے کہ جو نبی میں نے یہ ہاتھ اس کے حوالے کیا یہ عجیب و غریب بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ یہ بیماری اس ہاتھ کی وجہ سے تھی لہذا اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ مرتے دم تک اس ہاتھ کو اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ میرے بعد اس کا کیا ہونا گویا یہ عدینہ اور اس کی روح جانے۔

اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں ہماری جدہ امجد عدینہ اپنے اس ہاتھ کی خود حفاظت کرتی ہے۔ ایسے ہی جیسے اس نے لندن میں اس وقت حفاظت کی جب آپ لوگوں نے اس ہاتھ کو آگ پر رکھا تھا۔ اور اس کی روح وہاں پہنچی اور اس ہاتھ کو آگ سے نکالا۔ اس گفتگو کے جواب میں کیروان تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے یریمچا نام کے اس بوڑھے کو مخاطب کیا۔

چہلے کہ یہ ہاتھ تمہارے پاس کیسے پہنچا۔ اس لیے کہ یہ ہاتھ شیخ عبدالوہاب اپنے ساتھ لے کر لندن گیا تھا۔ اس پر تھوڑی دیر تک بوڑھا مسکراتا رہا۔ اس دوران کیروان نے دیکھا اس بوڑھے کی آنکھوں میں عجیب روشنی آگئی تھی۔ ایسی روشنی جیسے اس کے جسم کے اندر کوئی اور حلال کر گیا ہو۔ پھر تیز نگاہوں سے لارڈ کیروان کی طرف دیکھتے ہوئے اس بوڑھے نے کہنا شروع کیا۔

کیا تم اس بات پر یقین رکھتے ہو کہ مرنے کے بعد انسانی روحیں اس دنیا میں آتی ہیں۔ یوس ہاسن اور اس کی بیوی نے اس شہزادی کی روح کو دیکھا ہے۔ جو اس ہاتھ کی حفاظت کر رہی ہے۔ عجیب سے انداز پر۔ وہ بوڑھا لارڈ کیروان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میں نے اپنی جدہ امجد عدینہ کے ہیولا ناروح کو کئی بار دیکھا ہے۔ ستارہ کے

میں ماری گئی تھی۔

وہ اختواتون شہر سے جبلہ شہر کی طرف اپنے شوہر یریمیا کے ساتھ سفر کر رہی تھی کہ اس کے دل میں اس وقت سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ اپنے بچے دلبیان سے ملنا چاہتی تھی۔ لیکن گرفتار کر لی گئی۔ بس یہ اس کے دل اس کے ذہن میں ایک تلش تھی ایک کرب تھا ایک ناکام آرزو تھی وہ اپنے بچے سے مل نہ سکی۔ پھر جب اسے آسمن دیوتا کی قربانگاہ پر لے جایا گیا۔ تو وہ اپنے شوہر یریمیا سے مشتاق پریشان تھی کہ نہ جانے زندان میں بند کرنے کے بعد اس پر کیا ہوتے گی۔ یہ اس کے لیے دوسرا کرب تھا۔

تیسرا کرب اس کے لیے یہ تھا کہ اسے ختم کرنے کے لیے پہلے اس کا ہاتھ کاٹا گیا جن وقت وہ اچھائی اضطرابی کرب اور اذیت کی حالت میں تھی۔ اس کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بس اسی اضطرابی کیفیت کی وجہ سے اس کی روح اب بھی ان صحراؤں کے اندر سکون کی خاطر سرگردان ہے۔

بوڑھے کی اس گفتگو کے جواب میں لارڈ کیروان تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا تھا اس کے بعد اس نے اس بوڑھے یریمیا کی طرف دیکھا۔ تم نے اپنی گفتگو کے دوران کہا تھا کہ اگر تم مر گئے تو جہادی موت کے بعد عدنیہ کی روح خود اپنے اس ہاتھ کی حفاظت کرے گی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ روح اپنے اس ہاتھ کی حفاظت کرے گی۔ یریمیا فوراً بول پڑا۔

ہاں مجھے یقین ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ میری موت کے بعد عدنیہ کی روح خود اپنے اس ہاتھ کی حفاظت کرے گی۔ اس پر لارڈ کیروان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس بوڑھے کے قریب آیا۔ سونے کا صندوق کھول کر اس میں سے عدنیہ کا ہاتھ نکالا پھر شبیے کے وسط میں مٹی کی ایک ٹھنڈی میں جو آگ جل رہی تھی اس کے قریب آکر رکا اور بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر اس ہاتھ کو میں آگ میں رکھوں تو کیا جہاد خیال ہے کہ عدنیہ اپنے ہاتھ کو جلنے سے بچا لے گی۔

لارڈ کیروان کے اس سوال پر بوڑھے یریمیا کی حالت یکسر تبدیل ہو کر وہ گئی تھی۔ اس نے فی الفور لارڈ کیروان کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا تاہم اس کے چہرے

اہرام کے اندر کبھی اس حویلی میں جو صدیوں سے ہماری ملکیت چلی آتی ہے۔ اور کبھی اس صحرائے ستارہ میں جس میں تم لوگوں نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔

جواب میں لارڈ کیروان تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے پھر اس بوڑھے کو مخاطب کیا۔

تم تینوں کی آمد سے پہلے یوس ہامن مجھے دنیا کے دیگر علاقوں کے علاوہ مصر سے متعلق اور رعوں کے متعلق تفصیل بتانے لگا تھا۔ لیکن جہادی آمد کی وجہ سے خاموش رہا۔ دیکھ بوڑھے یریمیا جھوٹ مت بولنا۔ میں جانتا ہوں کہ رعوں سے متعلق دنیا میں جو باتیں مشہور ہیں زیادہ تر سبے بنیادی ہیں۔ اپنی ایمانداری سے اگر تم صحیح معنوں میں مسلمان ہو تو مجھ کو بتا دیا کہ واقعی اسی جہاد احمد عدنیہ کی روح کو تم نے کبھی دیکھا ہے۔ اور کیا واقعی تم یہ خیال کرتے ہو کہ اگر تم مر گئے تو جہادی موت کے بعد عدنیہ کی روح اپنے کئے ہوئے ہاتھ کی حفاظت کرتی رہے گی۔

جواب میں یریمیا نام کا وہ بوڑھا تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ کچھ سوچتا رہا اس کی گردن ہٹھی رہی۔ اس دوران اس کے چہرے پر کچھ بے چارائی اتر آئی تھی۔ آنکھوں میں ایک چمک تھی جیسے خوفناک جھک کہا جا سکتا تھا۔ پھر اس نے کہا جانے والے افراد میں لارڈ کیروان کی طرف دیکھا تھا۔

کیروان مجھے تم دونوں اور جہادی بیویوں کے نام محترم عبدالوہاب تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں۔ میں تم پر انکشاف کروں۔ بلکہ یہ کہتا چلوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا میں نے ایک بار نہیں بیسیوں بار عدنیہ کی روح کو دیکھا۔ لارڈ کیروان نے پھر سوال کیا۔

جہاد سے خیال میں عدنیہ کی روح کیوں اس صحرا میں اور ستارہ کے اہرام میں سرگردان ہے۔

بوڑھا یریمیا کچھ دیر تک کچھ سوچتا رہا اس کے بعد لارڈ کیروان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

یوس ہامن روح پر یقین رکھتا ہے لیکن تم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ عدنیہ کی روح ان صحرائے اور ستارہ کے اہرام میں اس لیے سرگردان ہے کہ وہ اضطرابی حالت

پر اندیشوں کے سیل ہے اماں اور خواب زاروں کے قبر رقص کرنے لگے تھے۔ اس کے پیچھے ہونٹوں پر تشنگی کا سیلاب اور آنکھوں میں بے صوت جو درد جفا کے رنگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ گستاخو بوڑھا یرمیا لارڈ کیروان کے اس سوال پر ذات کی بدترین تشنگی کرب کے اعصابی عذاب میں مبتلا ہو کر رہ گیا ہو۔

بوڑھے یرمیا کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر لارڈ کیروان نے بدترین حماقت کا ثبوت دیا تھا۔ عدنیہ کے کئے ہوئے ہاتھ کو اس نے مٹی کی انگلیشی میں جو آگ جل رہی تھی اس میں ڈال دیا تھا۔

بس ہاتھ کا آگ میں رکھنا تھا کہ یوں لگا کہ چاروں طرف مرگ و زلیست کا ایک خونی تماشہ اٹھ کھڑا ہو۔ ہر شے کو ٹھنڈائی اور سرد کر دینے والی برقی آندھنوں کے ٹھنڈا چل لگے تھے۔ سحرانے ستارہ میں اس وقت سوز و عداوت۔ آفت جاں بگولے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

پڑاؤ اور اس کے اطراف میں گہری دھند پھیل گئی تھی۔ اور اس دھند کے اندر بگولوں کی وجہ سے رست بھی شامل ہونے لگی تھی۔ یوں کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ گستاخا فضاؤں کے اندر کسی نے سفید رنگ کی موٹے کپڑے کی چادر پھیلا دی ہو

فضاؤں کے اندر عجیب سی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وقت نوحہ کرنے لگا ہو۔ فضا میں سسکیاں بھرنے لگی ہوں ایک دم فضا میں چاند کی روشنی کی جگہ اندھیرے کے بھڑونے لے لی تھی۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس شے میں فضاؤں میں اڑتی رست پھیل دھند کے اندر عدنیہ کی روح نمودار ہوئی تھی وہ کسی جوان لڑکی کی آئینہ کی طرح برہتی شے داخل ہوئی تھی۔ سب نے دیکھا اس کے چہرے پر کڑے کوسوں کی فرقت تشنگی کے بے کنار سحر اور سفاک سفر کی یورش جیسی کیفیت تھی جبکہ اس کی آنکھوں کے اندر اڑدھنوں کی طرح رقص کرتے دکھ چہرے تھے اور کھولتے پھرتے سمندر کا انتقام تھا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے شیخ عبدالوہاب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور شے کے اندر وہ فوراً سجدے میں گر کر آیت الکرسی پڑھنے لگا تھا۔ اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے

بوڑھا۔ یرمیا اور اس کی اپاہج بیٹی عدنیہ بھی حرکت میں آئے وہ دونوں بھی سجدے میں گر گئے اور آیت الکرسی پڑھنے لگے تھے۔

فضا کے اندر ناقابل برداشت اور سماعتوں کو جبر پھاڑ دینے والی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں شیخ عبدالوہاب اور بوڑھے یرمیا اور چھوٹی بیٹی عدنیہ کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے یا کیا ہونے والا ہے اس لیے کہ وہ تینوں لڑنے کا پتہ سجدے میں گرے ہوئے تھے اور برابر اپنی آوازوں میں آیت الکرسی پڑھتے جا رہے تھے۔

شیخ عبدالوہاب کافی دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ جب تک آوازیں سنائی دتی رہیں وہ اپنی جگہ سے اٹھا نہیں۔ سجدے میں پڑا رہا پھر چاروں طرف سکوت پھیل گیا جیسے کوئی عذاب تھا جو بے پناہ شور کر رہا ہو اگر گور گیا ہو۔

اس کیفیت میں شیخ عبدالوہاب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اسنے دیکھا لارڈ کیروان اور یوس ہاسن کا پڑاؤ تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ شے بے پناہ تھے۔ سحرانے ستارہ میں چاروں طرف لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ تاہم فضاؤں کے اندر ابھی تک گہری دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ایک عجیب طرح کی مانوس سی خوشبو تھی۔

یہ بات تارخ کے اوراق میں محفوظ ہے کہ لارڈ کیروان کے پڑاؤ کو ستارہ کے سحرانے تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یہ بات بھی محفوظ ہے کہ لارڈ کیروان کا یہ پڑاؤ شہزادی عدنیہ کی روح کی پیکار کا شکار ہوا تھا۔

سجدے سے اٹھنے کے بعد شیخ عبدالوہاب نے اپنے چاروں طرف نگاہ کی۔ کہہ میں یہاں تک بے حسرت کام کرتی تھی۔ سڑی لاشوں کی بسماء بے ہوشے تھیں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ پڑاؤ کا ہر ذرہ جان ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے کہ چاروں طرف کوئی آواز نہ تھی بالکل کلاٹ کھانے والی اور بچھتی ہوئی خاموشی گہری کہہ میں پھیلی ہوئی تھی

یہ صورتحال شیخ عبدالوہاب کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ زور زور سے پکارنے لگا۔ یرمیا۔ عدنیہ تم دونوں باپ بیٹی کہاں ہو۔ شیخ عبدالوہاب نے اپنی آواز کی پوری طاقت اور قوت سے کہی بار یرمیا اور اسکی بیٹی عدنیہ کو پکارا۔ لیکن سحرانے خاموشی اور دس لینے والے ستاروں میں اس کی پکار کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔

اس صورت حال پر شیخ عبدالوہاب اور زیادہ لرز اور کانپ گیا تھا اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ کی قریب ہی لارڈ کیروان - یوس ہاسن اور ان کی دونوں بیویوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ خیمے کے وسط میں جو مٹی کی انگلیشی میں بگ بگ جل رہی تھی۔ پتلی تھی۔ انگلیشی اپنی جگہ پڑی ہوئی تھی اس میں سیاہ رنگ کے کوئلے وقت اور حالات کا منہ چرھا رہے تھے۔

اب تک شیخ عبدالوہاب کو اپنی موجودگی کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ قیامت برپا ہو گئی ہے۔ آواز دہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہے۔ لیکن جب اس نے انگلیشی اور اس میں کوئلے دیکھے اپنے سلسلے لارڈ کیروان یوس ہاسن اور ان کی بیویوں کی لاشیں دیکھیں تب اسے احساس ہوا کہ وہ ایک کرب ایک عذاب سے ہے۔

پھر وہ چڑا کے اندر گھومنے لگا۔ ہر چیز فنا ہو چکی تھی۔ کھدائی کا سامان بکھل بھن گیا تھا۔ شیخ عبدالوہاب پڑی تیری سے چڑا کے اندر گھومنے پھرنے لگا کہ خدا اسے بوڑھے بریحا اور اس کی نو عمر اہلیہ بیٹی کی کلاش تھی۔

چڑا میں گھومنے پھرنے کے بعد پھر وہ اس جگہ آیا جہاں کیروان اور یوس ہاسن کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے دیکھا وہاں نہ شہزادی عدینہ کا ہاتھ تھا نہ سونے صندوق۔ ایسے میں شیخ عبدالوہاب چونک پڑا اس لیے کہ صحرا میں اسے ایک آواز سنائی دی کسی نے اسے پکارا تھا۔ یہ آواز سننے ہی شیخ عبدالوہاب آواز کی سمت بھاگ کھڑا ہوا بھاگتے بھاگتے وہ ایک جگہ رک گیا جہاں تک کہ ایک بار پھر اس کا نام لے کر پکارا گیا عبدالوہاب پہچان گیا آواز بوڑھے بریحا کی تھی۔ آواز کی سمت وہ پھر اپنی پوری رفتار سے بھاگ پڑا۔ تھوڑا سا آگے جا کر اس نے دیکھا چاروں طرف پھیلی گہری دھند میں بولیا بریحا ایک ہاتھ میں سونے کا صندوق دوسرے میں اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑے صحرا سے ستارہ میں اپنی بستی کے رخ پر جا رہا تھا۔ عبدالوہاب بھی بھاگ کر ان دونوں سے مل گیا تھا۔

مشہور زمانہ ایک راہر مور ایک بار "دی اسپانی بولو ڈی" کی شوٹنگ کے لیے مصر گیا۔ دن بھر شوٹنگ کرنے کے بعد اس نے مارکیٹ کا چکر لگایا۔ کافی شاپنگ کی۔ اپنے لیے اپنے گمر والوں کے لیے بھی اس نے چیزیں خریدیں۔ وہ تقریباً رات کے ایک بجے اس ہوٹل میں آیا۔ جس میں اس نے قیام کیا ہوا تھا۔ ہوٹل میں اپنے بستر پر زیادہ سے زیادہ اس نے ایک گھنٹہ نیند کی ہو گئی کہ اچانک وہ پریشان اور بے چین سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے دیکھا کوئی کمرے میں سے ایک سفید رنگ کا سایہ بادل کی طرح تیرتا کرے میں داخل ہوا تھا اور اس کے بستر کے پاس سے گزرا تھا۔ کافی در تک کرے میں وہ بادل اور سایہ نما روح اسے دکھائی دیتی رہی پھر تھوڑے سے وقفے کے بعد اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

راہر مور نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی اس لیے کہ اس روح نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ تاہم اسے ایک کھوج ایک کریدنی ضرورت لگ گئی تھی۔ کہ یہ آخر کون سی شے تھی۔ جو ہواؤں میں تیرتی ہوئی کھڑکی سے اس کمرے میں داخل ہوئی پھر اس کے دیکھنے ہی دیکھتے نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

اگلے روز وہ پھر جب رات کا کچھ حصہ مارکیٹ میں چکر لگانے کے بعد ہوٹل لوٹا۔ ابھی وہ اپنے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ وہی بادل نما روح ایک بار پھر اس کے کمرے

اگلے روز ٹیلی نے ہمیری انگلیں کے گھبر فون کیا۔ اس لیے کہ اس نے اس کا ٹیلی فون نمبر بھی نوٹ کیا تھا۔ کچھ دیر تک گھنٹی بجتی رہی اس کے بعد ایک عورت کے ہونے کی آواز آئی۔ ٹیلی نے جب اس سے اس کا تعارف پوچھا تو اس نے اپنے آپ کو انگلیں کی بیوی بتایا۔ اس پر ٹیلی نے کہا کہ وہ انگلیں سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ گزشتہ رات اس نے اپنی کان میں اسے لعنت دی اور پیڑول لایا اس بنا پر وہ اس کا ایک بار پھر شکر ہے ادا کرنا چاہتا ہے اس عورت نے کہا کہ وہ انگلیں سے گفتگو نہیں کر سکتا اس لیے کہ انگلیں تو کافی عرصہ ہوا مر چکا ہے۔

اس جواب پر ٹیلی چار پڑھان اور نکر مند ہوا۔ لہذا اگلے روز وہ پھر نیویارک سے نکلا اور اس جگہ گیا جہاں اس کا پیڑول ختم ہوا تھا اور انگلیں نام کے شخص نے اس کی مدد کی تھی۔ اس کے گھر گیا وہاں انگلیں کی بیوی اس سے ملی۔ ٹیلی نے اسے سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح رات کے وقت اس کی گاڑی میں پیڑول ختم ہو گیا اور اس کے شوہر نے جس نے اپنا نام ہمیری انگلیں بتایا تھا اس کی مدد کی اور اپنی کیڑلک کار میں اسے پیڑول پسپ تک لے گیا۔ اس کے علاوہ ٹیلی نے اسے اس کے شوہر کا حلیہ اس کی وضع قفل کی بھی نفاذ دی کہ جس پر مسر انگلیں نے تسلیم کیا کہ یہ تو واقعی اس کے شوہر کا حلیہ ہے۔ مسر انگلیں نے ٹیلی پر انکشاف کیا کہ یہ کوئی عجوبہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے شوہر کی روح کافی باؤس اور اس کے گرد و نواح میں اکثر و بیشتر دیکھی گئی ہے۔ اور اس کے شوہر کی روح اکثر اسی طرح لوگوں کی مدد کیا کرتی ہے۔ ٹیلی جب وہاں سے رخصت ہونے لگا تو اس نے گہرا غم میں وہی سیاہ رنگ کی کیڑلک کھڑی ہوئی دیکھی اور اس نے چونکتے ہوئے مسر ہمیری انگلیں پر انکشاف کیا کہ یہ وہی کار ہے جس میں رات کے وقت ہمیری انگلیں اسے لے کر پیڑول پسپ کی طرف گیا تھا۔ بہر حال یہ حادثہ بھی آیا گیا ہو گیا۔ اور کسی کو آج تک یہ علم نہیں ہو سکا اور نہ کسی نے تحقیق کی کہ آخر مسر انگلیں کی روح نیویارک کے نواحی علاقے میں کافی باؤس کے گرد کیوں سرگردان اور پریشان ہے۔

○○○

ہندوستان کا مشہور اور معروف فنی اداکار اور ہدایت کار ستیل دست ایک بار

کی کھڑکی سے اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور عجیب سے انداز میں تہق ہوتی ہوئی روح اس کی چارپائی کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گئی اور کمرے کی آخری دیوار کے پاس جا کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

چونکہ دوبار اس کے ساتھ یہ حادثہ ہو چکا تھا۔ لہذا اگلے روز راجہ مور نے اس حادثے کا ذکر اپنی فلمی ہونٹ کے دوسرے افراد سے کیا۔ ان سب نے مشورہ دیا کہ وہ آنے والی رات کو رہوالور اپنے پاس رکھے اور جو بھی وہ روح ان کے قریب سے گزرے فائرنگ کر دے پھر دیکھیں اس کا کیا رد عمل ہوتا ہے۔ پر اگلے روز جب رات کو راجہ مور فلم کی شوٹنگ کے بعد اپنے کمرے میں آکر آرام کرنے لگا تو ساری رات وہ انتظار کرتا رہا روح نہیں آئی۔

○○○

ایسا ہی ایک واقعہ دنیا کے مشہور اداکار ٹیلی سیولاس کے ساتھ بھی پیش آیا وہ آئی لینڈ سے نیویارک کی طرف اکیلا سفر کر رہا تھا یہ تقریباً آدھی رات کا وقت تھا کہ سفر کرتے ہوئے اچانک ٹیلی کو محسوس ہوا جیسے گاڑی کا پیڑول ختم ہو گیا ہو۔ اس اندیشے کے تحت اس نے گاڑی روک لی اس لیے کہ اس وقت گاڑی آبادی کے پاس سے گزر رہی تھی لہذا وہ وہاں سے پیڑول حاصل کر سکتا تھا۔ ایک کافی باؤس نکلا سامنے اس نے گاڑی کو روکا۔

کافی باؤس میں اس وقت کچھ لوگ کام کر رہے تھے ان سے اس نے پیڑول پسپ کے متعلق پوچھا۔ اس کے اس استدعا پر ایک شخص اس کے قریب آیا اور اسے دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ ہے اور پیڑول حاصل کر لے۔ ٹیلی اس پر حیران ہو گیا اس شخص نے اپنی کیڑلک کار نکالی اس میں ٹیلی کو بٹھایا اور آگے کی سمت روانہ ہو گیا۔ تھوڑا سا آگے جا کر انہیں ایک پیڑول پسپ دکھائی دیا وہاں سے ٹیلی نے پیڑول لیا پھر وہ واپس ہونے کافی باؤس کے پاس آکر ٹیلی نے اس شخص کا شکر ادا کیا اور اس سے اس کا نام اور پتہ پوچھا اس شخص نے اپنا نام ہمیری انگلیں بتایا۔ اپنی ڈائری میں ٹیلی نے اس کا نام اور پتہ نوٹ کر لیا۔ اس کے بعد اس رات وہ پھر نیویارک کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

محسوس ہوتا تھا جیسے روحوں نے یا کسی اور با فوق الفطرت قوت نے رات ان کے گھر کی نگلی منزل میں کوئی بڑی دعوت کا اہتمام کیا ہو۔

○

کہا جاتا ہے کہ برطانوی اداکارہ ایڈرینا پوسٹا کو ایک روح پر مکمل کنٹرول اور ضبط حاصل تھا اور وہ اس روح کے ساتھ ایسے ہی سلوک کرتی تھی جس طرح کوئی سخت مزاج استاد اپنے شرارتی شاگرد کے ساتھ کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی انجانی روح نے فلم اسٹار پوسٹا کے گھر کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔ اور اکثر وہ بیشتر وہ روح پوسٹا کے گھر کے برتنوں کی توڑ پھوڑ کا کام شروع کر دیتی تھی شروع شروع میں اس صورتحال نے نہ صرف پوسٹا کو فکر مند کیا جب اس نے روح کے بیوے کو دیکھا تو وہ بڑی خوفزدہ بڑی پریشان بھی ہوئی۔ لیکن اپنا تک حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ اسے اس روح پر غلبہ حاصل ہو گیا۔

اور وہ اس طرح کہ ایک بار بھی پانی پوسٹا اپنے گھر میں بڑی بد مزاجی کی حالت میں پیشی ہوئی تھی اسی دوران جس روح نے اس کے گھر کو مسکن بنا رکھا تھا وہ نمودار ہوئی اور کچھ برتنوں کی توڑ پھوڑ کی اس وقت پوسٹا کے ہاتھ میں ایک کافی بڑی کتاب تھی جس کو نے اسے شور و کھانی دیا تھا وہ کتاب پورے دور سے اس کو نے میں دے ماری ساتھ ہی اپنے طلق سے انتہائی بزداری اور غصے کی آوازیں نکالیں پوسٹا کی اس حرکت پر وہ روح بالکل ساکن اور خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کے بعد برطانوی اداکارہ پوسٹا کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ گھر میں جس وقت بھی وہ روح شور کرتی یا برتن توڑتی پوسٹا خوب غصے اور غضب ناک میں چلا کر بولتی جس کے نتیجے میں روح بالکل پر سکون اور خاموش ہو کر رہ جاتی۔

○○○

ہندوستانی فلموں کا اداکار سینا جیت رائے جس نے عالمی شہرت حاصل کی اس کا بھی روحوں سے پالا چھا تھا ایک بار جس وقت وہ اپنی فلم شطرنج کے کھلاڑی کی شوٹنگ میں لکھنؤ کے اندر مصروف تھا جب اس نے اپنی آنکھوں سے روحوں کو دیکھا اور پھر بعد میں ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں اس نے خود اپنی زبان سے اس بات کا اقرار

صحرائے راجستان میں اردو فلم ریشما اور شیرا کی شوٹنگ میں مصروف تھا۔ اس شوٹنگ میں ہندوستانی فلموں کا ہیرو ایسا ہے جنہیں اور فلمی گیت نگار بال کوئی بڑی بھی شامل تھے یہ فلم ایک ڈاکو کی محبت اور اس کی زندگی کے گرد گھومتی تھی۔ اور ڈاکو کا کردار ایسا ہے جنہیں ادا کر رہا تھا۔

صحرائے راجستان میں چونکہ پانی نایاب ہے لہذا شوٹنگ جاری رکھنے کے لیے اس فلم کے ہدایتکار سنیل دت نے پانی کا خاطر خواہ انتظام کیا تھا۔ پانی کا انتظام پلاسٹک کے بڑے بڑے حوض نمبر کر کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ صحرائے راجستان میں جس جگہ یہ انتظام کیا گیا تھا چاروں طرف ریت ہی ریت صحرا ہی صحرا تھا۔ ایک رات جبکہ سنیل دت اپنے گھنے میں سینڈ کی آغوش میں جانے کے قریب تھا اپنا تک وہ ہل ہلانا اپنے بستر پر اٹھ بیٹھا۔ اس نے دیکھا گھنوں کے باہر قریب ہی جہاں پلاسٹک کے حوض رکھے گئے تھے وہاں سفید رنگ کا ایک بادل بنا ہوا نمودار ہوا تھا وہ صحراؤں کے اٹھ بھٹکنے والی روح تھی۔ سنیل دت کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ روح پانی کے برتنوں کے پاس آئی۔ پانی کے بڑے برتن سے اس نے ایک چھوٹا برتن بھرا۔ پھر سنیل دت کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ روح صحرا کے اندر غائب ہو گئی تھی۔ دوسرے روز جلدی چلتی سنیل دت نے اپنی شوٹنگ کا بقیہ حصہ مکمل کیا وہاں سے یوریا بستر سمیٹا اور کوچ گھر گیا۔

○○○

اسی طرح ایک روز امریکن اداکار گھین فورڈ اور اس کی بیوی سنتییا اپنے پانی کے گھر میں اوپر کی منزل میں سوئے کی تیاری کر رہے تھے کہ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے گھر کی نیچے والی منزل میں کسی نے بہت بڑی پانی اور دعوت کا اہتمام کیا ہو اور اس وقت رات کے بارہ ایک بجے کا عمل تھا۔ دونوں میاں بیوی سہم گئے۔ ڈر گئے اس لیے کہ نیچے برتنوں اور فرنیچر کا چھانچا خاصہ کھٹکا رہا تھا۔ تمام دونوں میاں بیوی نے دروازے بند کر لیے کسی نے کسی طرح انہوں نے وہ رات گزاری ان کے دل جب سورج کافی چڑھ گیا پھر دونوں میاں بیوی نیچے اترے۔ انہوں نے دیکھا کہ فرنیچر بالکل الٹ پلٹ رکھا ہوا تھا۔ کرسیاں اور میز ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔

کیا کہ اس نے فلم کی شوٹنگ کے دوران روحوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ہندوستان کی فلم محفل اعظم تاریخی فلموں میں ایک بڑا نام رکھتی ہے اس فلم ساز کے آصف تھا فلم کا بوٹ فلم کی شوٹنگ کے لیے فتح پور سکری گیا فلم کی شوٹنگ شروع کرنے سے پہلے فلم ساز اور ہدایتکار کے آصف شیخ سلیم چٹتی کے مزار پر گیا تاکہ وہاں جا کر پہلے دعا مانگے اس کے بعد فلم کی شوٹنگ کا کام شروع کرے اس لیے کہ اگر بھی شیخ سلیم چٹتی ہی کے مزار پر دعا مانگتا تھا اور شاید لوگوں کا کہنا ہے ان دعاؤں ہی کے نتیجے میں اکبر کو اس کا بیٹا تھا مگر ملا اور اس کا نام بھی اس نے شیخ سلیم چٹتی کے نام پر سلیم رکھا۔

کے آصف نے اپنی فلم محفل اعظم کا پہلا سہن اسی جگہ پر قلمبند کیا برقی راج کپور اس فلم میں اکبر کا کردار ادا کر رہا تھا۔ برقی راج کپور کا کہنا ہے کہ اس فلم کی شوٹنگ کے دوران اکثر و بیشتر اس نے ایک روح کو دیکھا اور بٹول پر قلمی راج کپور کے وہ روح محفل اعظم شہنشاہ اکبر کی تھی۔

انگلستان کے علاقے ڈارمسز کے ویڈک کرائنگ کے آس پاس 1935ء کے بور سینکڑوں لوگوں نے اس سڑک پر رات کے وقت ایک موٹر سائیکل بڑی تیزی اور طوفانی انداز میں رات کے وقت گزرتی ہوئی دیکھی ایک نہیں سینکڑوں بار یہ موٹر سائیکل دیکھی گئی تھی اس موٹر سائیکل پر بیٹے اور بادلوں کی صورت میں ایک روح ہوا ہوا کرتی تھی موٹر سائیکل کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن اس کانوں اور سماعت کو بچاڑ دینے والی آواز بے شمار لوگوں نے سنی تاہم جس سڑک پر موٹر سائیکل جاتی تھی اس پر وہ روح جو اس موٹر سائیکل کو حرکت میں لاتی تھی اکثر و بیشتر دیکھی گئی۔

جب معاملے کی تحقیقات کی گئی تو یہ معاملہ سامنے آیا کہ وہ روح ایک شخص لای لارنس کی تھی جس کا تعلق انگلستان کی ایئر فورس سے تھا اور جس وقت اس کی لڑ 46 سال تھی وہ اپنے موٹر سائیکل پر اسی شاہراہ پر سفر کر رہا تھا کہ اس کا موٹر سائیکل ایکسیڈنٹ کا شکار ہوا اور وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔

1935ء کے تھوڑا ہی عرصہ بعد یہ روح لوگوں کو دکھائی دینا شروع ہوئی تو موٹر سائیکل پر جاتی تھی اس روڈ پر چلتے ہوئے کئی لوگوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ موٹر سائیکل کی جو بڑی تیزی سے چلنے کی آواز آتی تھی ایسا کہ ان کے پاس آکر رک گئی ہو جن لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آتا تھا وہ بھی بادلوں کی صورت میں روح کو دیکھتے بھی تھے کبھی نہ موٹر سائیکل دکھائی دیتا تھا نہ روح دکھائی دیتی تھی۔ صرف یہ

وقت اپنا تک نمودار ہوتی ہے۔ آخر کار معاملہ اعلیٰ حکام تک جا پہنچا اس سلسلے میں جب تحقیقات کی گئیں تو کچھ نہ پتا چلا تاہم یہ بات وثوق کو پہنچی کہ کبھی کبھی آدمی رات کے قریب اس علاقے میں سرخ رنگ کی ایک ڈبل ڈیکر ضرور نمودار ہوتی ہے جو ملاشتہ کا باعث بنتی ہے۔

اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے اس علاقے کی ٹریفک کا روٹ تبدیل کر دیا گیا اور جو ٹریفک اس سڑک پر گزرتی تھی اس کے لیے اور سڑک کا تعین کر دیا گیا تھا اس طرح جب اس سڑک سے ٹریفک دوسری سڑک کی طرف منتقل کر دی گئی تو کیے ہیں سرخ رنگ کی اس ڈبل ڈیکر بس نے بھی نمودار ہونا بند کر دیا تھا۔ یہ کیا معاملہ تھا اب ایک ایک راز ہے۔

انگلستان کے علاقے نار تھمن شہر اور پارڈ کے درمیان سائیکل پر سوار ایک اور کثرت دیکھی گئی جن لوگوں نے شروع شروع میں اس روح کو دیکھا وہ لرنز کانپ گئے تھے اور خوف کے مارے جن جن مارے گئے تھے۔ اس لیے کہ یہ روح سائیکل پر سوار ہوتی تھی اور جو عیب شے تھی وہ یہ کہ یہ روح بغیر سر کے ہوا کرتی تھی۔ صرف دھڑی اور ہوا کرتا تھا۔ جس علاقے میں یہ بغیر سر کے سائیکل والی روح نمودار ہوتی تھی اس علاقے میں جب حکام نے سروے کیا تو پتا چلا کہ 1915ء میں ایک سائیکل سوار اس علاقے سے گزر رہا تھا کہ وہ ایک کار کے ساتھ ٹکراتے ہوئے حادثات کا شکار ہوا اس حادثے میں اسکا سر اس کے تن سے جدا ہو گیا تھا۔ اور لڑختا ہوا دور تک چلا گیا تھا۔ اب معاملہ یہ ہے کہ وہ سائیکل سوار روح اپنا تک اس سڑک پر کسی کار کے سامنے یا پس کسی دوسری گاڑی کے سامنے نمودار ہوتی ہے اور انہیں ہر صورت میں کسی شے سے ٹکرانے یا آپس میں ایک دوسرے سے حادثے کا شکار کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لوگوں کا کہنا کہ شاید سائیکل سوار کی وہ بغیر سر کی روح اس سڑک پر گاڑیاں ہانے والوں سے اپنے حادثے کا انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے۔

ایسے ہی واقعات اور حادثات انگلستان کے دوسرے علاقوں میں بھی نمودار

احساس ہوتا تھا کہ ایک موٹر سائیکل جی تیزی سے چلتی ہوئی آتی ہے۔ اور ان کے قریب آکر رکی ہے۔ کہتے ہیں 1935ء سے لے کر 1955ء تک یہ روح برابر اس علاقے میں ہڑانے جانے والے کو دکھائی دیتی رہی اس کے بعد اس سڑک پر آئے ہیں کی ہو گئی تاہم اب بھی کہا جاتا ہے کہ 1955ء کے بعد بھی کبھی کبھی موٹر سائیکل رات کے وقت اس سڑک پر چلنے کی آواز آتی ہے۔ موٹر سائیکل دکھائی نہیں دیتی۔ کبھی کبھی نہ موٹر سائیکل دکھائی دیتی ہے نہ روح تاہم کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موٹر سائیکل تو دکھائی نہیں دیتی ایک روح اس طرح تیرتے ہوئے گزرتی ہے جیسے وہ کسی موٹر سائیکل پر سوار ہو۔

اسی طرح انگلستان کے علاقے کینیٹسٹن ایریا کی سینٹ مارک روڈ پر روحوں کی ایک دو منزلہ بس بھی اکثر دیکھی گئی ہے یہ 1930ء سے دکھائی دینا شروع ہوئی کیریج گارڈوں کے پاس جہاں تیز ڈھلان ہے وہاں رات کے وقت اس بس کی وجہ سے کئی موقع پر ایکسڈنٹ بھی ہوئے۔

جو لوگ ایکسڈنٹ کا شکار ہوئے اور جج ٹکے انہوں نے یہ بیان دیا کہ اس سڑک پر آدمی رات کے قریب ایک ڈبل ڈیکر سرخ رنگ کی بس نمودار ہوتی ہے۔ جبکہ یہ روڈ کبھی اور کسی وقت بھی ڈبل ڈیکر بس کا روٹ نہیں رہی لوگوں کا کہنا تھا کہ سرخ رنگ کی یہ بس آدمی رات کے قریب گزرتی ہے بالکل خالی ہوتی ہے ڈرائیور کی سیٹ پر بھی کوئی نہیں بیٹھا ہوتا۔ اور دیکھنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ بس ہر روز تو نہیں کبھی کبھی نمودار ہوتی ہے۔ اور اس سڑک پر اپنا تک ہی آدمی رات کے قریب یہ بالکل سڑک کے درمیان نمودار ہوتی ہے اس کے اپنا تک نمودار ہونے کی وجہ سے رات کے وقت اگا دکا ٹریفک پیچھے سے آ رہی ہوتی ہے ان میں سے کوئی نہ کوئی اپنی رفتار کی وجہ سے حادثے کا شکار ہو جاتا ہے جو لوگ اس حادثے کا شکار ہوئے انہوں نے اس سلسلے میں شکایت کی کہ آدمی رات کے وقت سرخ رنگ کی ایک دو منزلہ بس نمودار ہوتی ہے بس بالکل خالی ہوتی ہے ان بیانات کی وجہ سے علاقے میں پھیل گئی اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ بس واقعی روحوں کی ہے جو آدمی رات

تھی تو یہ جلا کہ چند برس پہلے اسی سڑک پر ایک بچہ غیر ملکی سیاح بھی اس سڑک پر مارا گیا تھا۔ لہذا حکام اس فیصلے پر متوجہ تھے کہ ان دونوں کی رو میں اپنے حادثات کا انتقام لینے کے لیے اس سڑک پر کبھی کبھی نمودار ہوتی ہیں اور ٹریفک کو حادثات کا شکار کرتی ہیں۔

ہوتے رہے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ بیٹ فورڈ شہر کا علاقہ روجوں کی کارگزاروں کا مرکز رہا ہے۔ کہتے ہیں اس سڑک پر بیس سال کے ایک نوجوان کی روح اچانک سڑک پر نمودار ہوئی تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس وقت نمودار ہوتی تھی جب اس سڑک پر کوئی ٹرک جا رہا ہو۔ وہ روح اچانک ٹرک کے سامنے آتی اور ہر صورت میں اس کے حادثے کا شکار ہوتی۔ اس سلسلے میں جب تحقیقات کی گئی تو کچھ یہ نہ چلا۔ بہر حال ۱۱ روح ٹرک والوں سے انتقام لیتی ہے۔

اسی طرح انگلستان کے ہائی وے نمبر ۴/۸ پر ایک عورت کا ڈھانچہ اکثر نمودار ہوتا ہے۔ اور وہ بھی ٹرک ڈرائیوروں کو بدراہ کرتا ہے۔ اور انہیں حادثے سے دوچار کر دیتا ہے۔

نیشنل ہائی وے نمبر ۳۸/۸ پر بھی ایک روح نمودار ہوتی تھی۔ یہ روح ایک عورت کی ہوتی تھی۔ سفید رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے ہوتی تھی۔ بالکل اچانک اور دفعتاً جس وقت اس سڑک پر ٹریفک کا زور ہوا کرتا تھا عورت کی یہ روح سڑک کے پچا میں نمودار ہوتی اور اس کے اس طرح نمودار ہونے سے اس سڑک پر کئی ایک حادثات رونما ہو جاتے تھے۔

انگلستان کے نیشنل ہائی وے نمبر ۱۲/۸ پر دو رو میں نمودار ہوا کرتی تھیں۔ اپنے لباس اور اپنے حلیے سے ایک روح کسی سیاح کی ہوتی تھی اور دوسری ایک پوسٹ مین کی ہوا کرتی تھی۔ سیاح کی روح چالیس برس کے لگ بھگ لگتی تھی۔ دوسری جانب جو پوسٹ مین کی روح تھی وہ بالکل جوان اور توانا محسوس ہوتی تھی۔

ان دونوں روجوں نے کچھ عرصے تک نیشنل ہائی وے نمبر ۱۲/۸ پر مختلف حادثات برپا کیے۔ اس معاملے میں جب انگلستان کے حکام نے تحقیقات کی تو یہ ظاہر ہوا کہ جس پوسٹ مین کی روح اسی سڑک پر نمودار ہوتی تھی اس کا نام ولیم وال تھا۔ ۱۸۹۹ء میں ولیم وال نام کا پوسٹ مین ڈاک تقسیم کر رہا تھا۔ وہ بڑا سخت ترین ذہن تھا۔ چاروں طرف گہری دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ڈاک تقسیم کرتے ہوئے وہ اسی سڑک کو کراس کر رہا تھا کہ ایک ٹرک نے اسے کچل کر رکھ دیا۔ بس اسی دن سے اس سڑک پر اس پوسٹ مین کی روح نے نمودار ہونا شروع کیا۔ جب سیاح سے متعلق تحقیقات

ہے لوگوں کو ہنسائیں سکتی۔ بس اسی چیلنج کے طور پر بیٹی جون نے ایک مزاحیہ قبول کر لیا کہ وہ ہر صورت میں اپنے قماشائیوں کو ہنسا کر رہے گی۔

جس وقت یہ ڈرامہ شروع ہوا بیٹی جون نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ حرکات سے اپنی گفتگو سے متاثرائیوں کو ہنسانے کی کوشش کرے لیکن وہ بری ناکام رہی اس لیے کہ پوری کوشش کرنے کے باوجود بھی وہ پورے ہال میں قہقہہ بلند کرانے میں بھی ناکام رہی۔ اس صورتحال نے بیٹی جون کو کافی حد تک تنہا اور حواس باختہ کر کے رکھ دیا تھا۔

جس وقت ڈرامہ جاری تھا اور بیٹی جون لوگوں کو ہنسانے کی پوری طرح ناکام رہی تھی اور اسے جب یہ احساس ہو گیا کہ وہ اپنی کوشش میں بری طرح ناکام ہے تب اس کی مصلحتاً ہنس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس نے تو اس کردار کو چیلنج کے قبول کیا تھا اور اگر وہ ہنسانے میں کامیاب نہیں ہوتی تو سنجیدہ کرداروں میں بیٹی جون کی شہرت متاثر ہو سکتی تھی۔ بہر حال اس ڈرامے کے دوران بیٹی جون رازہ لگا لیا کہ وہ اپنے اس چیلنج میں ناکام ہے۔

جس وقت اسٹیج پر بیٹی جون انتہائی مصلحتاً اور پریشانی میں مبتلا تھی اچانک انقلاب نمودار ہوا تھا اس لیے کہ بیٹی جون نے محسوس کیا کہ کوئی مادیاتی قوت نہ دیکھا ہاتھ اس کے جسم کو بڑی نرمی سے پکڑ کر اپنے انداز میں آگے پیچھے کرنے لگی بیٹی جون ایک پرانی اور کامیاب اداکارہ تھی۔ اور اس نے یہ بھی سن رکھا تھا۔ اسے تھخیر میں روحوں کی آمد ہوتی ہے لہذا جس وقت کسی مادیاتی قوت نے اس کے پکڑ کر اپنی مرضی کے مطابق بری نرمی سے آگے پیچھے کرنا شروع کیا تو اس نے رے پر کسی قسم کا خوف اور پریشانی کے آثار نہ نمودار ہونے دیے۔ اس نے وہ ناکامی ادا کرنے کے لیے یاد کرنے سے پہلے یاد کرنے سے پہلے شروع کر کے۔

جس وقت اس مادیاتی ہاتھ نے بڑے پیار سے انداز میں ڈانٹا لگ بولنے کے عجیب سے انداز میں بیٹی جون کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں حرکت دینا شروع کیا جون کی کوئی اہمیت نہ تھی اس لیے کہ اس کی ان حرکات سے تھخیر کے ہال کے قہقہوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بیٹی جون حالانکہ اپنی مرضی سے آگے پیچھے

انگلستان میں ڈیورولینڈ تھخیر اپنی نوعیت میں روحوں کی آمد کی وجہ سے اچھا درجہ کا مشہور ہے۔ یہ مشہور و معروف تھخیر 1663ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔ جو لوگ اس تھخیر میں آتے جاتے رہے یا جو اس میں کام کرنے والے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ لگ بھگ سات کے قریب روحوں مستقل طور پر اس تھخیر سے وابستہ تھیں۔ اور جو روحوں اس تھخیر میں آتی تھیں۔ وہ اپنی نوعیت میں بھی عجیب و غریب تھیں۔ ان میں سے ایک روح کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دو سو سال سے ہے۔ اس کے علاوہ جو تھخیر میں ان کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پہلی روح کی نسبت نئی ہیں۔ اور جو روحوں کو ڈیورولینڈ تھخیر میں آنے سے سو سال کے قریب گزر چکے ہیں۔ ان ساخ روحوں میں سے دو دنیا کی مشہور و معروف روحوں ہیں۔ جن کے متعلق کافی تفصیل سے معلومات فراہم ہیں۔ باقی پانچ سے متعلق ڈیورولینڈ تھخیر والوں کے پاس کوئی خاص تفصیل نہیں ہے۔

ان میں سے ایک روح جو سب سے زیادہ اہم خیال کی جاتی ہے۔ وہ تھخیر کے اندر کام کرنے والے اداکاروں اور گانے والوں کی مدد بھی کرتی رہی ہے۔ بیٹی جون دنیا کے تھخیروں کی بہترین اداکارہ خیال کی جاتی تھی۔ لیکن یہ سنجیدہ اور نمزداد اداکارہ کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ ایک بار اپنے اس تھخیر میں ایک مزاحیہ کردار بطور چیلنج قبول کیا اس لیے کہ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ بیٹی جون صرف سنجیدہ اداکارہ کی

جس وقت ڈورین ڈیوک اسٹیج پر گئی اس وقت اس کے بھرے پر گھبراہٹ اور
 ڈیوک کے آثار تھے۔ پیراجانک اسٹیج پر ایک ماورائی قوت نے جو ایک روح تھی اس
 نے ڈورین ڈیوک کا ہاتھ تھام لیا ڈورین ڈیوک خود کا کہنا ہے کہ پہلے تو وہ بہت خوفزدہ
 لگی وہ اپنا ہاتھ چھو کر چاہتی تھی کہ اسٹیج سے نیچے بھاگ جائے پر جس قوت نے اس
 ہاتھ جلی نرمی سے پکڑا تھا اس نے اس سے بھی زیادہ نرمی میں سرگوشی کے انداز میں
 بے مخاطب کرتے ہوئے اسے تسلی دی اسے ڈھارس دی۔ اور اسے یہ بھی مشورہ دیا
 کہ اپنے کام کی ابتدا کرے۔ وہ اسکا ہاتھ تھامے رہے گا اس کے ہاتھ تھمتنے کی وجہ
 سے بہترین انداز میں موسیقی کے اپنے امتحان سے گزر سکتی ہے۔

کہتے ہیں ڈورین ڈیوک نے اس روح کی بات مان لی۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کے
 ہاتھ میں دے دیا۔ اور اپنے کام کی اس نے ابتدا کی۔ موسیقی کے اس امتحان میں
 برین ڈیوک نے ایسی عمدہ اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا کہ وہ اول قرار دی
 گئی اور جو ڈرامہ "بادشاہ اور میں" کے نام سے پیش کیا جانے والا تھا انہیں اسے رکھ
 لیا گیا تھا۔ اس طرح اس روح کی مدد سے ڈورین ڈیوک نے بھی تھیٹر میں کامیابی
 حاصل کی۔

اس قسم کے واقعات اکثر و بیشتر اس تھیٹر میں نمودار ہوتے رہے ہیں۔ سسر
 لیو۔ ہے۔ مکتبین جو اس تھیٹر کے وابستگان میں سے سب سے پرانے تھے اور
 اسے پیش کرنے کا بہترین تجربہ رکھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ اس تھیٹر میں سب سے
 زیادہ مزاحیہ اداکار جو گری مالڈی کی روح نمودار ہوتی رہی ہے۔ جو گری مالڈی نے اس
 میز میں بیٹھنا ڈراموں میں کام کیا اور 1828ء میں اس تھیٹر سے وہ ریٹائر ہوا تھا۔
 نئے آخری بار 27 جون 1828ء کو اس تھیٹر میں اداکاری کا مظاہرہ کیا۔ اس
 وقت پر اس نے اپنے ساتھی اداکاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے مرنے
 کے بعد اس کی روح بھی اس تھیٹر میں کام کرنے والے بنے پرانے اداکاروں کی رہائی
 پاتی رہے گی۔ ڈیو۔ ہے۔ سکتے تین کا کہنا ہے کہ جو روح اسٹیج پر نمودار ہو کر بیٹنی جون
 نے علاوہ ڈورین ڈیوک اور دوسرے اداکاروں کی مدد کرتی رہی ہے وہ یقیناً مزاحیہ اداکار

دائیں بائیں نہیں ہو رہی تھی ایک ماورائی ہاتھ یہ کام کر رہا تھا۔ لیکن متاثرینوں نے
 اسے بھی بیٹنی جون کی ایکٹنگ ہی سمجھا اور جس انداز میں وہ لڑکھواتے ہوئے بیٹنی
 ہوئے اور تقریباً گھبرانے کے انداز میں تقریباً دائیں بائیں آگے پیچھے ہو رہی تھی اس انداز
 نے متاثرینوں کو ہنسا ہنسا کر لونا دیا تھا۔

اس کے بعد وہ ماورائی قوت جو اس تھیٹر میں آنے والی روح تھی اس نے بیٹنی
 جون کی مزید مدد کی جس وقت بیٹنی جون ڈائینگ بول رہی تھی اس روح نے اس کے
 ہاتھ کو پکڑ کر نیچے اوپر اور چاروں طرف غیب سے انداز میں ہلانا شروع کیا۔ ساتھ ہی
 کبھی کبھی بیٹنی جون کی گردن کو بھی پکڑ کر دائیں بائیں مناسب موقع پر وہ بلا دیتی تھی
 ان حرکات سے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ پہلے سے بھی زیادہ طوفانی انداز میں ہنسنے لگے
 تھے۔ جس وقت یہ ڈرامہ ختم ہوا تو لوگوں نے بیٹنی جون کی اس قدرتی حرکات اور اس کے
 ڈائینگ کی ادائیگی کے انداز کو بے حد پسند کیا تھا۔ یوں تھیٹر میں آنے والی اس روح
 کی مدد سے بیٹنی جون جو پہلے صرف سنجیدہ کردار میں پسند کی جاتی تھی وہ مزاحیہ
 کرداروں میں بھی پہلے نمبر پر تسلیم کی جانے لگی تھی۔

جس ڈرامے میں بیٹنی جان نے کردار ادا کیا تھا اس ڈرامے کے بعد ڈیوڈ
 لینڈ تھیٹر میں ایک اور ڈرامہ پیش کیا جانا تھا جس کا نام "بادشاہ اور میں" تھا۔ اس
 میں کچھ گانے والوں کے بھی کردار تھے۔ لہذا ڈرامہ شروع کرنے سے قبل انگلستان کے
 بہت سے گانے والوں اور موسیقاروں کو بھی اس ہال میں دعوت دی گئی تھی تاکہ
 گانے میں اٹکا ٹیسٹ لیا جائے اور جو گانے میں اچھے رہیں انہیں آئندہ ڈرامے میں کردار
 دیا جاسکے۔

ان مقالوں میں حصہ لینے کے لیے ڈورین ڈیوک نام کی ایک انتخابی
 خوبصورت عورت بھی تھیٹر میں آئی تھی۔ جب اسکا ٹیسٹ لینے کے لیے اسے اسٹیج
 بلایا گیا تو وہ بڑی خوفزدہ تھی۔ حالانکہ وہ اچھی گانے والی تھی شکل کی بھی خوبصورت
 تھی۔ لیکن چونکہ وہ اسٹیج پر پہلی بار نمودار ہوتی تھی لہذا وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ
 جس کارکردگی کا وہ مظاہرہ کرنا چاہتی ہے ایسی کارکردگی کا مظاہرہ تھیٹر میں لسنے والوں
 کے سامنے نہیں کئے گی۔

جو گری مالدی ہی کی روح تھی۔

باقی قہی پھر ذرا غافلے پر تھمیر کی دوسری جگہ جا کر وہ نمودار ہوتی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے غافلہ سمت کی دیوار میں درپوش ہو جاتی تھی۔

یہ روح جو براؤن سوٹ پہن کر آتی تھی۔ اس کا قد کاٹھ ساڑھے چھ فٹ کے ل ب لمبک تھا۔ جس وقت وہ تھمیر میں نمودار ہوتی تھی نہ کسی کو شک کرتی تھی نہ شور مچا کرتی تھی۔ نہ کسی نے لکھی تھی نہ اس کے علاوہ کوئی ایسی حرکت کرتی تھی جس ایک سمت سے وہ روح لٹکتی قہی لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے دوسری دیوار کی طرف چلی جاتی تھی۔

اس روح سے متعلق بڑی تحقیقات کی گئی کہ یہ روح کس کی ہے۔ کون کون تھا جو اس تھمیر میں کام کرتا تھا اونچی ایڑی والا جوتا پہنتا تھا۔ تین کونوں والا پٹ استعمال کرتا تھا۔ اور اکثر براؤن رنگ کا سوٹ استعمال کرتا تھا۔ تحقیقات کے بعد بھی کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ روح کس کی تھی۔ آخر یہ راز 1838ء میں کھلا۔

وہ اس طرح کہ 1838ء میں اس تھمیر کے کچھ حصے کو گرہ کر اس کی تعمیر نو فیصلہ کیا گیا۔ جب وہ حصہ گرہ لایا گیا تو دیکھا گیا کہ ایک دیوار میں خلا تھا۔ لگتا تھا وہ لا بنایا گیا ہو اور اس خلا کے اندر ایک انسانی ڈھانچہ تھا جس کی پسیلیوں کے قریب ایک برا خنجر بھی نمودار ہوا تھا اور اس ڈھانچے کے نیچے اور دائیں بائیں براؤن رنگ کا لٹا ہوا کپڑا ملا تھا جس قسم کا سوٹ پہن کر وہ روح نمودار ہوا کرتی تھی۔

جس وقت یہ ڈھانچہ نمودار ہوا تب حکام اور لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ روح ایک دیوار سے نکل کر دوسری دیوار کی طرف جاتی تھی اور براؤن رنگ کا سوٹ پہنتی رہتی تھی وہ اسی ڈھانچے کی روح تھی۔

بعد میں جب تحقیقات کی گئی تو پتہ چلا کہ اس تھمیر کا کبھی ایک بھگر ہوا کرتا تھا۔ نام کر سٹورمربیک تھا۔ یہ شخص انتہائی ظالم و جاہل اور شیطان صفت انسان تھا جو اس کے معاملات میں مداخلت کرتا یہ اسے رستے سے ہٹانے میں بڑا ماہر تھا۔ چونکہ اس کا سوٹ پہنتے والی اس روح کو تھمیر کی بالکونی میں دیکھا جاتا تھا لہذا یہ دائرہ لگایا گیا کہ جس شخص کی یہ روح ہے وہ کبھی بالکونی میں کام کرتا ہو گا۔ تھمیر کا روم ہو گا۔ اس کی کوئی حرکت تھمیر کے تیز کر سٹورمربیک کو پسند نہیں آتی ہو گی اور

یہ روح عموماً اس وقت نمودار ہوتی تھی۔ جب کوئی اداکار اسٹیج پر اپنے فن مظاہرہ کرتے ہوئے جھگڑاٹ یا پریشانی کا شکار ہوتا تھا۔ ایسے ہر موقع پر جو گری مالدی کی روح نمودار ہوتی تھی اور اس اداکار کی مدد کر کے اسے کامیابی سے ہمکنار کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اس تھمیر کے میک اپ روم میں بھی ایک عجیب و غریب واقعہ نمودار ہوتا تھا۔ وہ یہ کہ اس تھمیر میں چارلس نام کا ایک اداکار کام کیا کرتا تھا۔ انتہائی بد مزاج اور غصیلہ تھا۔ یہ دو سو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک بار غصے میں اس نے اپنے ایک ساتھی اداکار کو میک اپ روم میں قتل کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے اس قتل کے بعد کئی بار جس اداکار کو قتل کیا گیا تھا اس کی روح میک اپ روم اندر جو لیپ رکھا رہتا تھا اسکے پاس نمودار ہوتی رہی تھی۔ اس حالت میں کہ وہ اس لیپ کے پاس لیٹ جاتی تھی اس لیے کہ اسی لیپ کے قریب چارلس نے اداکار کو قتل کیا تھا۔ اس تھمیر میں کام کرنے والے انگنت اداکاروں نے اس شخص روح کو کئی بار لیپ کے قریب دیکھا ہے چارلس نے ختم کیا تھا اس کے علاوہ ایک مزاحیہ اداکار ڈان لینو کی روح کو بھی بہت سے متاشایوں اور ساتھی اداکاروں نے تھمیر کے بال اور میک اپ روم میں دیکھا۔

اس تھمیر میں جو روح سب سے پرانی نمودار ہونے والی تھی۔ اور جو لوگ سب سے زیادہ دیکھی اور جو لوگوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے وہ ایک ایسے روح ہے جو براؤن سوٹ پہنتے ہوئے نمودار ہوتی ہے اس روح کے سر پر تین کونوں والا ہیٹ ہوتا ہے اور پاؤں میں اس نے اونچی ایڑی کا جوتا پہن رکھا ہوتا ہے۔ یہ روح اوقات تھمیر کی ایک دیوار سے لٹکتی ہوئی نمودار ہوتی ہے۔ اور تھمیر کی مختلف سٹا کے بیچ بیچ ہوتی ہوئی تھمیر کے دوسری جانب کی دیوار میں جا کر درپوش ہو جاتی ہے دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اکثر وہ پھر کے شو میں یہ روح نمودار ہوتی تھی دیوار سے نکل کر تھمیر کے بیچ سے نکل کر دوسری دیوار کی طرف جاتی تھی اگر دوران کوئی متاشائی اسے رکھنے کے لیے کہتا یا اس کے رستے میں حائل ہونے کو شش کرتا تو دیکھنے والوں کا کہنا تھا کہ لمحہ بھر کے لیے وہ روح نگاہوں سے اوجھل

کر سٹو فریک نے اسے قتل کر کے دیوار کو کھد کر اس کی لاش کو وہاں رکھ دیا ہوگا۔
 کر سٹو فریک بدنام زمانہ شخص تھا۔ تھیز پر اس کا پورا کنٹرول اس کی پوری
 گرفت تھی اس لیے کہ اس دور کی کوئین این سے اس کی جڑی واقفیت تھی۔ کوئین
 سے اس کا ملنا جلتا تھا۔ لہذا کوئی بھی اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت و جرات
 نہیں رکھتا تھا۔

اس معاملے پر جب تحقیقات کی گئی تو تحقیقات کرنے والوں نے یہ ب
 باب پیش کیا کہ لگ بھگ سترھویں صدی میں اس کر سٹو فریک نے اس ملازم کو دم
 بالائی کے حصے میں متعین ہوا کرتا تھا کسی بنا پر قتل کر دیا تھا۔ اور دیوار کھد کر اس
 کی لاش کو وہاں رکھ دیا تھا۔ براؤن رنگ کا سوٹ پہن کر نمودار ہونے والی یہ روٹ
 آخری بار 1960ء میں اس تھیز میں نمودار ہوئی تھی۔ اس کے بعد کسی نے بھی اسے
 اس تھیز میں نمودار ہوتے نہیں دیکھا۔

یہ بھی اندازہ لگایا گیا تھا کہ جب تک تھیز کا نیا منظم مسٹر میکے تین زندہ ہوا
 اس وقت تک وہ روح اس تھیز میں آتی جاتی رہی۔ مسٹر میکے تین چونکہ 1960ء میں
 اس تھیز میں نمودار ہوئی تھی۔ اس کے بعد کسی نے بھی اسے اس تھیز میں نمودار
 ہوتے نہیں دیکھا۔

جب تک تھیز کا نیا منظم مسٹر میکے تین زندہ ہوا
 اس وقت تک وہ روح اس تھیز میں آتی جاتی رہی۔ مسٹر میکے تین چونکہ 1960ء میں
 فوت ہو گیا تھا لہذا کہا جاتا ہے کہ مسٹر میکے تین کے مرنے کے ساتھ ہی 1960ء کے
 بعد بھورے رنگ کا سوٹ پہن کر نمودار ہونے والی اس روح نے بھی تھیز میں آنا ہوا
 بند کر دیا تھا۔

امریکہ کے سائنسدانوں نے روح سے متعلق کافی ریسرچ کی ہے۔ اور یہ
 جلنے کی کوشش کی ہے کہ رو میں آفر کیسے اور کس طرح بڑے بڑے اور بھاری وزن
 فضاؤں میں معلق کر دیتی ہیں۔ دوسروں کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ کیسے چیزوں
 کو جلا دیتی ہیں اور موقع پڑے تو ضرورت کے وقت موجودہ دور میں انسان کو بجلی کے
 شاک بھی دے دیتی ہیں۔ سائنسدان اب تک یہ جلنے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ
 یہ سب کچھ رو میں کیسے اور کس طرح کرتی ہیں۔

اس لیے کہ دنیا میں ایسے بہت سے واقعات نمودار ہو چکے ہیں کہ بڑے بڑے
 اور بھاری وزن رو میں نے فضاؤں میں معلق کئے۔ اب تک جو تحقیق ہوئی تھی اس
 کے مطابق سائنسدان یہ خیال کرتے تھے کہ رو میں زندہ انسانوں کو استعمال کرتے
 ہوئے ایسے کام سرانجام دیتی ہیں لیکن 1981ء میں امریکہ میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا
 کہ جس کی بنا پر سائنسدانوں کو اب تک کی تحقیق میں تبدیلی اور نظر ثانی کرنی پڑی۔
 یہ واقعہ کے کیسا تھا تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

انسان کے پاس جب دولت کی کثرت ہوتی ہے تو وہ اپنے آپ کو تین گناہوں
 میں سے ایک یا تینوں ہی میں ملوث کر لیتا ہے۔ اول یہ کہ جب اس کے پاس دولت
 آتی ہے تو جس برنس کے ذریعے اس کے پاس دولت آتی ہے وہ اس پر کوئی نگاہ رکھتا

مناش کشی بھی دیکھنے کے لیے گیا۔ وہاں مختلف قسم کے کمیونٹر دیکھ کر کیلی چڑھا ہوا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ ایک انتہائی سود مند اور ماڈرن کمیونٹر لپٹے لیے خریدے گا جب وہ اس مناش میں گیا تو مختلف کمیونٹر دیکھتے ہوئے اس پر یہ بھی انکشاف ہوا کہ کمیونٹر شطرنج بھی کھیل سکتے ہیں اس انکشاف پر کیلی فوراً حرکت میں آیا اور اس نے ایسے ہی ایک کمیونٹر کے لیے آرڈر دے دیا۔ رقم بھی جمع کرادی یوں ایک ماہ بعد کیلی کو یہ کمیونٹر مل گیا اور اس نے اسے لپٹے گھر کے ایک کمرے میں نصب کر دیا۔ یہ وہی گھر تھا جہاں کیلی نے لپٹے دوست ٹلٹ کا پلاسٹرٹف پیرس کا بنا ہوا عہدہ رکھا ہوا تھا۔

کیلی نے جو کمیونٹر خرید ا تھا وہ اس نے کچھ اس طرح نصب کر لیا کہ اس کے ایک طرف کرسی پر اس کے مرنے والے دوست کا عہدہ کرسی پر اس طرح بٹھا دیا گیا تھا جیسے وہ کسی اور کے سلسلے پیچھے کر کمیونٹر شطرنج کھیل رہا ہو۔

یہ سارا کام کرنے کے بعد اس نے کمیونٹر شطرنج کے کھیل کی اہمیت کی۔ پہلے دن اسے یہ کام بہت اچھا لگا کافی در تک وہ کمیونٹر شطرنج کھیلتا رہا کمیونٹر نے اس کے سلسلے شطرنج کا پہلا وہ کھیل پیش کیا جو اٹھارویں صدی عیسوی میں فرانس کے گریٹ ماسٹر نے ایجاد کیا تھا۔ اور یہ کھیل کیلی کے مرحوم دوست کا پسندیدہ کھیل تھا۔ یہ کھیل کمیونٹر پر رات کے وقت کیلی لگ بھگ تین گھنٹے تک کھیلتا رہا آخر وہ تھک گیا جب وہ آرام کرنے کے لیے بستر پر جانے لگا تو دنگ رہ گیا اس نے دیکھا کہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے انتہائی دوست ٹلٹ کا عہدہ کرسی پر جس جگہ اس نے رکھا تھا وہ اس سے کہیں آگے بائیں اس انداز میں کمیونٹر کے سلسلے بٹھا تھا۔ جیسے وہ کمیونٹر کو حرکت میں لا رہا ہو۔ جس جگہ مجھے کی کرسی کیلی نے رکھی تھی۔ وہ کرسی اب پہلے سے کافی آگے تھی اور اس کے بعد جو دوسرا انکشاف کیلی پر ہوا وہ اسے زیادہ چونکا دینے والا تھا۔ اور وہ یہ کہ اس نے دیکھا کہ کمیونٹر کا پلگ نہیں لگا ہوا تھا اس کے بعد جو کمیونٹر کام کر رہا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ جب پلگ ہی نہیں لگا ہوا تو بجلی کے بغیر کمیونٹر کیسے کام کر سکتا ہے۔ پھر اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید کمیونٹر کے اندر پہلے سے بجلی کا ذخیرہ کرنے کا کوئی سسٹم ہو بہر حال اس رات وہ بات آئی گئی ہو گئی اور وہ اس مسئلے

پے تاکہ وہ زوال کی طرف نہ جائے۔ دوئم یہ کہ وہ سو سائٹی کے اندر رہنے والی بڑی بڑی مجالس میں شرکت کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ جو دولت اس کے پاس ہے اسے استعمال کر کے اپنے آپ کو نمایاں کرے اور معاشرے میں شہرت حاصل کرے۔ تیسرا یہ کہ وقت گزرنے کے لیے وہ سفر کر سکتا ہے یا اپنے ماضی کی پرانی یادوں میں کھوسکتا ہے ایسا ہی ایک واقعہ امریکہ میں 1981ء میں پیش آیا۔

امریکہ 68 سالہ ایک تاجر تھا نام اس کا پیٹرک کیلی تھا انتہا درجہ کا امیر تھا اس لیے کہ اس کے بہت سے کاروبار تھے اس کی اپنی فرانسسورٹ کا سلسلہ تھا اس کی ٹیکسٹائل مل تھی کھولنے بنانے کی ایک فیکٹری تھی اس کے علاوہ اس نے اپنا کچھ سرمایہ کنسٹرکشن کمپنیوں میں لگایا ہوا تھا۔ اور کچھ بڑے بڑے ہوٹلوں میں بھی اس کے حصص تھے۔

اس کے علاوہ کچھ شینگ کمپنیوں میں بھی اس کا کافی بڑا سرمایہ لگا ہوا تھا ابڑا یہ کہا جاتا تھا کہ پیٹرک کیلی امریکہ کے امیر و کبیر چند لوگوں میں سے ایک ہے۔ پیٹرک کیلی شطرنج کھیلنے کا بڑا شوقین تھا۔ شطرنج کھیلنے میں اس کا ایک ساتھی ہوا کرتا تھا نام اس کا ماڈرائس ٹلٹ تھا یہ شخص کبھی امریکہ کا صاف اول کا پہلوان ہوا کرتا تھا اور 1955ء میں اس کی وفات ہو گئی تھی۔

ایک اچھا پہلوان ہونے کی وجہ سے اور پیٹرک کیلی کا دوست ہونے کی وجہ سے ماڈرائس ٹلٹ کی زندگی ہی میں اس کا پلاسٹرٹف پیرس کا ایک عہدہ تیار کیا تھا۔ اس عہدے کے بنانے کے جس قدر افراتاجات تھے وہ پیٹرک کیلی نے برداشت کئے تھے۔ 1955ء میں امریکہ کا ٹلٹ نام کا پہلوان جب مر گیا تو اس کے مجھے کو اس کے دوست پیٹرک کیلی نے لپٹے گھر میں رکھ لیا۔ اپنے دوست کی وفات کے بعد کیلی کچھ عرصہ تک جتنا ہی محسوس کرتا رہا اس لیے کہ کسی اور کے ساتھ شطرنج کھیلنے کو اس کا جی نہیں کرتا تھا۔ لپٹے دوست کے ساتھ شطرنج کھیلنے کا وہ ایسا عادی ہو چکا تھا کہ اس کے علاوہ کسی کے ساتھ اس نے شطرنج کھیلا پسند نہ کیا۔ اس کی کو پورا کرنے کے لیے اس نے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ بڑس میں مصروف رکھا۔

کچھ ہی امریکہ میں 1989ء میں کمیونٹر کی ایک مناش منعقد کی گئی۔

پر کوئی توجہ نہ دے سکا تاہم یہ حادثہ اسکے ذہن میں ضرور چپک کر رہ گیا تھا کہ محمد آخر خود بخود کیسے بالکل کمیوٹر کے آگے تک ٹھکتا چلا گیا تھا۔

اس صورتحال نے کیلی کو بڑا پریشان کر دیا تھا اس کا دوست ماڈرائس ٹلٹ جو امریکہ کا ایک پیشہ ور پہلوان تھا وہ 45 سال کی عمر میں ایک عجیب و غریب بیماری میں مر گیا تھا اسکے جسم کی ہڈیاں بڑے انگوٹے سے انداز میں مزنا شروع ہو گئی تھیں۔ ماڈرائس ٹلٹ نے خود بھی کافی علاج کروایا اس سلسلے میں کیلی نے بھی اس کی مدد کی کہ وہ کسی طرح ٹھیک ہو جائے لیکن اس عجیب و غریب بیماری سے ماڈرائس کو نجات نہ ملی اور وہ اسی بیماری سے ہلاک ہو گیا۔ اب جو کیلی نے خود بخود اس کے مجھے کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو کیلی کے لیے یہ بات انتہائی پریشان کن تھی دو باتیں عجیب ہوتی تھیں ایک یہ کہ پلگ لگائے بغیر کمیوٹر کام کرنے لگا تھا دوسرا محمد کرسی سمیت خود بخود آگے بڑھا تھا۔ پہلی بات کو کیلی نے اس لیے فراموش کر دیا تھا کہ وہ یہ سمجھا کہ کمیوٹر میں جپٹلے سے انرجی بھری ہو گی لیکن دوسرے واقعے کو وہ فراموش نہ کر سکا تاہم وہ رات گزر گئی۔

اگلے روز کیلی نے تجویز کر یا کہ وہ اس کمپنی سے رابطہ کرے گا جس سے اس نے کمیوٹر خریدے ہیں اور اس پر انکشاف کرے گا کہ پلگ لگائے بغیر کمیوٹر کیسے کام کرتا رہا اور پھر یہ کیا انہوں نے کمیوٹر کا وہ کھیل بھی فیڈ کیا ہوا تھا جو 1952 میں لہبار ہوا تھا یا کمیوٹر خود بخود ہی یہ چیز پیش کر رہا تھا۔

کیلے میساچوسٹس کے ایریا میں رہائش رکھتا تھا۔ کمیوٹر کمپنی کا دفتر وہاں سے کافی دور تھا۔ اور اگر وہ کمیوٹر والوں کو بلانے کے لیے ٹیلیفون کرتا تو کمیوٹر انجینئر زیادہ سے زیادہ اگلے روز وہاں آ سکتا تھا۔ تاہم اس نے کمیوٹر کمپنی کو ٹیلیفون کیا۔ اور ان پر انکشاف کیا کہ کمیوٹر خود بخود کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر اسکا پلگ لٹکا ہوا ہو جب بھی اسکی اسکرین کام کرتی ہے۔ اس نے کمپنی سے یہ بھی پوچھا کیا کچھ الیکٹرونک پاور جپٹلے سے کمیوٹر میں جمع کی گئی ہے کہ اگر اس کا پلگ نہ لگا ہو تب بھی وہ کام کرتا رہے۔ اس پر کمیوٹر کمپنی نے انکار کر دیا کہ پلگ لگے بغیر کمیوٹر کام ہی نہیں کر سکتا۔ اس پر کیلی نے مزید استفسار کیا کہ کیا اس میں 1952ء کا وہ کھیل بھی فیڈ کیا گیا ہے

جو فرانس کے ایک شخص نے لہبار کیا تھا۔ کمیوٹر کمپنی نے بتایا کہ نہیں۔ یہ کھیل تو اس میں فیڈ نہیں کیا گیا تھا۔ اور کمیوٹر صرف وہی پروگرام دکھا سکتا ہے جو جپٹلے سے اس میں فیڈ کئے گئے ہوں۔

اس سارے معاملے نے جہاں کیلی کو پریشان کر دیا تھا وہاں کمیوٹر کمپنی کے لوگ بھی بڑے فکر مند ہوئے۔ تاہم کیلی کے کہنے پر انہوں نے اپنا ایک انجینئر بھیجا تاکہ وہ کمیوٹر کو دیکھے کہ کیا اس میں کوئی خرابی تو نہیں ہو گی۔

کمیوٹر کمپنی کا انجینئر جب آیا تو اس نے دیکھا کہ کمیوٹر واقعی پلگ لگائے بغیر بھی کام کرتا تھا۔ اور شطرنج کا وہ کھیل جو 1952ء میں لہبار کیا گیا تھا اور جو کمیوٹر میں فیڈ نہیں کیا گیا تھا کمیوٹر وہ بھی خود بخود پیش کرتا تھا۔ یہ معاملہ اس انجینئر کے لیے بڑا پریشان کن تھا۔ اس نے کمپنی سے بات کی جس پر کمپنی نے اسے ہدایات جاری کیں کہ وہ کمیوٹر کو اٹھا کر کمپنی میں لے آئے اور مسٹر کیلی کو نیا کمیوٹر مہیا کر دیا جائے۔

اس پر مسٹر کیلی سے پہلا کمیوٹر لے لیا گیا اس کی جگہ اسے ایک ایسا نیا کمیوٹر مہیا کیا گیا جو انٹائیس ابتدائی اور سائڈ انتہائی ترقی یافتہ کھیل پیش کر سکتا تھا یہ کھیل جپٹلے سے اس کے اندر فیڈ کئے گئے تھے۔ اس کمیوٹر میں بھی شطرنج کا 1952ء کا وہ کھیل فیڈ نہ تھا جو جپٹلے کمیوٹر خود بخود پیش کرتا تھا۔

مسٹر کیلی کو نیا کمیوٹر دیتے سے جپٹلے اس کا بہترین انداز میں معائنہ کیا گیا۔ اور تسلی کی گئی کہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ کیلی نے اس کمیوٹر کو بھی جپٹلے کمیوٹر کی جگہ ہی نصب کر دیا۔ جہاں ایک طرف اس کے آئینہ جی، دست ملدے کا محمد رکھا ہوا تھا۔ کمیوٹر نصب ہونے کے بعد جو رات آئی اس رات مسٹر کیلی نے کمیوٹر تو نہیں چلایا لیکن اسے اس کمیوٹر کے کمرے میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ اس نے اس کمرے میں اپنے سرنے والے دوست کی روح دیکھی۔ جو کربا۔ میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتی تھی اور کبھی کبھی وہ جو اس کا محمد کمیوٹر کے سامنے رکھا تھا اس کو بھی درست کرتی تھی۔ بہر حال وقتی طور پر کیلی پریشان ہوا لیکن جب اس نے اپنے ذہن میں یہ بات جمائی کہ یہ اس کے دوست کی روح ہے اور اس کا وہ

یہ بات ان کے سامنے آئی کہ وہ صرف محمد ہی تھا اس کے اندر کوئی آلات نہیں تھے اور نہ کوئی الیکٹرونک کا سامان تھا جو کمپیوٹر کو متاثر کر سکے۔ اس بنا پر وہ محمد کیلئے کو واپس کر دیا گیا۔

چونکہ کیلئے اپنے گھر میں اپنے مرنے والے دوست کی روح کو دیکھ چکا تھا لہذا اسے یہ شک اور شبہ ہونے لگا کہ ہو نہ ہو کمپیوٹر میں یہ تبدیلی اس کے مرنے والے دوست کی روح کرتی ہے۔ اب کیلئے پر مزید انکشافات ہونے لگے۔ اکثر اوقات جب وہ کمپیوٹر پر کسی کھیل کی ابتدا کرنا چاہتا تھا تو کمپیوٹر کام کرتا ہی بند کر دیتا تھا۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوا کہ جب کبھی کیلئے اپنے مرنے والے دوست کے مجھے کو پیچھے ہٹا دیتا تب بھی کمپیوٹر کام کرنا بند کر دیتا۔ اور پھر ایسا بھی ہوا کہ وہ اس مجھے کو بالکل کمپیوٹر کے پاس لاکھڑا کرتا اور کمپیوٹر پھر بھی کام نہ کرتا۔ اس سے کیلئے نے یہ اندازہ لگایا کہ جس وقت کمپیوٹر آپ سے آپ کام نہیں کرتا اس کے خیال کے مطابق اس وقت اس کے دوست کی روح وہاں موجود نہ ہوتی تھی۔ اس لیے وہ کام نہیں کرتا تھا اور جس وقت کمپیوٹر آپ سے آپ کام کرنے لگتا اس وقت یقیناً اس کے دوست کی روح وہاں موجود ہوتی ہوگی۔

کیلئے اس سلسلے میں مزید مشورہ کیا۔ اس نے کمپیوٹر کے انجینروں سے بھی اور جو روحوں کے ماہر تھے ان سے بھی مشورہ کیا۔ جو الیکٹرونک کے ماہر تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کھیل جن کی کیلئے نے ابھی ابتدا ہی نہ کی ہو جو اس کے ذہن میں لے آئے وہ آپ سے آپ کمپیوٹر شروع ہو جاتے ہیں۔ اس پر وہ لوگ جو روحوں کے ماہر تھے انہوں نے کیلئے کو یہ فیصلہ دیا کہ اس کے دوست کی روح اس کی ذہنی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے کمپیوٹر پر وہ کھیل مبتدل کر دیتی ہے جو ابھی اس کے ذہن میں محفوظ ہوں بہر حال یہ سب کچھ کیسے ہوا یہ سارا سلسلہ ابھی تک راز اور دھند کی صورت میں ہے اور ابھی تک کوئی تحقیق نہیں ہو سکی۔

ایسا ہی ایک واقعہ ہندوستان میں مدھیہ پردیش کے ضلع ساگر میں بھی پیش آیا۔ اس ضلع کے نواحی گاؤں میں ایک محسوس نے کیپ لگایا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس

بہترین دوست تھا اور وہ اسے پریشان نہیں کرے گی۔ لہذا وہ اپنی جگہ مطمئن ہو گیا۔ اگلے روز اخبار میں شطرنج کا ایک نیا کھیل چھپا تھا اسی کھیل کو کیلئے نے کمپیوٹر پر آزمانے کا فیصلہ کیا۔ وہ کمپیوٹر پر بیٹھا کمپیوٹر کو اس نے آن کیا اور اس کھیل کی ابتدا کی۔ لیکن وہ حیران رہ گیا کمپیوٹر نے آپ سے آپ ہی کھیل کو تبدیل کر دیا تھا اور اسی کھیل کی ابتدا کر دی تھی جو 1952ء والا تھا۔ یہ صورتحال کیلئے کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ کمپیوٹر کا بنش اس نے آف کر دیا لیکن بنش آف کرنے کے بعد اس کی حیرت میں اور اضافہ ہوا کہ بنش آف کرنے کے باوجود کمپیوٹر آن ہی تھا اور اس کی اسکرین پر وہ کھیل موجود تھا جس کی ابتدا ہوئی تھی۔ گھبرا کر کیلئے نے کمپیوٹر کا بلک نکال دیا۔ اور یہ بات اس کے لیے مزید پریشانی کا باعث بنی کہ بلک نکالنے کے باوجود 1952ء میں کمپیوٹر آن بھی تھا اور اس کی اسکرین پر وہ کھیل بھی موجود تھا۔

اگلے روز کیلئے پھر کمپیوٹر پر بیٹھا۔ وہ کافی دیر تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر سوچتا رہا اس کے بعد اس نے اس کھیل کو یاد کیا جو 1952ء میں وہ اپنے مرنے والے دوست کے ساتھ بیٹھ کر کھیلا کرتا تھا۔ جب اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تو یکایک اس کے دیکھتے ہی دیکھتے 18 اپریل 1980ء کو کمپیوٹر نے اس اسکرین پر وہی کھیل دینا شروع کر دیا تھا جو کیلئے اور اس کے مرنے والے دوست کا پسندیدہ تھا جو وہ اپریل 1952ء میں کھیلا کرتا تھا۔

اگلے روز کیلئے نے پھر کمپیوٹر کمپنی کو فون کیا اور جو مسائل کمپیوٹر پیش کرتا تھا ان سے انہیں آگاہ کیا۔ اس پر کمپنی والے بڑے پریشان ہوئے انہوں نے انجینروں کی پوری ٹیم مسٹر کیلئے کے گھر بھیجی تاکہ مسٹر کمپیوٹر کا جائزہ لے کہ وہ اس طرح کی تگڑ بڑ کیوں کرتا ہے۔ انجینروں کی اس ٹیم نے کمپیوٹر کو کھول کر اس کا جائزہ لیا اس میں کوئی خرابی نہ تھی اور وہ حسب معمول کام کر رہا تھا۔ چونکہ کمپیوٹر کے قریب ہی کیلئے کے دوست کا پلاسٹر آف میز کا بنا ہوا محمد رکھا تھا لہذا انہیں یہ شک ہوا کہ اس مجھے کے اندر کوئی الیکٹرونک آلات نہ ہوں جن کی وجہ سے وہ کمپیوٹر پر متاثر کرتا ہو۔ لہذا اس مجھے کو اٹھا کر انجینئر اپنی کمپنی میں لے گئے وہاں اس مجھے کا ایسکرے کیا گیا لیکن

مگر کے دھرم شالے کی زمین پر اپنا مکان تعمیر کر لیا اس طرح اس روح سے اسے نجات ملی۔

علاقے کے لوگوں کو جو چھوٹی موٹی شکایات ہوں وہ خود سننے اور موقع پر ہی لوگوں کی تکالیف رفع کرنے کے لیے احکامات جاری کر دے۔
یہ صورتحال لوگوں کے لیے بڑی فائدہ مند ہوئی سو مدد تھی۔ لہذا جس وقت محسٹریٹ نے وہاں کیسپ لگایا لوگوں نے دھڑا دھڑا درخواستیں دینی شروع کر دیں۔ محسٹریٹ بھی بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اس نے لوگوں کی شکایات کا ازالہ کرنا شروع کر دیا۔

پھر محسٹریٹ کے پاس ایک ایسی درخواست آئی۔ جس میں لکھا تھا کہ اس کے گھر میں ایک روح نے اپنا ٹھکانہ بنالیا ہے وہ روح انہیں ناجائز شگ کر رہی ہے۔ اور گھر کے افراد کے قتل عام کا بھی اس روح نے کام شروع کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ وہ روح اس مکان میں رہنے والوں کے لیے طرح طرح کی تکلیفوں کا باعث بھی بنتی ہے۔ اور مختصر سے عرصے میں اس نے نہ صرف یہ کہ اس گھر کے آٹھ افراد کا قتل کر دیا بلکہ اس کے خاندان کے بہت لوگوں کو زخمی بھی کر دیا۔

درخواست گزار نے اپنی درخواست میں حکومت سے یہ گزارش کی تھی کہ اسے اس روح سے نجات دلائی جائے۔ محسٹریٹ نے اس مسئلے میں اس گاؤں کے سردار سے رابطہ قائم کیا۔ جس شخص نے یہ درخواست دی اس کے گاؤں کے سردار نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ کوئی روح ان کے گھر میں رہتی ہے۔ اس نے نہ صرف یہ کہ آٹھ افراد کا قتل کیا بلکہ بہت سے لوگوں کو اس نے زخمی بھی کیا محسٹریٹ نے اس شخص کے رشتہ داروں سے بھی رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ وہ روح ایسے ہی اس شخص کے لیے ایک روحانی کرب ہی نہیں اذیت اور مصیبت کا باعث بنی ہوئی ہے۔

آخر کافی تحقیقات کے بعد یہ چلا کہ واقعی کوئی روح اس کے گھر میں رہتی ہے جو اس کے اہل خانہ سے نالاں ہے ان سے ناراض ہے اور ہر وقت انہیں نقصان پہنچانے کے درپے رہتی ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے درخواست گزار کو ایک دھرم شالے کی زمین مفت مہیا کر دی گئی۔ ساتھ ہی اسے لکڑی بھی مہیا کی گئی تاکہ وہ اس دھرم شالے کی زمین پر اپنے لیے مکان تعمیر کر لے۔ اس شخص نے اپنا آبائی مکان ترک

وقت یہ حرمیں کرتی ہے۔

آخر چھوٹی بچی رتو شری پر کڑی نگاہ رکھی گئی۔ چند دن تک ہر وقت اسے نگاہ میں رکھا جانے لگا۔ اس کے باوجود گھر میں مختلف کمروں میں لکیریں کھینچی جانے لگیں برتن ٹوٹنے لگے۔ قیمتی کتابیں پھٹنے لگیں۔ پھر مزید یہ کہ گھر کے اندر رنگ دار پینسلوں کی لکیریں بھی دکھائی دینے لگیں اور رتو شری کے پاس کوئی رنگ دار پینسل نہیں تھیں۔

گھر کے کچے افراد کا اب بھی یقین تھا کہ یہ حرمیں رتو شری کرتی ہے اور اس وقت کرتی ہے جب اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ چونکہ گھر میں کتابیں بھی پھٹتی تھیں۔ برتن بھی ٹوٹتے تھے۔ لہذا کتابیں اور برتن اتنی اونچی جگہ پر رکھے جانے لگے جہاں ننھی رتو شری کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ اس احتیاط کے باوجود بھی دیکھا گیا کہ جو برتن اور کتابیں اونچی جگہ رکھی جاتی تھیں۔ وہ کتابیں بھی پھٹنے لگیں۔ برتن بھی ٹوٹنے لگے تھے۔ لہذا لوگوں کو یقین ہو گا کہ یہ حرکت ننھی رتو شری نہیں کرتی۔

اس کے بعد چند دن کا وقت ڈال کر ایک اور بہت بڑا حادثہ پیش آیا۔ اس لیے کہ ہے۔ کے گہا کی چھ سو صفحات کی ایک اہتانی اہم کتاب وہ کسی نے ایسے پھاڑی جیسے کسی اہتانی طاقتور قوت نے کتاب دونوں اطوں میں لے کر پیر ڈالی ہو۔ اس لیے کہ سارے صفحات ایک ہی جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ جو اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ کتاب کو اہتانی طاقتور اطوں نے پھاڑا ہے۔ یہ کسی چھوٹے بچے کا کام نہیں ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا تھا کہ اگر جوان آدمی بھی زور لگا کر اس کتاب کو پھاڑنا چاہے تو اس طرح پھاڑ نہ سکتا تھا جیسے کتاب پھٹی تھی۔ اب گھر والوں کو یقین ہو گیا کہ ان کے گھر میں کوئی غیر معمولی انسان ہی ایسی حرکت کرتا ہے۔ تب انہوں نے معاملات کو اہتانی سنجیدگی سے لینا شروع کیا۔ اس لیے کہ وہ یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ اتنی موٹی کتاب کو تو اہتانی طاقتور انسان بھی نہیں پھاڑ سکتا۔ پھر یہ کون قوت ہے جس نے چھ سو صفحات کی موٹی کتاب کو ایسے پھاڑ دیا جیسے وہ کتاب صرف چند صفحات پر مشتمل ہو

آخر گھر میں صلاح و مشورہ شروع ہوا۔ اور یہ شک و شبہ ظاہر کیا گیا کہ گھر

وسطی ہندوستان کے ضلع اندور کی ایک بستی پر کاش نگر کالونی میں ایک بنگلہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہا کرتا تھا اس کا نام ہے۔ کے۔ گہا تھا۔ عمر کے لحاظ سے یہ ستر برس کے قریب ہو گا۔ اپنا جنم 24 اکتوبر 1931ء سے ہے۔ کے گہا نام کے شخص کے گھر عجیب و غریب واقعات نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ جس گھر میں یہ رہتا تھا اسے سونالی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ سونالی میں اپنا جنم گھر کے سارے کمروں میں دیواروں پر میوچی لکیریں کھینچی جانے لگیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ معاملہ بڑھنے لگا۔ پھر کتابیں پھاڑی جانے لگیں۔ اس کے بعد برتن ٹوٹنے لگے اور مزید چیزوں کو ٹکرا کر اس طرح سے اس کے گھر کا نقصان ہونے لگا۔ اب ہے۔ کے گہا اور اس کا بیٹا کمار دونوں سوچ و بچار کرنے لگے تھے۔ کہ ان کے گھر میں اس طرح کی کاروائیاں کون کرتا ہے۔

اس کام کے سلسلے میں سب سے پہلے ہے۔ کے۔ گہا اور اس کے بیٹے کمار کی نگاہیں تین سالہ بچی رتو شری پر جمیں۔ رتو شری ستر سالہ ہے۔ کے۔ گہا کی پوتی اس کے بیٹے کمار کی بیٹی تھی۔ رتو شری پیدا ہوتی اور بنیادی طور پر ایک اہتانی شریر لڑکی تھی لہذا گھر کا ہر فرد یہی خیال کرتے لگا کہ یہ جو دیواروں پر لکیریں کھینچی جانے لگی ہیں۔ یہ ننھی رتو شری کا کام ہے۔ وہی کتابیں بھی پھاڑ دیتی ہے اور برتن ٹکرا کر نقصان کرتی ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ننھی تین سالہ رتو شری پر کڑی نگاہ رکھی جائے کہ وہ کس

بھیننے لگی اور یہ معاملہ اہل خانہ کے لیے اب واقعی ناقابل برداشت تھا۔

اس دوران جب حالات کا گہری نگاہ سے جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس قسم کے سارے واقعات صبح سات سے گیارہ بجے یا سہ پہر تین بجے کے قریب جنم لیتے ہیں ان اوقات کے دوران گھر کے ہر کونے ہر کمرے کا گہری نگاہ سے جائزہ لیا جاتا تھا لیکن حسب معمول نقصان بھی ہوتا تھا۔ نقصان کرنے والی قوت دکھائی نہیں دیتی تھی۔

نقصان کرنے والی قوت مزید آگے بڑھی اس لیے کہ گھر کا فریج بند ہوا کرنا تھا فریج سے اٹلے آپ سے آپ ہوا میں تیرتے ہوئے باہر نکلے اور سب لوگوں کے سامنے فرش پر آکر گرستے اور بکھرتے اور کمال کی بات یہ ہوتی کہ جو انداز فرش پر ٹوٹ کر کرتے اس کی زردی علیحدہ سفیدی علیحدہ ہو جایا کرتی تھی۔

اس کے بعد معاملہ مزید آگے بڑھا گھر میں کمار کی بیوی کی انتہائی قیمتی شال پڑی ہوئی تھی اور اسے اس نے بڑی حفاظت سے لاکر میں رکھا ہوا تھا۔ ایک روز جب اس نے شال نکالی تو اس نے دیکھا ساری شال گھی میں ڈوبی ہوئی تھی اس کے بعد باورچی خانے کے قریب اور باورچی خانے کے اندر کھانے پینے کی اشیاء تھیں وہ ساری فرش پر الٹ کر ایک طرح سے ان سب کو آپس میں ملا کر دکھ دیا گیا تھا۔

آخر گھر میں دعاؤں کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ اگر گھر میں کوئی روح یا جنت کا سایہ ہے تو وہ جاتا رہے مذہبی لوگوں کو بلایا گیا تاکہ وہ اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد کریں اس کے بعد یہ سلسلہ اچانک ختم ہو گیا وہ کچھ اس طرح۔

کہ گھر میں جو بلاسا نام کی جو ملازمہ کام کرتی تھی وہ جو بیس جنوری 1982ء کو ملازمت ترک کر کے اپنے گاؤں چلی گئی۔ جس روز ملازمہ اپنی ملازمت ترک کر کے گئی اسی روز سب گھر میں سکون ہو گیا نہ کوئی چیز ٹوٹی تھی نہ کوئی کتاب پھٹتی تھی اور نہ ہی دیواروں پر مختلف رنگوں کی نگہیں کھینچی جاتی رہی تھیں اس کے بعد جب سحلاہ پر مختلف بات کی گئیں تو سارے لوگ مل کر اس شیخ پر ہنسنے لگے کہ گھر کے اندر کوئی ایسی روح تھی جو گھر میں کام کرنے والی ملازمہ بلاسا کو اپنی گرفت میں کرتی تھی اور جب وہ ملازمہ کو گرفت میں کرتی تھی تو ملازمہ کہیں کہیں کھینچیں، دھکیں، دھکیں، دھکیں اسی وقت

میں جو پندرہ سال کی بچی ملازمہ ہے جس کا نام بلاسا ہے وہ یہ حرکات کر رہی ہے۔ ان شکوک و شبہات کے تحت بلاسا پر کڑی نگاہ رکھی جانے لگی۔ گھر کا ہر فرد اس پر گہری نگاہ رکھتا تھا۔ لیکن گھر میں اسی طرح نگہیں کھینچی جاتی رہیں برتن ٹوٹنے رہے کتابیں پھٹتی رہیں۔ لیکن کسی نے بھی گھر کی ملازمہ بلاسا کو یہ کام کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔

ان دو حربوں میں ناکام ہونے کے بعد پچھلے والا حربہ آزمایا گیا۔ جس وقت نگہیں کھینچنے اور گھر میں برتن ٹوٹنے کا شک جن سالہ بچی رتو شری پر کیا گیا تھا اس وقت قیمتی برتن اور کتابیں اس قدر اونچائی پر رکھی جانے لگی تھیں جہاں نفی رتو شری کا ہاتھ نہ پہنچتا ہو لیکن کتابیں اس کے باوجود پھٹتی رہیں اور برتن ٹوٹنے رہے۔ اب بلاسا کے لیے بھی یہی معاملہ کیا گیا۔ جو چیزیں ٹوٹی تھیں یا جو کتابیں پھٹتی تھیں انہیں اس قدر اونچائی پر رکھا گیا جہاں بلاسا کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود گھر کے برتن بھی ٹوٹنے رہے نقصان ہوتا رہا۔ کتابیں بھی پھٹتی رہیں۔

آخر پندرہ سے بیس نومبر کے دوران گھر کی ہر شے کو جس کے ٹوٹنے یا پھٹنے کا اندیشہ تھا اسے مضبوط الماریوں میں بند کر کے الماریوں کو تالا لگا دیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گھر کے اندر سے جو تے پہلے ادھر ادھر ہونے لگے پھر جوتوں کا ایک پاؤں غائب ہونے لگا اس طرح جوتوں کے جوڑے بڑی تیزی سے بیکار ہونا شروع ہو گئے پھر ایک روز اس سے بھی بڑا حادثہ نمودار ہوا اور وہ اس طرح کہ ایک روز کمار گویا کی بیوی ایک سوئیٹر بن رہی تھی وہ سوئیٹر پہننے میں بڑی تیزی سے مصروف تھی کہ اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے آپ سے آپ سارا سوئیٹر ادھر کے رہ گیا اور جس قدر اون سے اس نے سوئیٹر بننا ہوا تھا وہ ساری اون بکھر کے رہ گئی تھی۔

اب کسی انتہائی اور ماورائی شے نے ان چیزوں کی طرف دھیان دینا شروع کیا جو الماریوں میں بند کر کے کالے میں رکھی جاتی تھیں ان میں بھی برتن ٹوٹنے لگے اور کتابیں پھٹنے لگیں اس طرح گھر والوں کو یہ بھی شک جاتا رہا کہ یہ کام ان کی ملازمہ بلاسا کرتی ہے۔

اس کے علاوہ گھر والوں کے لیے مزید پریشانیوں کا باعث بننا کچھ اس طرح شروع ہوا کہ گھر میں جس قدر بستر تھے ان پر آپ سے آپ بڑی تیزی کے ساتھ گندگی

وہ روح بلاسا سے گھر کی کتابیں پڑھاتی برتن چھواتی اور دوسری مختلف حرکات کر داتی تھی جس کی وجہ سے گھر کا نقصان ہوتا تھا۔ بہر حال بلاسا نام کی ملازمہ کے جاتے ہی گھر میں امن اور سکون ہو گیا تھا۔

○○○

ایسا ہی ایک چھوٹا سا واقعہ انگلستان میں بھی نمودار ہوا اور وہ اس طرح کے برطانیہ میں سرعینٹ نام کے ایک قصبے میں ایک قیدی کی روح کچھ اس طرح نمودار ہوتی تھی جیسے اسے زنجیریں پہنائی ہوئی ہوں اور اسے اٹھادی لگی ہوئی ہو اور یہ روح ایک شراب خانے کی گلیڈری میں نمودار ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ روح گزشتہ 325 سال سے اس شراب خانے کی گلیڈری میں دیکھی جاتی ہے اس کے علاوہ مزید یہ کہا جاتا ہے کہ اس شراب خانے میں روحوں کا ایک ٹولہ بھی اکثر دیکھتا رہتا ہے یہ ٹولہ شراب خانے میں داخل ہوتا ہے اور جس طرح لوگ شراب خانے میں بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی کچھ دیر بیٹھے ہیں اور بچے جاتے ہیں۔ جب اس معاملے کی تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ برطانیہ کے ایک ڈیوک نے اپنے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی تھی آخر اس بغاوت کو فرو کیا گیا۔ ڈیوک مارا گیا اسکے حمایتیوں کو بھی پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس کے جوڑے جسے حمایتی تھے انہیں گرفتار کیا گیا اور شراب خانے کے نیچے جو جگہ قیدی وہاں ان کو مصلوب کر دیا گیا تھا۔

اور جس شخص کی روح شراب خانے میں نمودار ہو اور اٹھادیوں میں ٹیکڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے متعلق جب تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ جس دور میں ڈیوک نے اپنے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر رکھی تھی ایک شخص شراب پینے کے لیے اس شراب خانے میں داخل ہوا شراب پینے کے بعد جب اٹھ کر وہ اس شراب خانے سے نکلا تو اسی وقت کچھ باغیوں کا ایک گروہ شراب خانے میں داخل ہونے کے لیے آیا وہ سب باغی ڈیوک کے ساتھی تھے اور شراب خانے میں شراب پینا چاہتے تھے۔ جو اصرار شرابی کر فارغ ہوا تھا اس سے غلطی یہ ہوئی کہ جو کدہ وہ باہر نکل رہا تھا لہذا آگے بڑھ کر اس نے دروازہ کھولا تاکہ آنے والے شراب خانے میں باآسانی داخل ہو سکیں۔ لیکن اس اجنبی کی بد قسمتی کہ جو باغیوں کا گروہ شراب خانے میں داخل ہو کر

تھا ان کے نیچے بیٹھے برطانیہ کی سرکاری فوج کے آدمی بھی مسلح حالت میں لگے ہوئے تھے لہذا جو نبی وہ شراب خانے میں داخل ہونے لگے تعاقب کرنے والے فوجیوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور جس شخص نے ان کے لیے دروازہ کھولا تھا جو ان کا جاننے والا تو نہیں تھا لیکن ازراہ ہمدردی و خائستگی اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا اسے بھی ان سپاہیوں نے غلطی سے پکڑ لیا اور اسے مجرم سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ ہی اس شراب خانے کے کچھڑاؤے میں اسے بھی پھانسی دے دی گئی تھی۔

اس طرح جو باغی شراب خانے میں شراب پینے کے لیے آتے تھے۔ ان کی رو میں تو کبھی کبھار شراب خانے میں آتی ہی ہیں لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص بے چارہ بے گناہ پکڑا گیا تھا اس کی روح گزشتہ 325 سال سے کسی نہ کسی جگہ ہر روز اس شراب خانے میں دیکھی جاتی ہے ایک بار 1974ء میں اس شخص کی روح کو شراب خانے میں دیکھا گیا اس وقت شراب خانے کا مالک اور اس کی بیوی بھی شراب خانے کے اندر موجود تھے اور ان کے ساتھ ان کا کتا بھی تھا۔ دونوں میاں بیوی نے جب روح کو شراب خانے میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور شراب خانے کے ملازم دونوں کو اٹھا کر ہسپتال لے گئے کہتے ہیں ان کے ساتھ جو کتا تھا وہ اس روح کو دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا۔

اور اس کے بعد تیز ہوا چلنے سے سردی اپنے جو بن اور عروج پر آگئی تھی۔ انگلستان کے صوبہ ڈیون میں جو جنوب مغربی انگلستان میں واقع ہے برف کچھ زیادہ پڑی تھی جس کے نتیجے میں باقی علاقوں کی نسبت یہاں سردی بھی زیادہ ہو گئی تھی اس علاقے میں جس قدر دریا اور نالے تھے وہ بالکل بند ہو کے رہ گئے تھے۔

یہ ایسا موسم تھا کہ اس موسم میں سردی سے بچنے کے لیے ہر کوئی گھر میں رہتا پسند کرتا تھا بہر حال وہ دن اور اگلی رات لوگوں نے سردی اور برفباری سے بچنے کے لیے اپنے گھروں میں بند رہ کر گزاری۔ اگلے روز جب اس صوبے کے سارے لوگ اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ دن اور رات میں پڑنے والی برفباری پر پورے ڈیون میں لگ بجھ سوسل کے فاصلے میں ایک ہی جانور کے کھر دیکھے تھے جب ان کھروں کا بنور جانوہ لیا گیا تو یہ کھر چار انچ لمبے اور لگ بجھ ڈھائی انچ چوڑے تھے جس چیز کے بھی یہ کھر تھے وہ کوئی عجیب و غریب چیز تھی۔

اس لیے کہ کھر بالکل ایک لائن میں تھے جو اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ وہ کوئی دو کھروں والا جانور تھا کو نسا جانور تھا اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ اور سب سے عجیب و غریب بات یہ تھی کہ پورے صوبے کی ہر چیز ہر جگہ پر یہ کھروں کے نشانات بالکل واضح اور صاف تھے کھروں کے یہ نشان مکائوں کی چھتوں پر بھی تھے دیواروں کے اوپر بھی تھے ہر دو کھروں کے درمیان لگ بجھ آٹھ انچ کا فاصلہ تھا۔

یہ کھر جس چیز کے بھی تھے یہ ٹانفس پیرج سے شروع ہو کر دور تک پھیلے ہوئے لٹ پام تک جا کر ختم ہوتے تھے اس علاقے میں گھس کی پائپ لائن بھی تھی اس پائپ لائن کے ہر حصے پر بھی کھروں کے نشان تھے لوگ کھروں کے نشان صوبے کی ہر جگہ پر چھت اور دیوار پر دیکھ کر پریشان تو ضرور ہوتے تھے لیکن جن لوگوں نے یہ دیکھا کہ گھس کی پائپ لائن پر بھی کھروں کے نشان تھے وہ متحجب ہو کر رہ گئے تھے اس لیے کہ پائپ لائن کی گولائی صرف چھ انچ تھی اور جس جانور کے کھر تھے وہ چار انچ لمبے ڈھائی انچ چوڑے تھے لہذا لوگ پریشان تھے کہ ایسے چھوٹے سے پائپ پر جانور کیسے چلتا ہوا اگر رگیا بہر حال رات ہی رات وہ جو روحانی قسم کا جانور تھا اس نے اپنے پاؤں اپنے کھروں کے نشان پر سے صوبے میں برفباری پر جما کے رکھ دیئے تھے۔

دنیا کے مختلف حصوں میں اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ عموماً کتوں بلیوں گھوڑوں اور اس قسم کے دیگر جانوروں کا تعلق روحوں سے انسان کی نسبت زیادہ رہا ہے عام طور پر یہ بھی خیال کیا جاتا ہے۔ کہ انسان کی نسبت ان کی بصارت تیز ہوتی ہے اور جس چیز کو انسان نہیں دیکھ سکتا یہ جانور دیکھ لیتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ جانور زمین پر حرکت کرتی ان روحوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ جنہیں انسان نہیں دیکھ سکتا یہاں چند روحانی جانوروں کی مثال پیش کی جاتی ہے جو دنیا کے مختلف حصوں میں رد ہوا ہوتے۔

امریکہ انگلستان اور دنیا کے دیگر علاقوں میں بہت سی ایسی روحوں کو دیکھا گیا جو کتوں یا اس قسم کے دوسرے جانوروں کی شکل میں نمودار ہوتیں اور مختلف علاقوں میں دھست پھیلا دی۔

انگلستان میں یہ 9 فروری 1855ء کا واقعہ ہے اس روز انگلستان میں خوب برف پڑی تھی۔ برف کی گہری چادر نے زمین کی ہر شے کو ڈھانپ لیا تھا برفباری

لقن تفصیل سے جانتے ہیں اس کتے کے سر کے وسطی حصے میں بالکل ملتے کے برابر پت ہی اکٹھ ہوا کرتی تھی اپنی ہضامت میں سیاہ رنگت کا یہ کتا گدھے کے برابر تھا پت بار امریکہ کی ایئر فورس کے ایک ملازم اور اس کی بیوی نے بھی اس کتے کو دیکھا 1948ء کا واقعہ ہے۔

وہ دونوں میاں بیوی اپنے گھر کی ٹھیلی منزل پر سو رہے تھے اس وقت باہر برف پڑ رہی تھی اور زمین کافی حد تک گیلی ہو چکی تھی چائیک دوں میاں بیوی نیند میں بیدار ہو گئے اس لیے کہ انہوں نے اپنے گھر کے بیرونی حصے میں عجیب و غریب آئینہ کی تھیں۔

دونوں میاں بیوی نے جب لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی کڑکیوں میں سے دیکھا رنگ رہ گئے۔ انہوں نے دیکھا رات کی تاریکی میں سیاہ رنگ کے گدھے کے برابر کتا ان کے مکان کی ایک دیوار پر اپنے بچے مار رہا تھا۔

اس کے بعد ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنا بڑا منہ کھولا اور دروازے کے لیے حصے کو اس نے کتا شروع کر دیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ دروازے کو کاٹ رہا تھا۔ رات کے اندر داخل ہونے کے لیے یہ تیار اور بے چین ہو۔ اس واقعہ نے امریکہ کی ایئر فورس کے ملازم اور اس کی بیوی کو ایسا خوفزدہ کر دیا کہ وہ دروازے کو کتا باہر سے کاٹ رہا تھا انہوں نے گھر کے اندر جس قدر فریج تھا سارا وہ دروازے کے آگے جمع کر دیا تاکہ کتا گھر کے اندر داخل نہ ہو سکے۔

یہ سارے اشتباہات کرنے کے بعد دونوں میاں بیوی اپنی حفاظت کی خاطر پر کی منزل کی طرف چلے گئے۔ ابھی وہ اوپر کی منزل پر گئے ہی تھے کہ انہیں ایسا غصہ ہوا جیسے ان کا پورا مکان اس طرح ہل کر رہ گیا ہو جیسے کسی تیز اور جان لیوا زلزلے نے ہر چیز کو ہلا مارا ہو۔ انہوں نے اوپر کی منزل کی کھڑکی سے پھر جب نیچے دیکھا تو وہ رنگ رہ گئے۔

انہوں نے دیکھا کتے نے اب دروازے کو کاٹنا بند کر دیا تھا۔ اور وہ مکان کی وادوں پر زور سے خڑپیں لگا رہا تھا۔ جس سے مکان میں لرزش پیدا ہو رہی تھی۔ ان خوں میاں بیوی کے دیکھتے ہی دیکھتے کتا صحن میں ٹھوڑی دور جانا پھر بڑی تیزی سے

جن لوگوں نے کھروں کے نشان دیکھے ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ بڑی چڑا کے پاس چونکہ برف زیادہ جمی تھی۔ اور برف کم کر بالکل سخت اور جمجھ ہو گئی تھی لہذا اس جمجھ برف پر بھی اس جانور کے کھروں کے نشان پائے گئے تھے اور وہ برف ایسے سخت اور جمجھ ہو چکی تھی کہ اس کی حالت پتھر جیسی تھی اس پر کھروں کے نشان تہ ہی جمے تھے جب لوہے کے کسی کھر کو آگ میں خوب چپا کر سرخ کرنے کے بعد برف کی اس جگہ دکھا جائے تب اس برف پر چا کے اس جیسے کھر کا نشان بن سکتا تھا کہ اس روز برطانیہ کے لوگوں نے فریادی کے اس حصے میں دیکھے تھے۔

چراغ کے ایک قریب گاؤں میں جس کا نام ڈیوش تھا اس جانور کے پاؤں بھڑائیوں اور فصلوں کے اندر بھی دیکھے گئے تھے اور جن بھڑائیوں کے اوپر سے وہ جانور گزرا تھا وہ بھڑائیاں بھی زمین میں دھنسی چلی گئی تھیں۔ اس گاؤں کے لوگوں کا کہنا تو کہ رات کے وقت ایک بار کتے بڑے زور سے بھونکتے تھے پھر دور اور سہم کر گھروں کے کونوں کھردروں میں چھپ گئے تھے تاہم اس سلسلے میں جب تحقیقات کی گئیں تو کچھ نہ نہ چلا کہ رات ہی رات کس جانور نے سو میل کے علاقے میں پورے صوبے کے اندر ہر چیز پر اپنے پاؤں اپنے کھروں کے نشان ثبت کر دیئے تھے۔

○○○

انگلستان کے اکثر لوگ جانتے ہیں کہ انگلستان میں ایک انتہائی خوفناک کتا نمودار ہوا کرتا تھا اس سے متعلق بھی لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کتا حقیقی معنوں میں کتا نہیں بلکہ کوئی بد روح ہے اس کتے کو مانتے کہہ کر پکارا جاتا تھا اور اکثر یہ مون آئی لیا میں دیکھا جاتا تھا۔ مون آئی لینڈ میں ایک بیل بیٹس ہوا کرتا تھا اسی محل کے آس پاس اس کتے کو دیکھا گیا اس محل کے اطراف میں جو سنتزی پہرہ دینے پر مقرر ہوتے تھے ان سنتزیوں نے اکثر اس کتے کو دیکھا ایک بار رات کے وقت ایک سنتزی نے اپنا کتا اس کتے کو دیکھا وہ رنگ رہ گیا کتا گدھے کے برابر سیاہ رنگت کا تھا اسے دیکھتے ہی وہ سنتزی بے ہوش ہو کر رہ گیا۔

اسی کتے کی وجہ سے ایک اور غیر معمولی واقعہ پیش آیا تھا جو ایک عرصہ تک انگلستان میں خوف و ہراس کا باعث بنا رہا انگلستان کے لوگ آج بھی اس کتے کے

بھاگتا اور اپنے جسم کی ہر پر ضرب ایک دیوار پر لگتا۔ بس جو بھی وہ ضرب لگتی مکان دہل کر اور ہل کر رہ جاتا تھا۔ اس معاملے نے ان دونوں میاں بیوی کو خوفزدہ کر کے رکھ دیا تھا۔

چند بار ایسی کوشش کرنے کے بعد کتا ٹھہر گیا پھر وہ چھلانگیں لگاتے ہی مکان کی چست پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی کوشش میں صبح ہو گئی۔ دو میاں بیوی اپنے کمرے میں بند رہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کتا اب چلا گیا ہے وہاں نہیں ہے تب وہ دونوں میاں بیوی باہر نکلے۔ انہوں نے اپنے مکان کا جائزہ رات کے وقت کتا جس دروازے کو کھٹ رہا تھا وہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ دروازے پر دانت کا کوئی نشان نہ تھا۔ جس دیوار پر وہ اپنے پیچے رگو رہا تھا وہاں کوئی نشان نہ تھا۔ اور جس دیوار پر زور زور سے اپنے جسم کی ضربیں لگا کر وہ پورا مکان کو ہل رہا تھا۔ اس دیوار پر بھی ضرب کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مکان کے اطراف کا جائزہ لیا۔ اور وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ مکان کے اندر نہیں باہر بھی کتے کے پاؤں کا کوئی نشان تک نہ تھا۔

○○○

اسی طرح کا معاملہ انگلستان کے علاقے ڈاٹ مور میں بھی پیش آیا رہا۔ اس علاقے بہت سے لوگوں نے کتوں کی روحوں کے ایک بھتہ کو کئی بار دیکھا۔ یہ کتے رات بخودار ہوتے تھے اور جب یہ بھوتکتے تھے تو ان کی آواز میلوں تک جاتی تھی۔ جب معاملے کی تحقیقات شروع کی گئی تو کوئی بھی چیز سامنے نہ آئی کہ یہ کتے کہاں سے آ رہے ہیں کدھر جاتے ہیں کس کو تلاش کرتے ہیں۔ کیوں بھوتکتے ہیں۔

اس کے علاوہ اسی علاقے میں ایک بھڑسرا گھوڑا بھی دیکھا گیا۔ جس کے کوئی روح نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ پوری رفتار سے اس گھوڑے کو چھلکتی رہتی تھی۔ واقعہ انگلستان ہی میں نہیں بلکہ اسی قسم کے بہت سے واقعات چائنا اور پاکستان دیگر عرب ممالک میں بھی بخودار ہوتے رہے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کے واقعات دیکھے۔

○○○

آئر لینڈ کی نخل ڈبلن میں کیلا کی باؤس نام کی ایک جگہ ہے اس کیلا کی باؤس ایک کافی بڑی ملی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے سینکڑوں بار دیکھی۔ اس ملی کو فر 1968ء سے 1970ء کے درمیان دیکھا گیا اور لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ ملی کی اچھائی شراقتی اور تیز تھی۔ اب بھی اکثر اوقات ملی کی اس روح کو اس جگہ دیکھا ہے جہاں پہلی بار یہ ملی 1968ء اور 1970ء کے درمیان بخودار ہوتی تھی۔ اس ملی کی کاروائیاں اس وقت شروع ہوئیں جب مارگرت نام کی ایک نے اس عمارت کو خریدا اور اس عمارت کے اندر اس نے آئرش آرٹ سینٹر کا بنایا۔ جن دنوں آرٹ سینٹر قائم کرنے کے لیے اس عمارت کی تزئین کا کام جاری ملی بار اس عمارت میں ملی نے اپنا آپ ظاہر کیا۔ اس کے بعد سینکڑوں مرتبہ یہ اندر اس عمارت کے اندر دیکھی گئی۔ لیکن اس ملی نے آج تک کسی کو نقصان پہنچایا۔ اس ملی کے متعلق بھی جب آئر لینڈ کے حکام نے تحقیقات کی تو کچھ پتہ نہ آیا۔ یہ ملی کی روح کہاں سے آتی ہے۔ اس عمارت سے اس کا کیا تعلق ہے اور کیوں ہوتی ہے۔

○○○

اسی طرح دنیا کا مشہور و معروف سینٹر نام میکسی ایک بار ایک امیر و کبیر مسز او برین کے گھر کی آرائش و تزئین میں مصروف تھا دن کے وقت وہ کہیں م کرتا تھا رات کے وقت وہ مسز او برین کے گھر کی تزئین اور آرائش کا کام کرتا جس کے ساتھ آئر لینڈ کے دوسرے بھی کام کیا کرتے تھے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ نام میکسی نے ایک دروازے کے پیچھے آرائش کام کے لیے اس دروازے کو بند کیا تو چھ اچ کی ایک بیچ دار کیل اس میں لگا دی پھر وہ کے لیے دروازہ نہ کھلے اور وہ آرام سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کام کر کے۔ کھانے کے بعد وہ اپنا سامان لینے کے لیے مکان کے دوسرے حصے کی طرف جب گیا اس کے ساتھ آئر لینڈ کے دونوں مزدور بھی تھے وہ واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک وہ کیل جو انہوں نے دروازے میں ٹھوکی تھی وہ غائب تھی اور دروازہ کھلا

انہوں نے بھی دیکھا۔ اس شخص کا تعلق بھی آئیر لینڈ سے تھا۔ اس نے اس علی کو ایک چھین گئی بار دیکھا۔ اور یہ کہنے کے برابر تھی اور خوفناک انداز میں حرکت میں آتی۔ پول والٹ کے چیمپین وال میگیں نے ایک بار اس علی کو جب بالکل اپنے قریب دیکھا تو اسے یہ احساس ہوا کہ شاید یہ علی اس پر حملہ آور ہونے والی ہے۔ اس نے میگیں کے پاس رہا اور تھا جس میں چھ گولیاں بھری ہوئی تھیں لہذا اس نے فوراً پلور نکالا اس علی سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر تھی اور ہر گولی نشانے پر بیٹھ سکتی ایک جھپٹے میں میگیں نے چھ کی چھ گولیاں اس پر داغ دین میں تیرن نے دیکھا جس نے گولیاں ختم ہوئیں تو علی نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر اس نے اس کے اندر ایک چھلانگ لگائی اور میگیں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

○○○

اسی طرح فرانس کے ایک نوابی علاقے میں اکثر و بیشتر چاندنی راتوں میں باخونوار بیل دیکھا جاتا تھا۔ اس بیل کے بڑے بڑے سینکے تھے۔ رات کے وقت بھی شخص اس بیل کو دیکھا وہ بیل اس کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوتا تھا۔ اور جو بھی اس بیل کی گرفت میں آتا وہ زندہ نہ رہتا تھا۔ اس لیے کہ وہ بیل سینگوں میں اٹھا کھینچتا تھا۔ دیکھا کہ ہلاک کر دیتا تھا۔ فرانس کے بیشتر لوگوں نے اس بیل کو دیکھا۔ وہ صرف چاندنی راتوں میں نکلتا تھا۔ اور اگر کوئی گروہ یا مسلح جوان مل کر اس کے قریب آتا تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نگاہوں سے اس طرح کی بات ہو جاتا تھا۔ یہ بادلوں کا کوئی باریک نکلا تیز دھوپ کے اندر آپ سے آپ لیں ہو کر رہ جاتا تھا۔

اسی طرح یورپ کی حسین اور امیر ترین لڑکی ڈیانا جو آج سے کئی سو برس پہلے لی تھی وہ بھی یورپ کے مختلف علاقوں میں نمودار ہوتی رہی۔
برطانیہ کے علاوہ اس کی روح کو جرمنی اور یورپ کے دیگر علاقوں اور ملکوں بھی دیکھا گیا۔ ڈیانا کی روح بالکل برستہ ہوتی تھی اور اس کے ساتھ سینکڑوں کتے تھے جس علاقے سے بھی ڈیانا گزرتی تھی لوگوں نے دیکھا اسکے ایک کندھے پر دو سرے شائے پر موٹے کپڑے کا ایک تھیلہ ہوا کرتا تھا اس کے آگے پیچھے کتے ہی

نام میکی یہ صورتحال دیکھ کر پہچان ہوا اس کے ساتھی بھی حیران تھے کہ چھ انج کی کیل آپ سے آپ کیسے لگی تھی اور دروازہ کیوں کھل گیا۔ جبکہ انہوں نے کیل لگا کر دروازہ بند کیا تھا۔ یہ صورتحال دیکھنے کے لیے وہ اس گلی کی آئے جو پلور تھی۔ گلی کی کے ایک کونے میں انہوں نے ایک سایہ دیکھا۔ البسا ہی سایہ جسے چاندنی رات میں دھوئیں یا بادل کا کوئی ٹکڑا فضاؤں میں تیرتا پھرتا ہو۔ اس سائے کے دیکھتے ہوئے رات کے وقت نام میکی اور آئیر لینڈ کے مزدوروں کو یہی احساس ہوا جیسے کسی نے سفید رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ اور کیل نکال کر اس نے شرارت ڈالی ہو۔ یا ہو سکتا ہے مالک مکان عورت کا کوئی رشتہ دار ہو۔ اس سے ملنے آیا ہو اور انہوں نے یہ شرارت کی ہو۔ لہذا نام میکی اس سفید سائے کو دیکھتے ہی اونچی آواز سے جلاؤ تم کون ہو غبر جاؤ۔ ہم نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اب تم بھاگ نہیں سکتے۔

نام میکی کے جواب میں کسی کی دھیمی پر غرائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ نہ مجھے دیکھ نہیں سکتے ہو۔ جو کچھ میں کہتا ہوں وہی کرو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ دروازے کو کھلا رکھو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھو میں چاندنی راتوں کے دروازے سے بھی کیسے اندر آیا جاتا ہے اور کیسے بار نکلتا جاتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد سفید رنگ کا وہ سایہ دوبارہ اس کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ جس کا دروازہ انہوں نے بند کیا تھا۔

اس اونچی اور نئی صورتحال نے نام میکی اور آئیر لینڈ کے دونوں مزدوروں کو پریشان اور خوفزدہ کر دیا تھا۔ گھبراہٹ میں نام میکی نے دروازہ پھر بند کر دیا۔ اس نے زنجیر لگا دی۔ اور آئیر لینڈ کے دونوں مزدوروں کے ساتھ نام میکی بھاگ کر ایک محفوظ جگہ کھڑا ہو گیا پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ان کے دیکھتے ہی دیکھا دروازہ پھر کھلا اس دروازے کے اندر سے بڑے کتے کے برابر سیاہ رنگ کی ایک علی نام میکی اور اس کے دونوں مزدوروں ساتھیوں نے دیکھا کہ جس وقت وہ علی اس کمرے سے نکلی تھی اس کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے آگ برسا رہی ہوں۔ پھر ان کے دیکھتے دیکھتے وہ علی عمارت کے مختلف حصوں سے ہوتی ہوئی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اسی خوفناک علی کو دنیا کے مشہور و معروف پول والٹ کے چیمپین

کئے ہوا کرتے تھے۔ جو جس وقت بھونکتے تھے۔ تو ایسی خوفناک آوازیں نکالتے تھے جسے سماعت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

حسین و خوبصورت ڈیانا کی روح اپنے کتوں کے ساتھ کئی مرتبہ بلکہ انگنت بار یورپ کے مختلف ملکوں میں دیکھی گئی۔ کچھ مصوروں نے بھی اس کو دیکھا لہذا برطانیہ اور جرمنی کے کچھ مصوروں نے اس کی تصویریں بھی تیار کیں۔ اس کے بعد جب اس کے متعلق تحقیقات کی گئی تو کچھ تپ نہ چلا کہ ڈیانا کون تھی کیسے اس کو ہلاک کیا گیا اور کیوں اس کی روح ہفتہ ہزار کتوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں نمودار ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ڈیانا کی روح گویا تین سو سال سے یورپ کے مختلف حصوں میں دیکھی جا رہی ہے۔

22 جون 1893ء کو برطانیہ کی ایک امیر کبیر اور صاحب ثروت مسز ٹریان نے لندن کے ہینگے ترین علاقے ایٹن اسکوائر میں ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں لندن کے بڑے بڑے لوگوں کے علاوہ برطانیہ کے صاحب ثروت افراد اور بڑے بڑے حکام کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مسز ٹریان ایک امیر ترین خاتون تھی۔ اس کا شوہر برطانیہ کی نیوی میں وائس ایڈمرل ہوا کرتا تھا۔ ایک بار وہ وکٹوریہ نام کے جہاز میں سبز کر رہا تھا کہ وہ جہاز ڈوب گیا جس کی بناء پر وائس ایڈمرل سر ٹریان ہلاک ہو گیا تھا۔ بہر حال برطانیہ کے ہینگے ترین علاقے ایٹن اسکوائر میں اس عورت نے بہترین دعوت کا اہتمام کیا۔

جس وقت دعوت اپنے عروج پر تھی لوگ اپنی مرضی سے کھاپی رہے تھے من مست اور جوان لڑکیاں ایک طرف کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد محو رقص تھیں ایسی ہی ان کے قریب ہی نوجوانوں کی ٹولی بھی رقص و موسیقی میں ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ برطانیہ اور لندن کے بہترین موسیقاروں کو اس دعوت میں مدعو کیا گیا تھا اور وہ مختلف دھنیں بجاتے ہوئے لوگوں کو محو کر رہے تھے پر اس موقع پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے دیکھ دعوت میں شامل سارے ہی لوگ خوفزدہ ہو کر رہ گئے تھے۔

ہوایوں کہ جس وقت دعوت الڑائی جا رہی تھی۔ جو ان لڑکے لڑکیاں رقص مگر رہے تھے اور مسز ٹریان ان کے اندر گھوم بھر کر لوگوں سے مل بھی رہی تھیں۔ اور

ہی گر کر پہوش ہو گئی تھی وہ عورت اس روح کے پاس گئی اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ سرٹریان کیا آپ زندہ ہیں۔

ٹریان اس سوال پر بڑا حیرت زدہ ہوا اس نے اس عورت پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور اس کے سوال کا جواب نہ دیا بلکہ اچانک وہ سب لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا جو لوگ ابھی تک دعوت کے اس ہال سے بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے وہ یہ عورت حال دیکھ کر مزید پریشان ہو گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرنے والے سرٹریان کی ڈیوٹی وکنوریا نام کے جہاز میں لگی تھی۔ یہ ایک جنگی جہاز تھا جس کو لیبیا کے قریب گہرے سمندر میں حادثہ پیش آیا اور وہ جہاز ڈوب گیا اس میں سرٹریان بھی ڈوب گیا اس کے ساتھ مزید ڈوبنے والے بائیس آفسیروز اور چھتیس افراد کا دیگر عملہ بھی تھا باقی بیچیس آفسیروز اور دو سو لاکھ افراد کو بچا لیا گیا جو لوگ اس جہاز میں ڈوبنے سے بچ گئے انہوں نے آکر بتایا کہ جب وقت جہاس لیبیا کے ساحل کے قریب ڈوب رہا تھا اس وقت سرٹریان جہاز کے ریکٹر پر اداس اور فکر مند کھڑا تھا شاید اسے جہاز کے ڈوبنے اور غرق ہونے کا دکھ اور جھوس تھا پس وہ جہاز کے ساتھ ہی گہرے سمندر میں ڈوب گیا اس واقعہ کے بعد کبھی اس کی روح دوبارہ نہ دیکھی گئی۔

دعوت کے مختلف حصوں کا نظارہ بھی لے رہی تھی اچانک وہ ایک جگہ رک گئی اس لیے کہ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے اس کا شوہر وائس ایڈمرل سرٹریان آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ اسی طرح نیوی کی یونی فارم پہنے ہوئے تھا جیسے وہ اس وقت پہنتا تھا جب وہ زندہ تھا۔ حقیقت میں وہ اپنے جہاز وکنوریا کے ساتھ لیبیا کے ساحل پر ڈوب گیا تھا۔ یہ جہاز تھوہیں رائل نیوی کا تھا۔ سرٹریان نے سوچا کہ ہوسکتا ہے۔ غلط فہمی کی بنا پر اس کے شوہر کو مردہ قرار دے دیا گیا ہے۔ ممکن ہے اس حادثے سے اسکا شوہر کسی نہ کسی طرح بچ نکلا ہو سمندری لہروں نے اسے دور افتادہ سرٹینٹوں کی طرف پھینک دیا ہو اور اب اس کا شوہر بحیرت گہرے گہرا گیا ہو یہ خیالات سرٹریان کے لیے بڑے خوش کن تھے اس خوشی میں وہ اپنے شوہر کی طرف بھاگی تاکہ آگے بڑھ کر اپنے شوہر سے بٹلنگ ہو جو کہ خوشی میں وہ بڑی تیزی بلکہ اپنی پوری رفتار سے بھاگی تھی اس لیے قبل اس کے وہ اپنے شوہر سے جا کے ٹکرائی اس نے جو اپنے ہاتھ سامنے پھیلا رکھے تھے۔ وہ چپٹے وائس ایڈمرل ٹریان سے ٹکرائے اور جس وقت یہ ٹکڑا ہوا سرٹریان ہی نہیں دعوت کے اس ہال میں جس قدر لوگ تھے وہ خوف زدہ گئے تھے۔ اس لیے کہ سرٹریان کے دونوں ہاتھ اس کے شوہر وائس ایڈمرل سرٹریان کے جسم سے پار ہو گئے تھے۔

اس کے دونوں ہاتھ کچھ اس طرح اپنے شوہر کے جسم سے پار ہو گئے تھے جیسے وہ دھند کا کوئی بیولا ہو۔ یا جیسے اس کے ہاتھ دھوئیں کے ایک طرف سے دوسری سمت گزر گئے ہوں اس صورت حال کا سرٹریان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ وہی گر کر پہوش ہو گئی وہ دراصل سرٹریان کی روح تھی جو کہ اس دعوت میں اچانک نمودار ہو گئی تھی۔ جیسے سرٹریان نے اپنا شوہر سمجھ کر اس سے بٹلنگ ہونا چاہا تھا اس موقع پر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی تھی دعوت چھوڑ کر لوگ بھاگنے لگے تھے رقص کرتی ہوئی لڑکیاں جیتھیں مارنے لگی تھیں اور جو لڑکے محو رقص تھے وہ مختلف دروازوں اور کھڑکیوں سے پھلا نکلیں نکلتے دعوت کے ہال سے بھاگنے لگے تھے چاروں طرف ایک خوفزدہ سا ماحول بکھر گیا تھا

اس موقع پر ایک بوڑھی عورت نے انتہائی ہرات اور دلیری کا مظاہرہ کیا اس نے دیکھا کہ وائس ایڈمرل سرٹریان کی روح ابھی تک وہیں کھڑی تھی جہاں اس کی

نشانہ بنایا اس کی بڑی بیٹی چودہ سال کے لگ بھگ تھی اس کا نام میری تھا ایک روز وہ بیٹے گھر سے گہری نیند سوئی ہوئی تھی تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ انتہائی طاقتور آسمانوں نے اسے اپنی گرفت میں بری طرح جکڑ لیا اور پکڑ لیا ہوا اسے اس وقت تو کوئی چیز دکھائی نہ دی خوف کے سارے اس کا گلا خشک ہو گیا تھا اس نے زور زور سے چیخا چاہا مگر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی اپنی آواز اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو یہ صورت حال اس کی برداشت سے باہر ہو گئی وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی کہ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے دیکھا کہ دھواں بنا ایک روح اس پر اپنی گرفت کو چھوڑ کر باہر روم پہنچا اس جگہ دیوار کے اندر غائب ہو گئی تھی جہاں ابھی لوہے کا پردہ پڑا رہتا تھا اس صورت حال سے چودہ سالہ میری نے اپنے گھر والوں کو آگاہ کیا لیکن اسے میری کا وہم بھگ کر فراموش کر دیا گیا۔

اس کے بعد اس روح نے جو ایک بوڑھے کی روح کہا جاتا تھا میری کی چھوٹی بہن کو اپنا نشانہ بنانا چاہا اس کا نام نیولپ تھا اور وہ چار سال کی تھی جو نبی وہ روح اس کے گھر سے داخل ہوئی نیولپ نے اسے دیکھ لیا اور وہ تجھیں مارتی ہوئی اپنی سال کی ناب گاہ کی طرف بھاگی وہاں جا کر اپنی ماں کی گود میں وہ گر گئی اور بے ہوش ہو گئی اب اس نے ہوش سمجھا لیا تب اپنے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے پچھتے ہوئے کہنے لگی کہ اس بوڑھے کو گھر سے نکالو جو ہمارے لیے مصیبت کا باعث بنتا جا رہا ہے۔

یہ صورت حال اب مسر مستح کے لیے ناقابل برداشت تھی اس کی دو بیٹیاں نے روح کا نشانہ بن چکی تھیں اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ اس معاملے میں اگر غفلت سے عمل کیا گیا تو وہ روح اہل خانہ کو مزید نقصان پہنچا سکتی ہے۔ لہذا اس نے ایک مقامی شخص سے رابطہ قائم کیا جو روحوں کو قابو کرنے میں براہر تھا مستح کے کہنے پر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مستح کے گھر آیا یہ جو روحوں کو مار بھگنے والا شخص تھا اس کا نام تارمن تھا اور یہ اس علاقہ میں مانا ہوا عملیات کا ماہر شمار کیا جاتا تھا۔

روحوں پر قابو پانے والے اس شخص نے پہلے اس مکان کا پوری تفصیل سے مطالعہ کیا پھر ہمسایوں کے علاوہ علاقے کی انتظامیہ سے اس نے اس مکان کے متعلق معلومات حاصل کیں جو لوگ اس مکان کے قریب رہتے تھے ان سے بھی اس نے پوچھ

اسی ہی ایک واقعہ آج سے اوپر کے واقعہ کے ساٹھ سال بعد برطانیہ میں نیویٹن شائر کے شہر میں پیش آیا ایک شخص مسر مستح نے وہاں ایک ایسا مکان خریدا جو سات سال پرانا تھا اس میں کسی کی رہائش نہیں تھی ورنہ پڑا ہوا تھا اس دور سے مکان کے اندر کی کافی چیزیں بیکار ہو چکیں تھیں مکان خریدنے کے بعد مسر مستح نے ارادہ کیا کہ وہ سارے مکان کی مرمت کروائے گا اور ہر چیز اس میں نئی ڈالوائے گا بہر حال مکان کی آرائش و تزئین کا کام شروع ہوا اور یہ کام کافی حد تک مکمل بھی ہو چکا تھا آخر میں باقی روم کا کام باقی رہ گیا تھا۔ باقی روم کی مرمت کرنے کے بعد اس نے اندر بانی کے نل اور ٹوٹیوں کی جو فٹنگ تھی وہ بھی نئی لگائی جانی تھی باقی روم نے اندر پرانے طرز کا لوہے کا بنا ہوا پہانے کا ایک ٹب بھی پڑا ہوا تھا جو رنگ آلود ہو گیا تھا جو نبی اس رنگ آلود ٹب کو اپنی جگہ سے ہٹا کر باہر پھینک گیا تاکہ باقی روم کی صفائی سہجائی ہو سکے جو نبی اس رنگ آلود ٹب کو اپنی جگہ سے ہٹا کر باہر پھینک گیا تاکہ باقی روم کی صفائی سہجائی ہو سکے اس میں نئی فٹنگ کی جانے لگی اس گھر کے اندر ایک چھترہ اٹھ کھڑا ہوا اس ٹب کے قریب بھی گھر کے اندر کسی روح کا ٹھکانہ تھا جب اس نے اس کو ہٹایا گیا تو اس روح نے گھر کے کمپنوں کو متفقہ مشق بنانا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے اس روح نے گھر خریدنے والے مسر مستح کی بڑی بیٹی کو

بنائے والوں نے اس سکول کے اندر پڑھنے والے سٹوڈنٹس کی فلم بنانا چاہی اس سلسلے میں انہوں نے ایک انتہائی تجربہ کار اور کمرشل کیریئر میں شوٹنگ کے لیے روانہ کیا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے جنہوں نے وہاں جا کر سکول میں قیام کیا تاکہ چند دن وہاں قیام کر کے وہ مطلوبہ فلم کی تکمیل کریں۔

فلم کے اس یونٹ سے عمارت میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ فلم کے یونٹ میں ایک شخص ایسا تھا جو سکاش کھیلنے کا بڑا شوقین تھا۔ اسکو کی اس عمارت میں ایک سکاش کورٹ بھی تھا۔

ایک روز فلم یونٹ کا وہ شخص اس عمارت میں سکاش کھیل رہا تھا کہ اسے احساس ہوا کہ کسی کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی ہیں جو نبی اسے احساس ہوا اس نے اپنے دائیں جانب دیکھا اور دنگ رہ گیا اس نے دیکھا کہ وہاں ایک پابلیک کھڑا تھا اس نے جنگ عظیم اول کی وردی پہنی ہوئی تھی اور وہ اسے بلندی پر کھڑا نا پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اس کیریئر میں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اسے یہ یقین ہو گیا کہ حقیقت میں یہ پابلیک نہیں بلکہ اس علاقے میں مرنے والے کسی پائلٹ کی روح ہے اسے دیکھ کر وہ ایسا خوفزدہ ہوا کہ وہ فلم کا سارا کام چھوڑ کر بھاگ گیا۔

اس کیریئر میں نے جب حکام بالا کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو اس سلسلے میں تھوڑی بہت تحقیقات کی گئی لیکن معاملہ پھر دفع و رفع ہو گیا۔ آخر ایک اور فیم فلم بنانے کے لیے آئی اس فیم سے بی بی سی نے بھی تعاون کیا تھا یہ فیم جب اس ایئر پورٹ والے سکول میں پہنچی تو یہ فیم بھی دنگ رہ گئی انہوں نے دیکھا ایئر پورٹ کی عمارت کا وہ حصہ 1914ء سے ابھی تک استعمال میں نہیں آیا تھا اس میں مرنے والے ایئر فورس کے لوگوں کی آوازیں باقاعدہ سنیں جاتی تھیں۔ اور کبھی کبھی ہتھارے اڑنے اور اترنے تک کی بھی آوازیں سنیں جاتی تھیں یہ صورت حال جب بی بی سی نے دیکھی تو وہ بھی کام چھوڑ کر بھاگ گئی۔

آخر اس معاملے کو سنجیدگی سے لیا گیا 1972ء میں ایک شخص جان سنن کی خدمات حاصل کی گئیں یہ رجسٹرڈ اور ان کے مختلف علوم کا ماہر خیال کیا جاتا تھا اس شخص کو اس ایئر پورٹ کی طرف روانہ کیا گیا اس کے ساتھ بی بی سی کے کچھ نمائندوں

پڑتال کی پھر اس نے مکان کے سنے مالک مسر سمٹھ پر انکشاف کیا۔ کہ جس شخص کی روح اس مکان میں نمودار ہوتی ہے کبھی وہ اس مکان کا مالک ہوا کرتا تھا اس کا نام فلپ تھا وہ تیرہ لاکھ سال کی عمر میں دماغ کی رگ پھٹنے یا دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہو گیا وہ اس وقت ہلاک ہوا جس وقت وہ لوہے کے بے بسے جسے فب میں بیٹھا نہا رہا تھا۔

کہتے ہیں کہ یہ سارے گوائف جیلنس کے بعد اس شخص نے اپنے علوم کا استعمال کرنا شروع کیا جس نے ذریعے اس کو پتہ چلا کہ فلپ نام کا جو شخص مر گیا تو وہ چونکہ فب میں بیٹھے بیٹھے اچانک مر چکا تھا لہذا اس کی روح کو ابھی تک یہ یقین نہیں تھا کہ اس کا جسم فنا ہو چکا تھا لہذا وہ ابھی تک اسمکان میں سرگرداں تھی۔ آدھ اس نے اپنے علوم کی مدد سے اس روح کو حاضر کیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ وہ کیوں اہل خانہ کو تنگ کرتی ہے۔ اس پر اس روح نے جواب دیا میں کسی کا تنگ نہیں کرتی بلکہ میں تو بڑے پرسکون انداز سے اپنے گھر میں رہ رہا ہوں۔

اس جواب میں نارمن نے اس روح پر انکشاف کیا کہ اب یہ گھر اس کا نہیں ہے وہ تو برسوں پہلے اچانک فب میں بیٹھے بیٹھے دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہو چکا ہے اور یہ کہ یہ مکان اب ایک شخص سمٹھ سے خرید لیا ہے اس کی ملکیت ہے یہ مکان اب اس کا نہیں کہتے ہیں اس انکشاف کے بعد اس روح نے اس مکان میں آنا اور اہل خانہ کو تنگ کرنا بند کر دیا تھا۔

○○○

ایسا ہی ایک اور واقعہ برطانیہ میں پیش آیا کچھ دوست تھے جو ایک فضا حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ ان کا تعلق برطانیہ کی شاہی ایئر فورس سے تھا برطانیہ نے 1914ء میں برٹش میوٹن کے مقام پر ایک ہوائی اڈہ تعمیر کیا تھا یہ ہوائی پائلر جنگی نوعیت کا تھا جنگ عظیم اول میں اس سے کام لیا جاتا رہا اس کے بعد اسے بیگا سمٹھا جاتا رہا پھر 1948ء سے اس عمارت کو ایک ٹیکنیکل سکول کے لیے استعمال ہونے لگی۔

ایک دفعہ 1948ء کے بعد ایک کمرشل فلم بن رہی تھی تو اس کمرشل

ایلیاہی ایک اور واقعہ 1969ء - برطانیہ میں پیش آیا یہ اس طرح کہ ہینگنگ ڈانام کے ایک ڈرائے کی رہبرسل کی جادہی تھی یہ ڈرامہ مشہور معروف مصنف جان ہارگن نے تحریر کیا تھا اور اس کی رہبرسل برطانیہ کے معروف کالٹن تھیٹر میں کی جادہی تھی۔ ڈرائے کی کہانی برطانیہ کی حسین ترین لڑکی مری بلانڈی کے متعلق تھی۔ مری بلانڈی نے اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا اور اس جرم کی وجہ سے اسے پھانسی دے دی گئی تھی۔ 1752ء - کو اس لڑکی مری بلانڈی کو پھانسی دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا یہ اس کی زندگی پر یہ ڈرامہ تحریر کیا گیا تھا۔ اور اس کی رہبرسل کی جادہی تھی۔

جس وقت کالٹن تھیٹر میں اس ڈرائے کی رہبرسل کی جادہی تھی اچانک دیوار کے ساتھ جو ایک بڑا آئینہ لگا ہوا تھا جس میں رہبرسل کرنے والے اپنے آپ کو دیکھتے تھے وہ اچانک فرش پر گر کر ریزہ ریزہ کر پڑی ہو گیا تھا اس کے ساتھ ہی جس کمرے میں رہبرسل جاری تھی اس کی روشنی نے جلنا بجھنا شروع کر دیا دروازے بھی حرکت کرنے لگے وہ کبھی بند ہو جاتے تھے اور کبھی کھل جاتے تھے اس طرح رہبرسل کرنے والے ادکار ایک طرح کی پریشانی کا شکار ہو گئے تھے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ان سارے ادکاروں نے فیصلہ کیا کہ اس کمرے کی بجائے کسی دوسرے کمرے میں ڈرائے کی رہبرسل کرنی چاہیے ابھی وہ اپنی اس تجویز پر عمل ہی کرنا چاہتے تھے کہ اس کمرے کے پردوں کے پیچھے کوئی حرکت کرتا ہوا دکھائی دیا پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے برطانیہ کی حسین ترین لڑکی مری بلانڈی نمودار ہوئی حالانکہ اسے 1752ء میں پھانسی دے دی گئی تھی۔

لوگوں نے دیکھا کہ وہ دھوئیں کی صورت میں مری بلانڈی کی روح تھی پوچھی روح ڈرائے میں کام کرنے والے ادکاروں کے سامنے آئی جو بالکل خاموش ہو گئے تھے پچھٹی پچھٹی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ مری بلانڈی کی روح نے ایک بار پورے کمرے میں اس کے ارد گرد جگہ لگا دیا اور ڈرائے کی رہبرسل میں جو لوگ شامل تھے ان کا بھی گہری نگاہوں سے جائزہ لیا۔

کو بھی روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ خود صورت حال کا جائزہ لیں اور جو صورت حال سامنے آئے اس کی خبر بی بی سی کو کریں۔

جس وقت جان سٹن کی خدمات حاصل کی گئیں تو یہ سارا تماشا دیکھنے کے لیے لاکھوں لوگ اس پرانے ہوائی اڈے پر جمع ہو گئے تھے۔ مسٹر جان سٹن نے اپنے علوم کو استعمال کرتے ہوئے ان روجوں سے رابطہ قائم کیا سب سے پہلے اس کا رابطہ ایک روح سے ہوا جس کا نام ویلانی تھا۔ وہ ایئر فورس میں ملازم تھا اور جس نے جنگ عظیم کی تباہ کاریاں دیکھتے ہوئے خودکشی کر لی تھی ویلانی کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ وہ مر گیا ہے لہذا اس کی روح پر سکون تھی۔

اس کے بعد ان علوم کے ماہر جان سٹن نے تین اور روجوں کو حاضر کیا ان تین روجوں میں سے ایک مسٹر گری۔ دوسری طر اور تیسری روح ایک شخص آرنولڈ کی تھی یہ تینوں ٹینٹس اور سٹوٹس کے شوقین تھے یہ تینوں گہرے دوست تھے اور ایئر فورس میں ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں ہلاک ہو چکے تھے چونکہ یہ ایک حادثے میں اچانک مارے جا چکے تھے۔ لہذا انہیں ابھی تک یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ مر چکے ہیں۔

چونکہ ان روجوں کو ابھی تک یقین نہیں تھا کہ ان کے جسم ختم ہو چکے ہیں اور یہ کہ ان کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں جب مسٹر جان سٹن نے ان روجوں سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم ہر چیز پہلے کی طرح دیکھتے ہیں لوگوں کو ادھر ادھر گھومتا پھرتا بھی دیکھتے ہیں ہم لوگوں سے مخاطب ہونا چاہتے ہیں ان سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں کوئی اہمیت نہیں دیتا سب سے بڑی بات جو اس موقع پر سامنے آئی ان روجوں میں سے کوئی بھی یہ سامنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ مر چکا ہے جب اپنے علم کو استعمال کرتے جان سٹن انہیں یہ احساس دلایا کہ اب وہ زندہ اور چلتے پھرتے انسان نہیں ہیں بلکہ وہ مر چکے ہیں اور ان کی حیثیت ایک روح سے زیادہ نہیں ہے کہتے ہیں اس واقعے کے بعد ان تین روجوں نے بھی لوگوں کو تنگ کرنا بند کر دیا تھا۔ شاید انہیں بھی یہ احساس ہو گیا تھا کہ اب ان کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہا

اس موقع پر ایک اداکار نے بڑی جرات مندی اور دلیری کا مظاہرہ کیا وہ اس مخاطب کر کے پوچھنے لگا آپ حقیقی معنوں میں میری بلائیں ہیں یا اس کی روح ہر اس سوال پر کہتے ہیں کہ میری بلائیں کی روح بے حد اداس ہو گئی اور پلک چھپکتے ہیں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اس کے بعد کبھی کسی نے میری بلائیں کی روح کو اس تھیلے میں یا کسی اور جگہ کبھی نہیں دیکھا۔

انگلستان کے علاقے لائی سیرسٹائر میں باسور تھ نام کا جو بڑا ہال ہے یہ بھی روجوں کے لیے بڑا مشہور رہا ہے۔ اس ہال کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس ہال میں ایک روح گزشتہ 108 سال سے نمودار ہو رہی ہے اور یہ ایک عورت لیڈی نرنگر کی ہے اس ہال کے ساتھ معاملہ کچھ اس طرح ہے کہ 1649ء میں انگلستان کے بادشاہ چارلس اول کے خلاف کرامویل نے بغاوت کی یہ بغاوت کامیاب رہی چارلس اول کو ختم کر دیا گیا اور کرامویل حکمران بن گیا حکمران بننے کے بعد اس نے حکم دیا کہ جہاں کہیں بھی سابق بادشاہ کے حامی نظر آئیں انہیں قتل کر دیا جائے نئے بادشاہ کرامویل کا حکم ملتے ہی اس کے سپاہیوں نے مرنے والے بادشاہ چارلس اول کے حامیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

جن دنوں یہ قتل و غارت گری ہو رہی تھی۔ ان دنوں کنگ چارلس اول کے بہت سے حامیوں نے اس ہال میں پناہ لی تھی۔ کرامویل کو جب خبر ہوئی کہ چارلس کے حامیوں نے اس باسور تھ ہال میں پناہ لی ہے تو اس نے اپنے مسلح جوان بھیج دیئے اور انہیں حکم دیا کہ جس قدر لوگوں نے اس ہال میں پناہ لی ہے انہیں قتل کر دیا جائے۔ کرامویل کا حکم ملتے ہی اس کے مسلح دستے اس ہال کی طرف گئے اور چارلس اول کے جن حامیوں نے وہاں پناہ لے رکھی تھی ان کا قتل عام کر دیا اس قتل عام کی وجہ سے باسور تھ ہال کچھ عرصہ ویران اور خالی سا پڑا رہا۔

میکسویل کی فنیکی صاحب ثروت اور امیر ترین تھی۔ لہذا انہوں نے ڈاکٹر سے
اجازت کی کہ جب تک مسٹر میکسویل پوری طرح صحت یاب نہیں ہوتی وہ اس عمارت میں
ان کے ساتھ قیام کرے اور وہ اس کے بے ڈاکٹر کو نہایت عمدہ معاوضہ بھی ادا کریں
گئے ڈاکٹر اس کے لیے حیار ہو گیا۔

ایک روز کافی رات گئے مسٹر میکسویل کا محاذ کرنے کے بعد جب ڈاکٹر اپنے
خصوص کرے میں سوئے کے لیے گیا تو یہ کہہ ادا کر کے منزل پر تھا ڈاکٹر سڑکیاں پڑھا
جس وقت وہ آدمی سڑکیاں پڑھا اور اسے ایک انتہائی خوبصورت عورت آتی دکھائی دی
اس نے ایسا لباس پہنا ہوا تھا جو کئی صدیاں پہلے استعمال کیا جاتا تھا اس کے لباس کو
نظر انداز کرتے ہوئے ڈاکٹر ایک طرف ہٹ گیا بڑی عبت بڑے احترام کے ساتھ اسے
رامت دیا تاکہ وہ عورت اس کے پاس سے آرام سے گزر جائے اس عورت کے پاس
بے گزرتے ہوئے ڈاکٹر نے نیچے اترتے ہوئے اسے شب بخیر بھی کہا لیکن ڈاکٹر کی
سیرت اور تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی کہ اس عورت نے اس کے شب بخیر کہنے کا کوئی
جواب نہ دیا یہاں تک کہ نگاہ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا بلکہ سڑکیاں اترتی ہوئی
آہستہ آہستہ چلی منزل کی طرف چلی گئی ڈاکٹر نے اسے کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے
گھر سے نکلے وہ جا کر آرام سے سو گیا تھا۔

اگلے روز اس ڈاکٹر نے اس معاملہ کی اطلاع اہل خانہ سے کی جب ڈاکٹر نے
انہیں یہ بتائی کہ اہل خانہ نے اس ڈاکٹر سے اس عورت کا خلیہ پوچھا جواب میں ڈاکٹر
نے اس عورت کے چہرے چہرے حسامت اس کے رنگ اس کے لباس کے علاوہ سارا
خلیہ تفصیل سے کہہ دیا تھا اس پر خود مسٹر میکسویل نے ڈاکٹر کو لڑکے لڑکے کے حالات
تفصیل سے کہہ دیے اور مزید یہ بھی کہا کہ گھبرائے اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں
ہے۔ ہم اس سے پہلے ایک عورت جس کا نام لیدی لڑگر تھا اس عمارت میں رہا کرتی
تھی یہ جو تم نے رات کو سڑکیاں اترتے ہوئے دیکھی ہے وہ حقیقت میں کوئی عورت
نہ تھی بلکہ لیدی لڑگر کی روح تھی اس بنا پر اس نے جہارے شب بخیر کہنے کا کوئی
جواب نہ دیا اور نہ نگاہ اٹھا کر اس نے جہاری طرف دیکھا۔

مسٹر میکسویل کے اس اعتراف سے ڈاکٹر ایسا دشت زدہ ہوا کہ اسی وقت وہ

اس کے بعد اس ہال کو ایک امیر کبیر لیدی لڑگر نے لے لیا اور اپنے اہل خانہ
کے ساتھ اس نے اس عمارت میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

کہتے ہیں کہ لیدی لڑگر کی ایک ملازمہ تھی جو انتہائی شریف اور پارسا عورت
تھی لیدی لڑگر اسے مذہبی اختلاف کی بنا پر اپنے ظلم کا نشانہ بناتے رکھتی تھی وہ ملازمہ
بیچاری مظلوم اور ستم بھی انتہائی اور بہترین انداز میں لیدی کی خدمت بھی کرتی تھی
اس طرح وہ ملازمہ لیدی کی خدمت کرتے کرتے مر گئی۔

اس کی موت کے بعد جب کچھ لوگوں نے اس کی آخری رسومات ادا کرنی چاہی
تو لیدی لڑگر ایسی ظالم اور ستم گر عورت تھی کہ اس نے لوگوں کو اپنی ملازمہ کی آخری
رسومات ادا نہ کرنے میں اور ایسے ہی اسے زمین میں ودایا۔

کچھ عرصہ بعد لیدی لڑگر بھی اس جہان فانی سے کوچ کر گئی بعد میں لیدی
لڑگر کی روح کو ان گنت بار ہال اور اس سے ملنے اس عمارت کے کمروں میں سرگرداں
پریشان آہیں بھرتے ہوئے دیکھا گیا کبھی کبھی لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ لیدی کی رون
نوحہ و کناں تھی دھیرے دھیرے روتی ہوئی وہ اپنی اس ملازمہ کو یاد کرتی اور اس سے
معافی مانگتی تھی جس پر اس نے ستم اور مظالم کیے ہوئے تھے۔

لیدی لڑگر کے مرنے کے بعد اس ہال اور اس سے ملنے کمروں کی عمارت کو
ایک شخص مسٹر میکس ویل نے خرید لیا اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش اختیار کر لی
خاندان کے کچھ افراد نے باور رہنے پال کی عمارت میں ان گنت بار لیدی لڑگر کی رون
کو کبھی ہال کبھی اس سے ملنے کمروں اور کبھی عمارت کے اوپر حصے میں آہیں بھرتے
ہوئے دیکھا۔ چونکہ لیدی کی روح سنے خاندان کے لیے کسی تکلیف کسی اذیت کا باعث
نہ تھی لہذا جب کبھی لیدی لڑگر کی روح اس مکان میں نمودار ہوتی مسٹر میکسویل
کا خاندان اسے نظر انداز کر دیتا۔ ان کے لیے یہ معمول سا بن گیا تھا۔

ایک بار مسٹر میکسویل بیمار ہو گئی اس کی بیماری خطرناک صورت حال
اختیار کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کے اس کے علاج کے لیے ایک ماہر ڈاکٹر کو طلب کیا
گیا ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ مسٹر میکسویل کی چند روز تک سخت
نگرانی کی جائے ورنہ اس کا جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ اٹھ کھڑا ہو گا۔

عمارت کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور اپنے گھر چلا گیا۔

لیڈی لڑگر کی روح کو باسوروتھ ہال کے رہنے والوں ہی نے نہیں اور بہت سے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اکثر اوقات وہ اس عمارت کے ایک کونے والے کمرے میں نمودار ہوتی تھی کہا جاتا ہے کہ لیڈی لڑگر جس وقت زندہ تھی وہ زیادہ تر اپنا قیام اسی کمرے میں رکھا کرتی تھی اور اسی کمرے میں اس نے مرنے سے پہلے اپنا آخری سانس لیا تھا اسی بنا پر لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے چونکہ وہ کمرہ بہت پسند تھا لہذا اس کی روح بھی اس کمرے کا طوائف کرتی ہے لیڈی لڑگر اپنی اس عمارت کی سڑھیوں کو بڑا پسند کرتی تھی اس لیے کہ پہلی سڑھیاں گر کر اس نے بڑی قیمتی لکڑی کی سڑھیاں بنائی تھیں۔ جو کہ اوپر گیلری سے جا کر ملتی تھیں۔ لہذا اکثر اوقات اس کی روح لکڑی کی ان سڑھیوں پر بھی نمودار ہوا کرتی تھی۔ جو خود لیڈی لڑگر نے اس عمارت میں بڑے شوق سے بنائی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے لیڈی لڑگر کی روح سکون کی تلاش میں ہے اس لیے کہ اس نے اپنی زندگی میں اپنی ملازمہ پر انتہائی ظلم و ستم ڈھائے تھے۔ اس لیے اس کی روح اب تک سکون کی تلاش میں سرگرداں تھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی لیڈی لڑگر کی روح انتہائی برہم اور خفگی کی حالت میں ہوتی ہے اس وقت اس عمارت میں طرح طرح کی آوازیں آتی ہیں کبھی پچھنے کبھی جلائے کی کات کھانے کی اور کبھی بھی اہل خانہ کے مہمان آکر اس عمارت میں ٹھہرتے ہیں تو لیڈی لڑگر کی روح انہیں اٹھا کر باہر بچ دیتی ہے برتن ادھر ادھر کر دیتی ہے کبھی برتن توڑ بھی دیتی ہے۔ اور عمارت میں ناقابل برداشت شور کرنا بھی شروع کر دیتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لیڈی لڑگر کی روح اب بھی باسوروتھ ہال میں اکثر دیکھی جاتی ہے۔

1 فروری 1938ء کا پہلا ہفتہ تھا لندن میں کچھ پولیس والے شام ہونے کے بعد رات کو اپنے معمول کے گشت پر تھے ان میں سے ایک آدمی نے دیکھا کہ کوئی چیز کے سروں کے اوپر سے گزرتی ہوئی سامنے والی عمارت کی طرف گئی تھی اس پولیس نے اسے دیکھا کہ اس کا ساتھ میں بھی اس چیز کو دیکھ چکا تھا وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اس نے رات کے پہلے کے اندھیرے میں دیکھا کہ انسان نما کوئی چیز فضا میں اڑتے ہوئے ان کے سروں سے گزر کر سامنے والی چھت پر جا بیٹھی تھی پولیس والے دونوں نے اس کے قریب گئے اور دنگ رہ گئے انہوں نے دیکھا کہ انتہائی تیز نیلے رنگ کی روشنی ان کی آنکھوں سے پھوٹ رہی تھی جبکہ نیلے رنگ کے شعلے انتہائی خوفناک انداز سے اس کے منہ سے نکل رہے تھے دونوں پولیس والے اس عجیب و غریب شیطان کو دیکھ کر گھبرائے پولیس والے پہلے اشخاص تھے جنہوں نے اس کا نام شیطان رکھا انہیں خدشہ تھا کہ یہ انہیں کی ناک میں نہ ہو اور یہ نہ ہو کہ وہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے آگے جائیں اور پشت کی طرف سے ان پر چھپے اور ان کا کا حاتمہ کر دے لہذا ایک نے اپنی رائفل کی پیسٹر میں گولی ڈالنے ہوئے بلٹ چڑھایا نشانہ لیا اور ناک سے گولی ماری اب پولیس والے کو یہ نہیں چلا کہ گولی اس شے کو لگی کہ نہیں وہ شیطان دونوں پولیس والوں کے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا۔

ہے منہ سے نیلی آگ پھوٹتی ہے میں اور میرے دوسرے سپاہیوں نے اس شیطانی
ت کو پکڑ لیا ہے اور اسے دسی میں جکڑ لیا ہے چونکہ رات اندھیری ہے ہم نے اسے
دھ کر آپ کے مکان کے باہر گلی میں ڈالا ہوا ہے آپ سے انتہاس ہے کہ آپ ایک
میں لے کر میرے ساتھ چلیں تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ وہ کیا قوت ہے جسے ہم نے پکڑا
اس شخص نے جین کے ساتھ ایسی شانگلی ایسی لگن اور خلوص کے ساتھ گفتگو کی
کہ جین کو اس پر اعتبار آگیا اپنی بہنوں کو اس نے بستر پر ہی بیٹھنے کو کہا اور گھر
بہو اس وقت لائیں بل رہی تھی اس نے وہ لی اور چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لی۔
آگے آگے تھی وہ شخص بچھے بچھے تھا۔ جین سمجھ گئی میں اتنی اور مڑ کے بچھے دیکھا تو
بھی نہیں تھا۔ جین نے لائیں زمین پر رکھ دی اور اوپر اوپر دیکھنے لگی اچانک
ہا کی جانب سے ایک شے جو انسانی ہیولے جیسی تھی اس پر ٹھپتی اور اپنی گرفت
پاس نے جین کو بری طرح جکڑ لیا تھا۔

چونکہ گزشتہ کئی دنوں سے شہر میں یہ افواہیں اڑی ہوئی تھیں کہ کوئی مافوق
برت چیز ہے جو لندن میں دیکھی جا رہی ہے۔
اب جین کی سمجھ میں یہ بات بھی آگئی تھی کہ جس نے اس کے گھر کے
دے پر دستک دی تھی یہ وہی شیطانی قوت ہے جو اسے گھر سے ہلا کر لائی ہے۔
لہذا وہ پوری قوت سے چٹھنے چلائے گی اور رات کی تاریکی میں لوگوں کو اپنی
کے لیے پکارتی تھی گی۔

جین کی چیخ و پکار سن کر ارد گرد کے گھروں والے اٹھ کھڑے ہوئے اسکا باپ
ہاگ گیا اور اس کی ہمیں بھی ہانگ لیا، ہوئی باہر آئیں تھیں انہوں نے دیکھا کہ جین
ی مافوق الفطرت چیز نے اپنی گرفت میں بری طرح لیا ہوا تھا۔ جین چونکہ اس
پتے آپ کو چھوڑانے کی کوشش کر رہی تھی لہذا اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ
تھے پھر جس وقت بہت سے لوگ اس گلی میں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔
قوت دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نگاہوں سے ردوش ہو گئی۔ جین ہچکاری کا لباس
نا طرح پھٹ گیا تھا کہ وہ جگہ جگہ سے برسہہ ہو گئی تھی۔

اس قوت کی وجہ سے جین بے چاری نیم بے ہوش کی سی حالت میں تھی اسے

پولیس والے پریشان تھے کہ اس سے پہلے 1837ء میں بھی ایک عورت
نے یہ بیان دیا تھا کہ اس نے اپنے مکان کے قریب ہی ایک انسان کو فضا میں اڑنے
ہوئے دیکھا تھا وہ اس حالت میں تھا کہ اس کی آنکھوں سے نیلی روشنی پھوٹتی تھی
اور منہ سے وہ آگ پھینکتا تھا اور اسکی لمبی نوک دار داڑھی تھی اور سر کے بال بھی بالکل
لوہے کی تاروں کی طرح اداڑھے ہوئے تھے۔ اب پولیس والوں کو بھی یقین ہو گیا
کہ یہ وہی شے ہے جو 1837ء میں اس عورت نے دیکھی تھی۔

اس کے تین دن بعد لندن میں اس شیطانی قوت کی وجہ سے ایک اور حادثہ
پیش آیا وہ اس طرح کہ ایک لڑکی جین اپنے باپ اور دو چھوٹی بہنوں کے ساتھ اپنی
عمارت کے قریب ہی رہتی تھی جس عمارت کی چھت پر دونوں پولیس والوں نے اس
شیطان کو دیکھا تھا تو اس کے بعد تقریباً سارے لندن میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ
کوئی شیطانی قوت فضاؤں میں اڑتی ہوئی مکانوں اور عمارتوں کی چھتوں پر بیٹھ جاتی ہے
اور اسے گولی بھی نہیں لگتی ہے۔

ایک روز جین اپنے گھر میں اپنے باپ اور بہنوں کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی پھر اس کا
باپ ہونے کے لیے اپنے بستر پر چلا گیا لہذا جین اپنی چھوٹی دونوں بہنوں کے ساتھ باہر
کر باتیں کرتی رہی تینوں بہنیں وقت باتوں میں گزارتی رہیں تاہم ان کا باپ گہری نیند
سو گیا۔

ابھی تینوں بہنیں بستر پر بیٹھ کر باہم گفتگو کر رہی تھیں کہ دروازے پر کس
نے زور دار دستک دی تھی۔

اس دستک پر جی بہن اپنے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آگے بڑھ کر اس سنا
دروازہ کھولا اس نے دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا تھا رات کا وقت تھا لہذا جین
اس کے گھر کے کو صحیح طور پر دیکھ نہ سکی۔ جین کو دیکھتے ہی وہ شخص بول پڑا۔

میں ایک پولیس والا ہوں تم نے سن رکھا ہو گا کہ گزشتہ کئی ماہ سے ایک
ایک شیطانی قوت لندن کی فضاؤں میں سرگرداں ہے پہلے اسے ایک عورت نے دیکھا
پھر دو پولیس والوں نے دیکھا اس کے بعد اسے لندن کے کئی لوگوں نے فضا میں اڑنے
اور پھر مختلف مکانوں کی چھتوں پر بیٹھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے نیلی روشنی نکلتی ہے

بھی اور سب سے زادہ اسے ڈ لینڈ کے علاقے میں دیکھا گیا لہذا اس علاقے میں حکام نے علاج متعین کر دی اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ جو بھی یہ شیطانی قوت دکھائی دے اسے گولی مار دی جائے۔

ڈ لینڈ کے علاقے میں قوت کی جو کیاں بنا دی گئیں جگہ جگہ فوجی پہرے دار بٹھا دیئے گئے لیکن اس شیطانی قوت نے فوجیوں کو بھی دھوکا اور جمل دینا شروع کر دیا ایک بار اسے چند فوجیوں نے 1860ء اور 1870ء کے درمیان عربے میں ڈ لینڈ کے علاقے میں دیکھا یہ ان کے بالکل قریب ہی نمودار ہوئی تھی اسے دیکھتے ہی فوجیوں نے اس پر فائرنگ شروع کر دی فوجیوں کے دیکھتے ہی دیکھتے پانچ گھوڑیاں اسے لگی تھیں۔ لیکن اس کے جسم سے اس طرح سے گزر گئی تھی جیسے کوئی چیز ہوا میں سے گزر جاتی ہے۔ اسے ان گولیوں سے کوئی نقصان نہ ہوا۔ اس کے بعد 1877ء میں ایک بار پھر یہ فوجیوں کی گرفت میں آئی بلکہ ان کے قریب نمودار ہوئی فوجیوں نے پھر اسے گولیوں کا نشانہ بنایا کہتے ہیں اس موقع پر لگ بھگ 56 گولیاں اسے داغیں گئی تھیں جو اس پر بالکل نشانے پر لگی تھی اور اس کے جسم میں سے گزری تھیں لیکن 56 گولیوں نے بھی اسے کوئی نقصان نہ پہنچا تھا۔

اس کے بعد گلستان کی لڑکیوں کے علاوہ اس شیطانی قوت نے فوجی سپاہیوں کو اپنی شرارتوں اور اپنی کاروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا اکثر اوقات وہ فوجیوں کے قریب نمودار ہوتا ان کے منہ پر طمانچہ مارتا یا کبھی کبھی اپنے پنجوں سے ان کا چہرہ یا جسم کا کوئی حصہ نوچ کر رکھ دیتا تھا یہ شیطانی قوت اچانک رات کے وقت نمودار ہوتی تھی اور فوجیوں پر حملہ آور بھی ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد اس نے فوجی جہازوں کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح فوجی بھی اس کے متعلق محتاط ہو گئے تھے

اس نے چھانڈی کے ایک ٹاور کو اپنا مسکن بنالیا تھا اور وہاں سے نکل کر یہ فوجیوں پر حملے کرتی تھی فوجیوں نے بھی یہ دیکھ لیا کہ یہ شیطانی قوت فوجی علاقے کے اندر جو ٹاور ہے وہاں قیام کرتی ہے۔ لہذا ایک بار جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ ٹاور کے اندر یہ قوت موجود ہے تو انہوں نے اسے ٹاور کو گولیوں سے پھینکی کر کے رکھ

اسی وقت اٹھا کر ہسپتال لے جایا گیا جہاں پورا ایک ہفتہ اس کا علاج ہوا جب جا کر وہ ہسپتال اور اس قابل ہوئی کہ وہ اپنے پاؤں پر چل پھرے۔

جب کہ وجہ ہوش آتی تو ہسپتال کے عملہ کے علاوہ انتظامیہ نے اس سے تفصیل پوچھی کہ کیسے وہ اس شے کی گرفت میں آئی۔ جن نے بھی انہیں وہی کہانی سنائی جو اس سے پہلے پولیس والے کہہ چکے تھے۔ جن نے انکشاف کیا کہ اس قوت نے اس کے دروازے پر دستک دی رات کی تاریکی میں وہ اسے پہچان نہ سکی جب وہ لگی میں آئی وہ قوت چیل کی طرح اس پر بھینسی اس کی آنکھوں سے نیلے رنگ کی روشنی پھوٹ رہی تھی اس کے منہ سے کھولتی ہوئی آگ نکل رہی تھی۔

جب کہ اس انکشاف سے پورے لندن میں ایک طرح کا خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لندن کے باہر کے لوگ بھی اب خوفزدہ ہو گئے تھے اس لیے کہ اب اس شیطانی قوت نے لندن کے باہر بھی انگلستان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں اپنی کاروائیاں کرنی شروع کر دی تھیں۔

اس واقعے کے چند روز ہی بعد لوسی نام کی ایک اچھائی خوبصورت لڑکی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ بازار سے گزر رہی تھی رات کا وقت تھا لوسی ایک قصائی کی تھی رات کے وقت وہ بازار سے کچھ چیزیں خرید کر اپنے بھائی کے ساتھ گھر واپس جا رہی تھی۔ اچانک جس وقت وہ دونوں بہن بھائی ایک تنگ و تاریک لگی سے گزر رہے۔ جگہ ڈھس کی ایک چیز نے لوسی پر حملہ کر دیا اور لوسی کو اس نے بری طرح گرفت کر لیا۔ لوسی نے بھی یہ سن رکھا تھا کہ شہر میں کوئی شیطانی قوت سرگرداں ہے مختلف لڑکیوں کو روپ دھار کر اپنا نشانہ بناتی ہے لوسی شور کرنے لگی لوسی نے یہ دیکھا کہ اس شے کی آنکھوں سے نیلی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ منہ سے آگ نکل رہی لوسی کے شور کرنے پر اس جگہ ڈھسنا چڑنے اسے چھوڑ دیا اور فضا میں پرواز کر کے اس نے لوسی کی آنکھوں میں اپنی آنکھوں سے نکلنے والی نیلی روشنی اس انداز پھینکی کہ لوسی بچاری ہمیشہ کے لیے اپنی بینائی سے محروم ہو کر رہ گئی۔

1850ء سے 1860ء کے دوران اس شیطانی قوت کو انگلستان کے مختلف علاقوں دیکھا گیا زیادہ تر یہ شیطانی قوت شام سات بجے سے آدھی رات کے درمیان نمودار؟

دیا تھا لیکن وہ شیطانی قوت ویسی کی ویسی ہی رہی۔

اب انگلستان کے لوگوں نے اس قوت کا ایک عجیب و غریب نام ڈال دیا تھا جو کہ یہ اچھل کود بہت کرتی تھی لہذا انگلستان میں لوگ اسے سرنگ کے پاؤں والا گیدڑ کہہ کر پکارنے لگے تھے بعد میں اسے گیدڑ یعنی جیال کہہ کر پکارا جانے لگا اسکے بعد یہ قوت آخری بار 1904ء میں ایورٹن کے علاقے لورپول میں دکھائی دی نوپول کا یہ علاقہ ہے بڑا بارونق علاقہ ہے اس وقت بے شمار لوگ اس علاقے میں جمع تھے ان لوگوں کے سامنے یہ شیطانی قوت ظاہر ہوئی لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بلند عمارت سے یہ زمین کی طرف مچھٹی تھی اور پھر زمین سے اچھلنے لگی تھی اس عمارت کی چھت کی طرف گئی تھی اس کے بعد یہ کبھی لندن میں نمودار نہ ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گئی اس کا نمودار ہونا اس کی کاروائیاں کرنا اس کے متعلق حقیقت حال تک نہ پہنچنا ابھی تک ایک معرہ بنا ہوا ہے۔

ہندوستان میں راجستان کا علاقہ بھی روجوں کا مسکن خیال کیا جاتا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ راجستان کا صوفائی اور کوہستانی علاقہ بلکہ ہر شہر ہر گاؤں ایسے افسانوں داستانوں اور کہانیوں کے لیے محروم ہے جو روجوں کے متعلق ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ راجستان کی سرزمینوں میں مالوہ اور ماہو اس سلسلے میں سرفہرست ہیں ان علاقوں میں ان گنت لوگوں نے بے شمار بار مختلف علاقوں میں روجوں کو دیکھا جس کی تفصیل کچھ اس طرح سے پیش کی جاتی ہے۔

مالوہ اور ماہو کے علاقوں کے رہنے والے لوگوں نے اکثر دیکھا کہ ایک راجپوت شہزادہ جو مالوہ اور ماہو کے علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنے لشکر سمیت ہلاک ہو گیا تھا ان کی روجیں ان علاقوں میں اکثر نمودار ہوا کرتی تھی۔

وہ اس طرح کہ راجپوت شہزادے کی روج آگے آگے ہوتی تھی اور اس کے مسلح جوان اور محافظ دستے اس کے پیچھے پیچھے ہوا کرتے تھے۔ سب پوری طرح ہتھیاروں سے لیس ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں سے کچھ اپنے ہاتھوں میں تللیں ہوتی مشعلیں پکڑے ہوتے تھے جیسے رات کے وقت وہ اپنے کسی دشمن لشکر کی طرف پیش قدمی کر رہے ہوں جن لوگوں نے روجوں کے اس لشکر کو دیکھا ان کا کہنا تھا کہ روجوں کا یہ لشکر عموماً انداس راتوں کو نمودار ہوتا تھا اس وقت جب کہ چاروں طرف تاریکی پھیلی

ہوتی تھی یہ رومیں اپنے ہاتھوں میں مشطیں لیے اپنی نامعلوم منزلوں کی طرف جاتی تھیں۔

جن لوگوں نے بھی آج تک ان رعوں کے لشکر کو دیکھا ان میں سے بہت کم لوگ سلامت رہ سکے ان میں سے کچھ مر گئے اور بیان کرنے والوں کا یہ دعوا ہے کہ ان میں سے چالیس کے قریب ہاگل ہو چکے ہیں ہاگل ہونے والوں میں سے کانگریس کا ایک سرکردہ رکن گلاب چند سونی بھی شامل ہے۔ اس شخص نے 1987ء میں ان رعوں کے اس جلوس کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ وہ دھول اور تاشے بجاتے ہوئے ایک سمت جا رہے تھے وہ سب مسلح تھے اپنے ہاتھوں میں مشطیں لیے ہوئے تھے۔

روحوں کے اس جلوس کو دیکھ کر گلاب چند سونی کے دل میں ایک تجسس ایک کریدی پیدا ہوئی یہ ارادہ کیا کہ یہ تو دیکھنا چاہیے کہ یہ رومیں کہاں سے آتی ہیں کدھر کو جاتی ہیں۔ اور کیا کرتی ہیں یہ ارادہ کرنے کے بعد گلاب چند رعوں کے اس جلوس کے پیچھے پیچھے ہو گیا لیکن جو بھی وہ رعوں کے قریب گیا ان رعوں میں سے کچھ نے ایسے انداز سے اس کی طرف دیکھا کہ جنوری 1987ء میں گلاب چند سونی ہاگل ہو کر رہ گیا تھا۔

یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ کے علاقے میں جو درگاہ دیوی کا مندر ہے اس کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے رست ہی رست پھیل جاتی ہے جن لوگوں نے وہاں متبع ہونے والی رعوں کو دیکھا ان کا کہنا تھا کہ کبھی کبھی اس پرانے مندر کے نواں میں کچھ رومیں جمع ہوتی ہیں اور جن لوگوں نے ان رعوں کو دیکھا ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ وہی راجپوت شہزادے والی رومیں ہیں جو اپنے ہاتھوں میں مشطیں لیے اور اپنے آپ کو رستم کے مالوہ اور ماہو کے علاقوں میں نمودار ہوتی ہیں۔

دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ ہردی کے علاقے سے گزرنے کے بعد درگاہ دیوی کے مندر کے ایک طرف جو کھلا میدان ہے وہاں یہ رومیں جمع ہوتی ہیں جن لوگوں نے دور سے ان رعوں کو دیکھا ان کا نظارہ کیا ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہاں جمع ہونے کے بعد مختل رقص و موسیقی پر ہا ہوتی ہے مختلف قسم کے موسیقی کے آلات بجتے ہیں اور پھر رقص کرنے کی آوازیں کچھ اس طرح آتیں ہیں جیسے بے شمار لوگ اپنے پاؤں میں

ہردی کا یہ علاقہ جہاں لوگوں نے اکثر رعوں کے جلوس کو دیکھا ہے مہلو اور گھوٹا کے درمیانی علاقے میں پڑتا ہے اس علاقہ تک پہنچنے کے لیے مالوہ اور ماہو کی سر زمینوں کی طرف سے سفر کرنا پڑتا ہے ماہو کے قریب جو کوستانی سلسلہ ہے وہاں ایک مسلمان بزرگ خواجہ حمید الدین چشتی رحمت اللہ علیہ کا مزار اور ان کی درگاہ ہے کہتے ہیں کہ اس مزار کے آس پاس بھی رومیں نمودار ہوتی ہیں۔

ہندوستان کی حکومت نے جب اس علاقے میں مجیم ساگر نام کا ڈیم بنانے کی کوشش کی تو اس ڈیم کی تعمیر پر بڑے بڑے قابل ہندو انجینئروں کو مقرر کیا گیا جس وقت یہ ڈیم تعمیر ہو رہا تھا تو اسے تعمیر کرنے کے لیے کافی بلندی پر لچایا گیا کہ خواجہ حمید الدین چشتی رحمت اللہ علیہ کا مزار اس سے کافی نیچے دکھائی دینے لگا جب ڈیم کی تعمیر کا کام شروع ہوا جو لوگ اس ڈیم کی تعمیر میں گئے ہوئے تھے وہ اکثر دیکھتے تھے کہ ڈیم کے آس پاس اور اس کے اطراف میں رات کو رومیں نمودار ہوتی تھیں۔

اس کے بعد رعوں نے بہت بڑا قدم اٹھایا۔ دن کے وقت جس قدر ڈیم کا کام ہوتا تھا رات کے وقت وہ رومیں نمودار ہو کر اسے مسمار کر دیتی تھیں۔ اس طرح کچھ روز تک یہ جدوجہد جاری رہی ڈیم کی تعمیر کا کام جس قدر بھی دن کے وقت ہوتا رات کے وقت رومیں اچانک نمودار ہوتی اور اس سارے کام کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیتی تھیں۔

یہ صورت حال جب حکام بالاکب پہنچی تو نئے انداز سے اس ڈیم کی تعمیر کا کام شروع ہوا وہ اس طرح کہ دن کے وقت جس قدر ڈیم کا کام ہوتا تھا اس کی نگرانی کے لیے اس کے چاروں طرف محافظ دستہ مقرر کر دیئے جاتے تھے تاکہ تعمیر ہونے والے ڈیم کو رات کے وقت کوئی نقصان نہ پہنچ سکے لیکن پہرہ دینے والوں اور حکومت کی حیرانگی کے لیے اس قدر ہی کافی تھا کہ کڑے پہرے کے باوجود رات کے وقت ہولے اور دھوئیں کی صورت میں رومیں نمودار ہوتیں اور تعمیر کے کام کو گرا کر رکھ دیتیں اگر کوئی ان پر گولی چلاتا تو گولی ان کے اندر سے اس طرح سے گزر جاتی جیسے

دعویں یا بادل کے ٹکڑے کے اندر سے گزر جاتی ہے۔

جب یہ مسلمان کچھ عرصہ تک ایسے ہی جاری رہا تب جو انجینئرز ڈیم کی تعمیر پر مقرر تھے یا انتظامیہ کے وہ لوگ جو اس ڈیم کی تعمیر پر مقرر تھے تاکہ تعمیر کے کام کی نگرانی کریں انہوں نے کچھ مسلمان علماء اور دیگر دانشور لوگوں سے مشورہ کیا اس پر انتظامیہ اور انجینئرز کو بتایا گیا کہ یہ علاقہ اگر روجوں کا مسکن ہے تو اسے بچایا جانا چاہیے ورنہ یہ روجیں جو رات کو نمودار ہوتی ہیں اس ڈیم کی تعمیر میں اسی طرح خلل اندازی کرتی رہیں گی آخر عبور ہو کر ہندوستان کی حکومت کو لاکھوں روپے کا نقصان برداشت کرتے ہوئے اس ڈیم کے نقشے میں تبدیلی کرنی پڑی جب ڈیم کو بننے کے مطابق تعمیر کیا گیا تب روجوں نے ڈیم کی تعمیر میں تھمیر خانی نہیں کی اور ڈیم تعمیر ہو گیا۔

○○○

کہتے ہیں مشعل شہنشاہ اکبر نے جب رانا پریتاب سنگھ کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کیا تو اس نے سب سے پہلے ایک لشکر اپنے جرنیل راجہ مان سنگھ کو دے کر رانا پریتاب کی طرف روانہ کیا راجہ مان کو پریتاب سنگھ کی طرف روانہ کرنے کے بعد اکبر نے اپنے چھوٹے سے محافظ دستے کے ساتھ ایک جگہ پڑاؤ کر لیا تھا۔ رانا پریتاب کو جب پتہ چلا کہ اکبر کا جرنیل راجہ مان سنگھ اس کی سرکوبی کے لیے بڑی تیزی کے ساتھ بھاگا کر رہا ہے۔ تو وہ بھی حرکت میں آیا اس نے ہمیر سے ملے کر چوتھو تک جس قدر علاقہ تھا اس نے اس علاقے کی فصیلیں تباہ کر دیں پینے کا جو پانی تھا وہ اس نے برباد کر دیا۔ سارا کام جب رانا پریتاب مکمل کر چکا تو کہتے ہیں کہ رانا پریتاب کو اس کے جاسوسوں نے خبر دی کہ مشعل شہنشاہ اکبر اس وقت راجہ مان سنگھ کے لشکر کے چند میل پیچھے اپنے چھوٹے سے محافظ دستے کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے ہے اور اگر پریتاب سنگھ ایک لمبا چکر لگا کر راجہ مان سنگھ کے لشکر سے ہٹ کر پشت کی طرف جائے تو اکبر پر حملہ آور کر اکبر کا کام تمام کر سکتا ہے۔ اس طرح پریتاب سنگھ کو ہندوستان میں اپنے علاقوں پر اس وسلوں کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع مل جائے گا۔

رانا پریتاب سنگھ کو یہ تجویز بڑی پسند آئی اجمیر اور جتوڑ کے درمیان سارلس

علاقے کو تباہ کرنے کے بعد اس نے ایک لشکر ایک ایک لمبا چکر لگا کر راجہ مان کو نظر انداز کرتا ہوا وہ اس سمت بڑھا جہاں اکبر نے اپنے محافظ دستے کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا کہتے ہیں رانا پریتاب سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ بالکل اکبر کے پڑاؤ کے قریب پہنچ گیا اس وقت وہ اگر حملہ آور ہو جاتا تو لڑکوں کے اندر شہنشاہ اکبر کو ہی نہیں اس کے سارے محافظ دستے کو تباہ کر دیتا پر کہتے ہیں رانا پریتاب سنگھ نے جس وقت اکبر کے پڑاؤ کو قریب سے دیکھا تو رانا پریتاب سنگھ دھشت زدہ ہو گیا تھا اس لیے کہ اس نے دیکھا کہ اس کے اور شہنشاہ اکبر کے درمیان روجوں کا ایک بڑا سانچہ چل رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اکبر اور لکے درمیان بے شمار روجیں وہاں اپنا کوئی اجلاس کئے ہوں یہ صورت حال دیکھتے ہوئے رانا پریتاب ایسا خوفزدہ ہوا کہ اکبر پر حملہ آور ہونے کی بجائے وہ واپس بھاگ گیا۔

کہتے ہیں اسی رات اکبر کو خواب میں ایک روح دکھائی دی اور اس نے حکماندہ انداز میں اکبر سے کہا کہ وہ اس جنگ کو بند کر کے دہلی کے بجائے لاہور چلا جائے اور وہی قیام کرے وہیں اس کی سلامتی ہے۔

اس روح کے کہنے سے شہنشاہ اکبر خاصا مسافر ہوا اور راجہ مان کو واپس بلایا رانا پریتاب سنگھ کے خلاف اس نے اپنی مہم کو ختم کر دیا اور رانا پریتاب بھی خوف و دھشت سے کانپ رہا تھا کہ اس کی شکست اور بربادی لازمی ہے۔ لیکن جب اسے یہ خبر ہوئی کہ شہنشاہ اکبر نے اپنے لشکر کو واپس بلایا ہے اس کی جان میں جان آئی۔

بہر حال اس روح کے مشورہ دینے پر اکبر اپنے لشکر کے ساتھ دہلی نہیں گیا بلکہ اس نے اپنا رخ لاہور کی طرف کیا۔ اور اسی روح کے کہنے پر اس نے 1585ء سے 1597ء تک لگاتار 12 سال لاہور ہی میں قیام کیا اور اسی کو اپنا دار حکومت بنائے رکھا۔ اور رانا پریتاب سنگھ بڑا خوش تھا کہ اکبر جیسی بلا ٹل گئی۔ اور اسے نقصان نہیں ہوا لیکن رانا پریتاب کا حشر بھی برا ہوا کہتے ہیں جن دنوں اکبر نے اپنے لشکر کے ساتھ لاہور ہی میں قیام کر رکھا تھا اسے اطلاع ملی کہ رانا پریتاب سنگھ مر گیا ہے اس کے مرنے کے متعلق عجیب و غریب افواہیں پھیلی تھیں کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ مادیاتی

قوتوں نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ اس وقت موت سے ہستار ہو گیا جس وقت وہ ایک کمان کو کھینچ رہا تھا۔ اور کسی ان دیکھی قوت نے کمان کھینچنے کے ساتھ ہی جو تیر کمان میں چڑھا ہوا تھا وہ ہواؤں میں جانے کی بجائے رانا پر تاب سنگھ میں بیست ہو گیا تھا۔ اور اس کے زخم سے رانا پر تاب سنگھ اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ حقیقت کیا ہے یہ خداوند قدوس ہی بہتر جانتا ہے۔

روس میں روحوں اور اس قسم کے توہمات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی روس کے لوگ عموماً اب تک اس چیز کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ اس کائنات میں روحوں کا کوئی وجود ہے اس میں روس کے لوگوں کا کوئی قصور نہیں اس لیے کہ ٹیکونٹ موسائی اس قسم کے خیالات کو رد کرتی ہے اس کے علاوہ روس میں معاشرتی اور سیاسی ماحول ہی کچھ ایسا ہے کہ روحوں اور اس قسم کی مافوق الفطرت چیزوں یا قوتوں پر یقین نہیں رکھا جاتا۔

لیکن روس میں ایک ایسا شخص گزرا جس نے اس سلسلے میں انقلاب برپا کر دیا یہ روس کا مشہور و معروف موسیقار بلا دی میر تھا جو پیانو بجانے میں اپنا جواب نہیں دیکھتا تھا پہلے پہل بلا دی میر چپ چاپ خاموش اور گوش گیری کی ہی زندگی بسر کرتا رہا اس کے بعد اس نے اعلانیہ کہنا شروع کیا کہ اس نے موسیقی کی جس قدر تربیت حاصل کی ہے وہ اس نے روحوں سے کی ہے اور روحوں میں سب سے زیادہ اہمیت اس کے پاس دیا کے مانے ہوئے پولینڈ کے رہنے والے موسیقار کوپن کی روح ہے۔ بلا دی میر اپنے دعوایا کیا تھا کہ کوپن کی روح نے اسے کئی بار موسیقی کے وہ قانون سکھائے جن سے میں ہی نہیں بلکہ اور بہت سے لوگ بہرہ مند نہیں تھے۔

بلا دی میر روس میں پیدا ہوا۔ لیکن ہی سے وہ موسیقی کا بڑا رسیا تھا تاہم اس کا

روح سے صحت مند ہے اسے کسی بھی طرح کی ذہنی اور جسمانی بیماری نہیں ہے۔ اس بلادی میر کو یقین آگیا کہ دنیا کے مانے ہوئے اور مشہور و معروف موسیقار کوپن کی روح حقیقی طور پر اس پر وارد ہوتی ہے۔

اس کے بعد بلادی میر نے تجزیہ کر لیا کہ وہ دنیا کے اس بڑے موسیقار کوپن کی روح سے فائدہ اٹھائے گا تب کوپن کی روح سے بلادی میر نے سیکھنا شروع کر دیا کہ کوپن کی روح نے اسے بڑی بڑی مشکل دھنیں سکھائی۔ کوپن کا جو کام اور حور ادا کیا تھا بھی اس نے بلادی میر کو سکھایا۔ اس کے علاوہ وہ دھنیں جو بلادی میر کو بڑی مشکل لگتی تھی اور جنہیں وہ کمپوز نہیں کر پاتا تھا وہ بھی کوپن نے بڑی آسانی کے ساتھ سکھادی تھیں۔ اب کوپن کی روح سے بلادی میر کچھ اس طرح سے مانوس ہو گیا کہ جب روسی فلموں میں بلادی میر یوڈک دینے لگا تو جب تک وہ کوپن کی روح سے مشورہ نہ کر لیتا فلم کا یوڈک دینے کی حامی نہ بھرتا۔ یا اسے کسی اور مسئلے میں یا شی خرے کے لیے کوئی یوڈک دینے کے لیے کہتا تو وہ فلم یا اس شو کی اختتامیہ سے کہتا۔ اسے چند منٹ کی بھلٹ دی جائے اس کے بعد بتائے گا کہ وہ اس فلم یا شو کے لیے یوڈک دے سکتا ہے یا نہیں اس کے بعد خود میں بلادی میر اپنے روحانی استاد کوپن کی روح سے مشورہ کرتا اگر کوپن کی روح اسے کہتی کہ تم اس فلم کا یوڈک دو اور اس کے یوڈک سے متعلق کوپن کی روح اس کی راہنمائی کرتی تب جا کر بلادی میر اس یا شو کا یوڈک کمپوز کرنے کے لیے حامی بھر لیتا تھا۔

بلادی میر نے اپنی اس کیفیت کا اظہار اپنے رشتہ داروں قریبی عزیزوں اور جنوں اور بھانجے والوں پر کیا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے وہ کہتے تھے کہ مادی زندگی سے کیسے ممکن ہے کہ مرے ہوئے موسیقار کی روح تم پر وارد ہوتی ہو اور تم انھیں اپنی کے متعلق ہدایات جاری کرتی ہو اس کے عزیزوں اور دوستوں نے یہ اعلان کر دیا کہ موسیقار کوپن بیمار ہے اسے کوئی ذہنی بیماری لاحق ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے یا ذہنی بیماری کی وجہ سے اسے ایسے نظریات ہیں جنہیں دوسرے نہیں کہتا ہے لیکن ڈاکٹروں نے لوگوں کے اس دعوے کو رد کر دیا اس لیے 1894ء سے لے کر بلادی میر کی موت تک جو 1933ء میں ہوئی کئی بار اس کا

یہ بھی یقین تھا کہ روجوں کا کوئی وجود نہیں ہے اس نے کچھ لوگوں سے یہ باتیں بھی سن رکھی تھیں کہ دنیا کے کچھ موسیقاروں کو مرے ہوئے موسیقاروں کی روجیں تربیت دیتی رہی ہیں۔ اس کے سلسلے انگلستان کی موسیقارہ روز مری براؤن کی مثال پیش کی گئی ہے پولینڈ کے موسیقار کوپن کی روح تربیت دیتی رہی تھی روز مری براؤن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اسے موسیقی سے کوئی رعبت نہ تھی اس معاملے میں وہ بالکل نااثر تھی اور اس کے دور کے جو اچھے موسیقار تھے انہوں نے دعوا کر دیا تھا کہ روز مری کسی طرح بھی ایک اچھی موسیقارہ نہیں بن سکتی۔

لیکن روز مری براؤن کی حالت ان روجوں نے بدل دی پہلے اسے خواب میں روجیں دکھائی دیتی رہیں پھر بادلوں کی صورت میں روجیں اس پر وارد ہوتی تھیں خصوصیت سے اس وقت جب وہ پیانو بجانے بیٹھتی تھی تو پولینڈ کے مرے ہوئے موسیقار کوپن کی روح بہترین انداز میں اس کی مدد کیا کرتی تھی۔

یہ باتیں جب روس کے بلادی میر تک پہنچی تھیں تو وہ ان کو رد کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ اس قسم کی روجوں کا وجود نہیں ہے تاہم وہ اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ انسانوں کے علاوہ اس دنیا میں کوئی اور بھی مادی اورانی مخلوق موجود ہے۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بلادی میر کے یہ سارے خیالات اور وہم دور ہو کے رہ گئے ایک روز بلادی میر گہری نیند سو یا ہوا تھا کہ خواب میں اسے پولینڈ کے مرے ہوئے موسیقار کوپن کی روح دکھائی دی۔ بلادی میر کا کہنا تھا کہ اس نے خواب میں کوپن کی روح کو اس طرح دیکھا جیسے وہ سینما ہال میں کوئی اچھی سی فلم دیکھ رہا ہو اس کے علاوہ بلادی میر کا یہ بھی کہنا تھا کہ کوپن کی روح اکثر اس پر وارد ہونے لگی تھی۔ اگر وہ دن کے وقت تھوڑی دیر کے لیے اونگھ بھی جاتا تب بھی موسیقار کوپن کی روح اس پر وارد ہو جاتی تھی پہلے اسے کوپن کی روح صرف دکھائی دیتی تھی۔ اس کے بعد کوپن کی روح نے اسے ہدایات بھی دینی شروع کر دی تھیں۔

شروع شروع جب بلادی میر کو کوپن کی روح دکھائی دینی شروع ہوئی تو بلادی میر نے سمجھا کہ کسی مرض میں مبتلا ہو گیا ہے اپنے اس وہم کو دور کرنے کے لیے 1894ء میں اپنا مکمل اور تفصیلی معائنہ کرایا۔ ڈاکٹر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ

تعلیم بھی اس نے اپنی ماں سے حاصل کرنا شروع کی تھی۔ اب جو اس کی ماں مر گئی تھی وہ بڑی پریشان ہوئی اس لیے کہ اسکی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی اور وہ ہر صورت میں اپنی موسیقی کی تعلیم مکمل کرنا چاہتی تھی اس لیے کہ سویتا دیوی کو موسیقی سے عشق کی حد تک پیار تھا۔

پر کہتے ہیں کہ جلد ہی سویتا دیوی کی یہ مشکل حل ہو گئی اس لیے کہ موت کے چند روز ہی بعد سندیش دیوی اپنی بیٹی سویتا دیوی کو خواب میں ملی خواب میں ملنے کا یہ وقت صبح سے تھوڑی دیر پہلے کا تھا۔ کچھ روز تک سویتا کو اس کی ماں میں خواب میں ملتی رہی اس کے بعد سویتا کو اس کی ماں نے باقاعدہ موسیقی کی تعلیم دینا شروع کر دی تھی موسیقی کی جو تعلیم سویتا کی ادھوری رہ گئی تھی اس کی ماں کی روح نے خوب نہیں یہ تعلیم مکمل کرنا شروع کر دی تھی۔

اس موقع پر سویتا دیوی نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا۔ کہ موسیقی کے جن الفاظ سے وہ لاعلم تھی اس کی ماں سندیش دیوی کی روح ان الفاظ سے بھی اسے آگاہ کرتی رہی۔ اس نے کہا کہ دن کے وقت جو موسیقی کی دھنیں وہ ترجیب دیتی تھی اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رات کے وقت جب اسکی ماں کی روح جب آتی تھی تو ان دھنوں کو میسر ہی تبدیل کر دیتی تھی۔ اور یہ تبدیل کی ہوئی دھنیں میرے لیے اور بڑا بہ پر کشش ہو جاتی تھیں۔

سویتا دیوی کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک بار اس نے ایک دھن ترجیب دی پر اذات کو اس کی ماں کی روح جب آتی تو پوری کی پوری غم کی ایک دھن کو اسکی اماں نے راگ بہاروں میں تبدیل کر کے رکھ دی تھی۔

ایک بار سویتا دیوی ایک پہاڑی گیت کی پریکٹس کر رہی تھی۔ اس گیت کو اس نے راگ بہاری میں گایا تھا کچھ دن تک اس راگ میں سویتا دیوی مشغول کرتی رہی پھر 1980ء کی ایک رات سویتا دیوی کی ماں سندیش دیوی خواب میں نمودار ہوئی اور اس کی روح نے سویتا دیوی کو سکھایا کہ یہ گیت راگ بہاری کے بجائے بھیروی راگ میں گایا جائے۔

سویتا دیوی کا کہنا تھا کہ جب اس نے اس گیت کو راگ بہاری کی بجائے

ڈاکٹری معائنہ کیا گیا اور ہر بار ڈاکٹروں نے اسے ایک طرح کا سرٹیفکیٹ جاری کیا گیا کہ بلادی میر ڈیٹی طور پر بالکل صحت مند اور توانا ہے بہر حال میرے ہونے موسیقار کو پن کی روح نگاہ بلادی میر کی راہنمائی کرتی رہی۔ بلادی میر کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس نے کچھ ایسی دھنیں جو مشکل تھیں کو پن کی روح سے متعارف ہونے سے پہلے ترک کر دی تھیں۔ اس لیے کہ وہ ان مشکل دھنوں کو کیوڈ نہیں کر سکتا تھا۔ بلادی میر کا کہنا تھا کہ کو پن کی روح نے ان دھنوں کے متعلق اس کی راہنمائی کی اور اسے وہ دھنیں بھی سکھا کر مشکل دھنیں اسکے لیے آسان کر کے رکھ دیا تھا۔

○○○

ہندوستان میں بھی ایسے بہت سے موسیقار گذرے ہیں جنہیں موسیقار بلادی میر جیسے حالات اور حادثات کا سامنا کرنا پڑا سب سے پہلے غم کی کانگ سندیش دیوی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو بنارس کی رہنے والی تھی۔ سندیش دیوی غم کی گانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ غم کی کانگ میں سندیش دیوی پوری دنیا میں مشہور تھی اس کا تعلق بنارس کے موسیقی کے ماہر گھرانے سے تھا اور یہ 18 مارچ 1977ء کو فوت ہوئی تھی۔

سندیش دیوی نے اپنی موت سے کچھ عرصہ پہلے اپنی بیٹی سویتا کی میوزک کی تعلیم کا کام شروع کیا تھا مگر سندیش دیوی بیمار ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ بیماری اس کی زندگی کی آخری بیماری ہوگی اور اس بیماری کے باعث وہ موت جیت نہ سکے گی لہذا وہ اپنی بیٹی سویتا کے متعلق بڑی پریشان تھی۔ اس لیے کہ ابھی سویتا کی موسیقی کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی۔ سندیش دیوی ابھی مرنا نہیں چاہتی تھی اسکی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی بیٹی سویتا کی موسیقی کی تعلیم کو مکمل کر سکے۔ لیکن قدرت اور فطرت کسی کے فیصلے کا انتظار نہیں کرتے اٹھارہ مارچ 1977ء کو سندیش دیوی اس دنیا سے کوچ کر گئی اور اس کی بیٹی سویتا دیوی کی موسیقی کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔

ادھر سویتا دیوی بھی بڑی پریشان اور فکر مند تھی اس لیے کہ آج تک اس نے اپنی ماں کے علاوہ کسی سے موسیقی کی تعلیم حاصل کی ہی نہیں تھی۔ غم کی گانے کی

بھری راگ میں گایا تو پھر اس گیت کی کشش اور اسکی دل کشی کا کوئی جواب نہ تھا۔ سویتا دیوی کا یہ بھی کہنا تھا کہ جس وقت بھی اسے موسیقی کے معاملے میں مشکل پیش آتی اسی رات اس کی ماں کی روح خواب میں ظاہر ہوتی اور موسیقی میں اس کی مشکل کو لہجوں کے اندر آسان کر دیتی سویتا دیوی کا یہ بھی کہنا تھا کہ اسکی موسیقی کی جو تعلیم ادغوری رہ گئی تھی اس کی ماں کی روح نے اس تعلیم کو خواب میں مکمل کر دیا تھا۔

○ ○ ○

ایسا ہی معاملہ آل انڈیا ریڈیو کے چیف پرنسپل سر جیو ہندوستان کے ساتھ بھی پیش آیا چندر دیو ان دونوں آل انڈیا ریڈیو ویلی میں مقیم تھا اس شخص نے بھی روحوں پر کتابیں لکھی ہیں۔ یہ شخص 1979ء میں فوت ہوا تھا اسے روحوں سے ملاقات کرنے اور ان سے ملنے کا اہتمام درجہ کا شوق تھا۔ سب سے زیادہ یہ اپنی مرحوم بیوی سدھنا دیوی کی روح سے ملتا چاہتا تھا اس لیے کہ وہ اپنی بیوی سے جنون کی حد تک پیار کرتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کا رابطہ اپنی بیوی کی روح سے ہو جائے اور آئندہ جب تک اس کی زندگی ہے اگر حقیقی طور پر نہیں تو کم از کم روحانی طور پر وہ اپنی بیوی سے رابطہ قائم رکھے اس سلسلے میں چندر دیو نے بڑی جستجو بڑی کھوج سے کام لیا اسے بتایا گیا کہ ہندوستان میں ایک شخص شری بی۔ ڈی رشی ہے جو روحوں کو حاضر کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کا فن جانتا ہے یہ بی ڈی رشی کبھی اندرون شہر میں سول جج ہوا کرتا تھا۔

اس شخص کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے روابط میں نہ صرف بہت سی روہیں تھیں بلکہ وہ روحوں کو حاضر کرنے اور ان سے رابطہ رکھنے کے علم سے بھی آگاہ تھا۔ چندر دیو کو جب اس شخص کا یہ چلا تو وہ فوراً اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو اس کی جستجو اس کی خواہش اور تمنا تھی وہ اس جج کے سامنے اس نے پیش کی اس ریمانڈ جج نے بڑی مہربانی بڑی رحمدلی سے کام لیتے ہوئے روحوں سے گفتگو کرنے اور انہیں حاضر کرنے کا عمل اور فن چندر دیو کو سکھایا۔

یہ علم یہ فن سیکھنے کے بعد چندر دیو نے اسکی اجراء کی جب اس نے اس علم کو آزمایا تو اس علم کی آزمائش کے دوران شاید اس سے کوئی غلطی ہوئی کہ اپنی بیوی

بھری راگ میں گایا تو پھر اس گیت کی کشش اور اسکی دل کشی کا کوئی جواب نہ تھا۔ سویتا دیوی کا یہ بھی کہنا تھا کہ جس وقت بھی اسے موسیقی کے معاملے میں مشکل پیش آتی اسی رات اس کی ماں کی روح خواب میں ظاہر ہوتی اور موسیقی میں اس کی مشکل کو لہجوں کے اندر آسان کر دیتی سویتا دیوی کا یہ بھی کہنا تھا کہ اسکی موسیقی کی جو تعلیم ادغوری رہ گئی تھی اس کی ماں کی روح نے اس تعلیم کو خواب میں مکمل کر دیا تھا۔

○ ○ ○

ایسا ہی معاملہ آل انڈیا ریڈیو کے چیف پرنسپل سر جیو ہندوستان کے ساتھ بھی پیش آیا چندر دیو ان دونوں آل انڈیا ریڈیو ویلی میں مقیم تھا اس شخص نے بھی روحوں پر کتابیں لکھی ہیں۔ یہ شخص 1979ء میں فوت ہوا تھا اسے روحوں سے ملاقات کرنے اور ان سے ملنے کا اہتمام درجہ کا شوق تھا۔ سب سے زیادہ یہ اپنی مرحوم بیوی سدھنا دیوی کی روح سے ملتا چاہتا تھا اس لیے کہ وہ اپنی بیوی سے جنون کی حد تک پیار کرتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کا رابطہ اپنی بیوی کی روح سے ہو جائے اور آئندہ جب تک اس کی زندگی ہے اگر حقیقی طور پر نہیں تو کم از کم روحانی طور پر وہ اپنی بیوی سے رابطہ قائم رکھے اس سلسلے میں چندر دیو نے بڑی جستجو بڑی کھوج سے کام لیا اسے بتایا گیا کہ ہندوستان میں ایک شخص شری بی۔ ڈی رشی ہے جو روحوں کو حاضر کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کا فن جانتا ہے یہ بی ڈی رشی کبھی اندرون شہر میں سول جج ہوا کرتا تھا۔

اس شخص کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے روابط میں نہ صرف بہت سی روہیں تھیں بلکہ وہ روحوں کو حاضر کرنے اور ان سے رابطہ رکھنے کے علم سے بھی آگاہ تھا۔ چندر دیو کو جب اس شخص کا یہ چلا تو وہ فوراً اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو اس کی جستجو اس کی خواہش اور تمنا تھی وہ اس جج کے سامنے اس نے پیش کی اس ریمانڈ جج نے بڑی مہربانی بڑی رحمدلی سے کام لیتے ہوئے روحوں سے گفتگو کرنے اور انہیں حاضر کرنے کا عمل اور فن چندر دیو کو سکھایا۔

یہ علم یہ فن سیکھنے کے بعد چندر دیو نے اسکی اجراء کی جب اس نے اس علم کو آزمایا تو اس علم کی آزمائش کے دوران شاید اس سے کوئی غلطی ہوئی کہ اپنی بیوی

جہاں تک روحوں سے ملاقات کرنے ان سے ملنے انہیں اپنی گرفت میں نے اپنے قابو میں لانے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہمارے سامنے اور بہت سی ہیں ہیں۔ ایک مثال مسز سی۔ ڈیلو۔ لیڈوئر کی ہے یہ شخص بہت بڑا عالم اور نہ تھا خصوصیت کے ساتھ اسے روحوں کے علم میں بڑا بے مثال بڑا لاجواب خیال مانتا تھا۔ روحوں کے متعلق اس نے ایک کتاب بھی تحریر کی تھی جس کا نام تھا

Life After Death اس سی ڈبلیو۔ لیڈوئیر نے بھی کی بارہند اشخاص کی رودھوں سے رابطہ قائم کیا۔ جو کبھی اس کے دوست رہے تھے اس کے جاننے والے تھے۔

اسین کے صوبہ اندلسیہ کے شہر کارڈوبا کے ایک گاؤں بلسیز میں ایک بوڑھی تاجس کا نام فاطمہ بیٹا تھا اپنے باورچی خانہ میں کھانا تیار کرنے میں بری طرح فٹ تھی یہ 1971ء کا واقعہ ہے۔

اس بوڑھی خاتون کے دوستے اور پوتے باورچی خانے کے چمکتے ہوئے فرش پر تھے باورچی خانہ کافی بڑا تھا۔ عورت کے دیگر اہل خانہ اس کے بیٹے بیٹیاں اور اس کے بھائی گئے ہوئے تھے۔ لہذا وہ اکیلی باورچی خانے میں بری طرح کھانا تیار کرنے مصروف تھی اور ایک طرح سے وہ جھجلا رہی تھی اور بڑی بیزاری کی حالت میں تھی

اسی موقع پر باورچی خانے میں جو کچھ فرش پر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے شور شروع کر دیا ان میں سے کچھ چمکتے گئے تھے کچھ دھماکنے لگے تھے کچھ ویسے ہی شور و بلند کرنے لگے تھے وہ عورت باورچی خانے میں چمکتی ہی بیزاری محسوس کر رہی تھی جب بچوں نے شور کرنا شروع کیا تو وہ تنگ پڑ گئی جھوکنے کے انداز میں اس نے بگو مخاطب کیا۔

کیوں شور کر رہے ہو کیا بات ہے اگر تم نے ایسے شور کرنا ہے تو اٹھ کر بے کمرے میں چلے جاؤ۔

فاطمہ بیٹا کے یوں جھوکنے اور ناراض ہونے پر وہ کچھ ایک دم خاموش ہو گئے

اس واقع کی اطلاع چونکہ حکام بالا کو کر دی گئی تھی لہذا یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح
گمروں کی بستیوں کے علاوہ شہروں تک پہنچنے شروع ہو گئی تھی لہذا حکام بالا نے
دن کے ایک اسکاڈ کو اس واقعے کی تحقیق کرنے کے لیے مقرر کیا اس کے ساتھ
بیس کا کچھ عہدہ بھی کر دیا۔

جن لوگوں کو اس معاملے کی تحقیق پر مقرر کیا گیا تھا کچھ عرصہ وہ حالات کا
تھیلپتے رہے اس کے بعد انہوں نے جو رپورٹ پیش کی وہ یہ تھی کہ گھر کے فرش کو
بوسیت کے ساتھ باورچی خانے کے فرش کو تبدیل کر دیا جائے اس طرح ہو سکتا ہے
باورچی خانے کے فرش سے جو پھرے نمودار ہوتے ہیں وہ ختم ہو جائیں۔

لہذا حکام نے مالک مکان کو کہا کہ وہ اپنے باورچی خانے کے فرش کو تبدیل
کے مالک مکان فوراً حرکت میں آیا اور باورچی خانے کے پرانے فرش کو اکھاڑ کر باہر
ہٹک دیا اور اس کی جگہ نیا اور خوبصورت فرش لگا دیا گیا لیکن حکام ہی نہیں گھر
دس کی بھی تعجب کی اس وقت کوئی اہتمام نہ تھی جب پھرے چند ہی دن بعد پھلے کی
ہت زیادہ واضح ہو کر باورچی خانے کے فرش سے دکھائی دینے لگے تھے۔

مالک مکان نے آخری نمبر صورت حال سے حکام بالا کو آگاہ کر دیا تھا لہذا اس
وقت حال پر قابو پانے کے لیے حکام نے حکم دیا کہ اس سارے علاقے کو کھودا جائے
زیادہ دیکھا جائے کہ نیچے کیا ہے۔

حکام کا یہ حکم ملتے جی سارے علاقے کو کھودا گیا تو اس کے نیچے سے پرانے دور
لاشیں نکلیں جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ اس علاقے میں کبھی کوئی قبرستان ہوا
تھا۔ کھدائی کے دوران وہاں کافی انسانی ڈھانچے اور ہڈیاں ملیں تھیں۔ اس کے
کھدائی کا کام بند کرنے کے بعد اس گھر کے فرش کو نئے سرے سے بنایا گیا لیکن
ام اور مالک مکان کی حیرت کی بھر کوئی اہتمام نہ تھی کہ نئے فرش سے اب پھلے کی
ہت پھرے بہت زیادہ واضح دکھائی دینے لگے تھے۔ اور فرش کے بالکل اوپر والے
سے یعنی سطح کے اوپر تک آگے تھے اور دیکھنے والا ان ڈھانچوں پر نگاہ ڈالتے ہی ہچکچان
تھا کہ وہ پھرہ کسی عورت کا ہے یا مرد کا اس طرح پھرے واضح سے واضح ہونے لگے

فالٹو مینیا کی گفتگو کا انہوں نے کوئی جواب تو نہ دیا تاہم ان بچوں میں سے کچھ نے فرش
کی طرف اشارہ کر دیا۔

فالٹو مینا نے جب باورچی خانے کے فرش کی طرف دیکھا تو اسے محسوس ہوا
جیسے اس کی زبان بندھ اور اس کے جسم کے اندر خون جمند ہو جائے گا اس کی بصرانہ
اس کی سماعت اسکی ساری دلیری اس کا ساتھ چھوڑ جائے گی اس لیے کہ باورچی خانے
کے فرش کو اس نے دیکھا اس کے اندر سے کچھ پھرے ٹانگ تھانک کر رہے تھے
ابھی مدام دم دم تھے۔

ان بچروں کو دیکھ کر سچے اب خوفزدہ ہونے لگے تھے۔ لہذا بچوں کا خوف
کرنے کے لیے فالٹو مینا نے باورچی خانے میں پڑے ہوئے ایک کپڑے کو لیا اور فرش
کو اس جگہ سے خوب رگڑا جہاں وہ پھرے نمودار ہو رہے تھے۔

فالٹو مینا کا ایسا کرنا تھا کہ وہ بجاری خود ایک دم غش کھانے کے انداز میں
بیچھے ہٹ گئی سچے دھشت زدہ ہو کر باورچی خانے سے باہر بھاگ گئے تھے اس لیے
کپڑے سے فرش کو رگڑنے کے باعث وہ پھرے اور نمایاں ہو گئے تھے ان کی آنکھیں
بالکل واضح ہو گئی تھیں اور ان کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ بڑے ناپسندیدگی کے اندر
میں فالٹو مینا کی طرف دیکھ رہے ہیں اور ان کے پھرے بھی بڑے مکروہ بڑے دھشت
زدہ تھے۔ ان میں سے کچھ کے پھرے ڈھانچوں جیسے تھے کچھ کے پھرے مسخ شدہ تھے ان
پھرے فالٹو مینا نے پھلے کہیں نہ دیکھے تھے لہذا وہ بجاری غش کھاتے کھاتے وہ آ
بچوں کے بیچھے بیچھے وہ بھی باورچی خانے سے باہر بھاگ گئی۔

تھوڑی دیر بعد گھر کے سارے افراد جب گھر آئے تو فالٹو مینا نے انہیں صور
حال سے آگاہ کیا وہ سب باورچی خانے میں جب گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ پھرے
کی نسبت زیادہ واضح ہو چکے تھے اور اب ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ پھرے باور
خانے کے فرش کو پھاڑ کر باہر نکلیں گے اور ہر چیز کو جس نہس کر کے رکھ دیں گے۔
اس صورت حال کے پیش نظر ان خانہ نے اپنا وہ گھر فوراً خالی کرنے
فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے اپنا سارا سامان نکالا اور اپنی رہائش کے لیے کرائے کا ایک
مکان حاصل کر لیا۔ اور صورت حال سے انہوں نے مقامی انتظامیہ کو بھی آگاہ کر دیا۔

آخر کار حکام نے حکم دیا کہ مکان کو گرادیا جائے یہ حکم ملتے ہی مکان کو مسموم کر دیا گیا اور گھر کے مختلف حصوں کو کھود کر اس کے اندر بھی انتہائی حساس قسم کے آلات بھی نصب کر دیئے گئے جو مسموم دھواں اور بالکل سسکی جیسی آواز کو بھی ریکارڈ کر سکتے تھے چند دن بعد جب ان آلات کو نکالا گیا تو پتہ چلا کہ اس علاقے کے نیچے آوازیں ہی آوازیں ہیں یہ آوازیں مختلف قسم کی تھیں کوئی آواز کرپنے کی تھی کوئی چٹختے کی آواز چلانے کی کوئی شکایتوں کی کوئی شکوہ کی اور یہ آوازیں ایسی زبان میں تھیں جہاں کبھی نہ سنا تھا۔

آخر طویل صلاح مشورے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ شاید یہ مرنے والوں کی روحمیں ہیں جو بے چین ہیں۔ سرگرداں ہیں اور کسی اطمینان کسی سکون کی منگوائی ہیں لہذا اس گاؤں والوں نے بی نہیں بلکہ اس پاس کے سارے گاؤں والوں نے بیج ہا ان کے لیے غائبانہ آخری رسومات ادا کی گئی اور کہتے ہیں یہ رسومات ادا کرنے کے بعد پھروں نے فرش سے نمودار ہونا بند کر دیا تھا۔

23 اکتوبر 1642ء - کو ایور کرامویل نے برطانیہ کی حکومت کے خلاف علم

جنگ جھگڑا کر دیا جس کے نتیجے میں ایور کرامویل اور برطانوی حکومت کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی یہ جنگ واروک شائر اور نارٹھمپٹن شائر کے درمیان لڑی گئی تھی لڑائی ایسی ہولناک تھی کہ چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی لاشیں ہی لاشیں بکھر گئی تھیں۔

جنگ کے انجام پر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کونسا مرنے والا اولور کرامویل کا حامی ہے اور کونسا جنگ میں کام آیا ہوا سپاہی حکومت کی طرف سے لڑنے والا ہے۔ جسمانی طور پر یہ جنگ اسی روز ہی ختم ہو گئی تھی جنگ کا فیصلہ ہو گیا تھا جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ بے شمار سپاہی اس جنگ میں کام آئے لیکن جسمانی جنگ کے بعد روحانی جنگ شروع ہو گئی تھی۔

23 اکتوبر 1642ء - کو لڑی جانے والی اس جنگ کے چند روز ہی بعد ہت سے لوگوں نے دیکھا کہ رات کے وقت جس جگہ یہ جنگ ہوئی تھی وہاں سے بیج و پکار گھوڑوں کی ہنہانے (دھیسوں کی آہ و پکار کرنے تلواروں کے نکلوانے ڈھالوں کے مارے جانے کی آواز انتہائی خوفناک انداز میں آیا کرتی تھیں۔ شروع میں صرف آوازیں ہی آیا کرتی تھیں آوازوں والے لوگ تلواریں چلانے والے ڈھالیں برسائے والے بیج و پکار کرنے والے ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور لٹکانے والے دکھائی نہ دیتے تھے۔

رہے اور جن لوگوں نے اس جنگ کو دیکھا ان کا کہنا تھا کہ یہ جنگ جو سہ پہر کے قریب شروع ہوئی تھی اور جو روضہ ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں۔ روضوں کی یہ جنگ صبح تین بجے تک جاری رہی گویا پوری رات روضہ ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار رہی تھیں۔

اس معاملے کی اطلاع جب حکام کو ملی تو برطانیہ کے بادشاہ کنگ چارلس نے چھ آدمیوں کا ایک وفد اس جنگ کی طرف بھجوا دیا تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کیا واقعی مرنے والوں کی روضیں اس میدان جنگ میں برسر پیکار ہوتی ہیں۔

اس جنگ کا جائزہ لینے کے لیے جن چھ افراد کا تقرر کیا گیا تھا وہ سارے کے سارے فوجی آفیسر تھے۔ جب یہ وقوعہ کی طرف پہنچے تو انہوں نے خود دیکھا کہ جس طرح چرواہوں اور بستی کے لوگوں نے کہا تھا ایسا ہی ہوا انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے روضوں کو ایک دوسرے سے برسر پیکار دیکھا اپنی آنکھوں سے انہوں نے تلواریں بلند ہوتیں ڈھالیں گرتیں گھوڑوں کے گرنے زخموں کی بچخاؤ پکار کو سنا تھا یہاں تک کہ یہ جو فوجی کمانڈر تھے انہوں نے کنگ چارلس کے بیٹے پرنس ریو پرنس کی روح کو بھی دیکھا جو اس جنگ میں کام آچکا تھا اس کے علاوہ ان فوجیوں نے اپنے بہت سے دوسرے ساتھیوں کو بھی دیکھا جو گزشتہ جنگ میں مارے جا چکے تھے۔

اس جنگ کے بعد چارلس اول اور باغی اڈیورڈ کرامویل کی فوج کے درمیان اسی سال بعد ایک اور جنگ ہوئی اس جنگ میں بھی بے شمار لوگ مارے گئے تھے اس جنگ کے بعد سینکڑوں سال تک انگلستان کے لوگوں نے دیکھا کہ اس جنگ کی روضیں بھی ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار رہیں پہلے روضیں بھی دکھائی دیتیں تھیں ان کے ساتھ گھوڑے ہنساتے ہوئے زخمی گرتے ہوئے وکھائی دیتے تھے پھر آہستہ آہستہ آوازیں تو صاف آتی تھیں پر ان کی شکل و صندلی ہوتی چلی گئی تھی اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا چلا گیا تھا ان کی آواز بھی معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

2 جولائی 1644ء کو چارلس اول کے لگ بھگ چار ہزار سپاہی کرامویل کے ہاتھوں مارے گئے یہ تیسری جنگ یادگوار شائر کے علاقہ مارسٹن مور کے مقام پر لڑی گئی تھی اس جنگ میں جو لوگ مارے گئے تھے ان کی روضوں کو بھی انگلستان کے

نیکین 24 دسمبر 1642ء کو یہ معاملہ کھل کر سامنے آیا۔ جس جگہ جنگ ہوئی تھی اس کے قریب ہی چھوٹا سا ایک کوسستانی سلسلہ تھا اس کوسستانی سلسلے کے اوپر بہت سے گڈرے اپنے اپنے ریوڑ چرا رہے تھے کہ وہ سارے گڈرے چوتک سے پڑے اس لیے کہ قریب ہی کھلے میدانوں میں جنگ کی ابتداء ہو گئی تھی تلواریں نگرانے لگیں تھیں۔ ڈھالیں برساتی جانے لگی تھیں۔ گھوڑے ہنساتے رہے تھے۔ زخمی بچاؤ پکار کر رہے تھے ایک شور تھا جو آسمان تک اٹھتا چلا جا رہا تھا۔

پہلے ان چراہوں نے صرف آوازوں کو سنا یہاں تک کہ لڑائی کا یہ سلسلہ ان کے اپنے چاروں طرف پھیل گیا پھر ان چراہوں کی حیرت، غم اور خوف و وحشت کی کوئی انتہاء نہ رہی اس لیے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بے شمار روضیں بلندی سے اپنی طرف آتیں تھیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتی تھیں۔ ان چراہوں نے باقاعدہ تلواریں برستی دیکھیں روضوں کو ایک دوسرے کی ڈھالوں کا نشانہ بنتے ہوئے دیکھا۔ گھوڑوں کو ہنساتے ہوئے دیکھا گھوڑے ان کے سامنے گر رہے تھے زخمی بچاؤ پکار کر رہے تھے انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے 23 اکتوبر 1642ء کو لڑی جانے والی جنگ ایک بار پھر ان کی آنکھوں کے سامنے دہرائی جانے لگی ہو۔

چراہوں نے جب یہ سماں دیکھا تو وہ ایک قریبی بستی کی طرف بھاگے اور وہاں کے لوگوں کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اس بستی میں دو بڑے تھے ایک کا نام وڈا اور دوسرے کا نام مارشل تھا انہوں نے اس جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وڈا کرامویل اور شاہی فوجیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ یہ دو بڑے بستی کے بے شمار لوگوں کے ساتھ اس جگہ کی طرف گئے جہاں بتول ان چراہوں کے روضوں نے جنگ برپا کر رکھی تھی۔

جب اس بستی کے سارے لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس قدر چراہوں نے کہا تھا اب جنگ اس سے زیادہ پھیل چکی تھی پہلے جنگ صرف وادی میں تھی اب اس کوسستانی سلسلے تک پھیل چکی تھی جس کے اوپر سے چرواہے اس بستی کی طرف بھاگے تھے۔

گاؤں کے وہ لوگ کافی دیر تک وہاں کھڑے ہو کر اس جنگ کا نظارہ کرنے

لوگوں نے 1932ء تک ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرتے ایک دوسرے کے خلاف اپنی تلواروں کو حرکت میں لاتے ہوئے دیکھا تھا۔

اویور کارامویل اور اسکے باقی ساتھیوں نے آخر کار اگلی جنگ میں انگلستان کے بادشاہ چارلس اول کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چارلس اول کی موت کے بعد خود چارلس اول کی روح بھی نڈر سپاہی کے مختلف حصوں میں نمودار ہوتی رہی کبھی یہ روح بئیر سر کے ہوتی تھی کبھی پوری طرح ختم ہوتی تھی کبھی یہ اس ہال کی لائبریری میں دکھائی دیتی تھی کبھی یہ لائبریری کے علاوہ دیگر کمروں اور ان کے سامنے جو تھوڑا سا میدان تھا وہاں بھی اکثر لوگوں نے اس روح کو سرگرداں اور پریشان دیکھا۔

اس کے بعد ایک اور جدیلی رونما ہوئی وہ یہ کہ کرامویل کو چارلس دوم سے ہاتھوں بدترین شکست ہوئی اس طرح کرامویل سخت و ناتجربہ سے محروم کر دیا گیا بلکہ اسے قتل کر دیا گیا اس کے جو بہترین جرنیل جون براؤنڈا اور آرن تھے ان دونوں کو بھی قتل کر دیا گیا لوگوں نے کرامویل کے علاوہ اس کے دو جرنیلوں کی روجوں کو بھی سرگرداں دیکھا کہا جاتا ہے کہ یہ روجیں سب سے پہلے 1660ء میں دکھائی دیں اسکے بعد یہ روجیں آج تک مختلف مقامات پر دکھائی دیتی ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 1832ء میں انگلستان کے ڈیوک آف ولنگٹن کو اویور کرامویل کی روح ملی اور اسے انگلستان میں کچھ اصلاحات کرنے کا مشورہ دیا اویور کرامویل کی روح کے کہنے پر ڈیوک آف ولنگٹن نے 1832ء میں جو اصلاحات کیں تھیں کہا جاتا ہے کہ وہ اس نے کرامویل کی روح کے کہنے پر ہی کی تھیں۔

□□□

اس کے علاوہ امریکہ میں 1861ء سے لے کر 1865ء تک جو سول وار ہوئی یہ سول وار شیوے کے مقام پر لڑی گئی اور اس لڑائی میں تقریباً بیس ہزار کے قریب سپاہی کام آئے جس جگہ یہ جنگ لڑی گئی تھی اس جگہ آگے پیچاس سال تک امریکہ کے لوگ جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں کی روجوں کو مختلف مواقع پر دیکھتے رہے۔

○

رومنوں نے جس وقت انگلستان پر حملہ کیا تو انہوں نے اس حملے کے دوران ہزاروں انگریزوں کو موت کے گھاٹ اتارا ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آج بھی اس جنگ میں حصہ لینے والوں کی جم و پکار دلت شاز کی اس دادی میں سنائی دیتی ہے جہاں یہ جنگ ہوئی تھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت اس جنگ میں مرنے والوں کی روجیں اب بھی ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتی ہیں تو صاف طور پر حملہ آور فوج اور شکست خوردہ انگریزی فوج کی روجیں ایک دوسرے کے آگے پیچھے بھاگتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور اس میدانِ جنگ میں ایسا شور و غل پڑتا ہے کہ کان پھٹنے لگتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شروع شروع میں جب اس میدانِ جنگ میں روجوں کا نمودار ہونا شروع ہوا تو اس میدان کے ارد گرد جو لوگ رہتے تھے وہ اپنی میتوں کو چھوڑ کر دوسری جگہوں پر جا کر آباد ہو گئے تھے۔

○

انگلستان کی دو عورتیں 4 اگست 1951ء کو فرانس گئیں۔ جس وقت وہ فرانس کے ایک نواحی علاقے میں گھوم رہی تھیں تو اچانک انہوں نے توپوں کے پھلنے کی آوازیں سنیں وہ پریشان ہو گئیں اس لیے کہ توپوں کی یہ آواز شہر کی بندرگاہ کی طرف سے آرہی تھیں اور اس طرح بندرگاہ سے توپوں کے پھلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا اس لیے کہ 1951ء میں اس سال تھا اس کے بعد واپسی پر انہوں نے حکام سے اس حادثے کا ذکر کیا گیا تب انہیں بتایا گیا کہ جس وقت جرنیلوں نے نارمنڈی پر حملہ کیا تو چھ ہزار برطانوی اور کینیڈا کے فوجیوں نے جرمنی کو روکنا چاہا لیکن 19 اگست 1942ء کو ان چھ ہزار برطانوی اور کینیڈین فوجیوں کو جرنیلوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا حکام کا کہنا تھا کہ ان برطانوی اور کینیڈین سپاہیوں نے خوب توپیں چلاتے ہوئے جرنیلوں کو روکنا چاہا لیکن انہیں ناکامی ہوئی تب سے بندرگاہ کے اس علاقے میں مرنے والے برطانوی اور کینیڈین سپاہیوں کی روجیں نمودار ہوتی ہیں ان کے نمودار ہوتے ہی توپیں پھلنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو لوگوں میں خوف ہراس پھیلا دیتی ہیں آج کل جو لوگ روجوں کی موجودگی کا انکار کرتے ہیں۔ وہ روجوں کو ماننے

والوں سے ہی سوال کرتے ہیں کہ اگر مختلف جنگوں میں مارے جانے والے سپاہیوں کی روحمیں بعد میں بھی نمودار ہوتی ہیں باقاعدہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتی ہیں جنگ کرتی ہیں تو پھر دوسری جنگ عظیم میں جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر جب ایٹم بم چھینکے گئے تھے۔ تو ان ایٹم بم کی وجہ سے ہزاروں اور لاکھوں لوگ مارے گئے تھے۔ ان کی روحمیں آخر کیوں نمودار ہو کر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کرتیں اور یہ بات اپنی جگہ حقیقت بھی ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی دونوں جگہ ایٹم بم کے ذریعے اگست 1945ء میں جس قدر لوگ مارے گئے تھے ان کی روحوں کو کبھی کسی نے آج تک نہیں دیکھا۔

یہ جنگ عظیم اول سے پہلے کا واقعہ اور حادثہ ہے گجرات کے ایک نوابی گاؤں سنگرانہ میں ایک صاحب علم شخص رہا کرتے تھے ان کا نام میاں محمد تھا۔ میاں صاحب کی ایک آنکھ چونکہ غراب تھی لہذا اپنی ذات کی نفی کے لیے اور اپنے آپ کو کسر نفسی میں مبتلا رکھنے کے لیے وہ اپنے آپ کو میاں محمد کاٹا کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ میاں صاحب صاحب علم اور باعمل شخص بھی تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میاں صاحب نے جنت اور روحوں کو مسخر کر رکھا تھا۔ اور بہت سی روحمیں ان کے قبضے میں تھیں۔ جو انہوں نے تسخیر کر رکھی تھیں۔ گجرات شہر کے بالکل قریب ہی کے ایک گاؤں کا طالب علم میاں صاحب کے ہاں زیر تعلیم تھا۔ میاں صاحب نے ایک درس کا اتمام بھی کر رکھا تھا۔ جہاں ان کے زیر نگرانی سینکڑوں طالب علم اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے اور ان سے فارغ ہونے کے بعد بڑے عالم بڑے صاحب علم ہو کر نکلتے تھے۔

گجرات کے نوابی گاؤں کا جو طالب علم میاں صاحب کے زیر تعلیم تھا۔ وہ اجتہاد درجہ کا غریب شخص تھا اس کی ماں نے میاں صاحب کی منت کر کے ان کے درس میں شامل کروایا تھا۔ تاکہ اس بیوہ عورت کا وہ بیٹا صاحب علم ہو۔

کہتے ہیں اس غریب بچے پر میاں صاحب کی بڑی عنایت تھی میاں صاحب کی کافی زمین تھی جن سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی ایک کو روز کچھ لوگ میاں صاحب

بہو باقی ساتھیوں نے جب اخ کر دیکھا تو وہ دھشت زدہ ہو گئے اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک حیولہ ساتھ جو ان کے ساتھی کی پٹائی کر رہا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی حیولے جو کہ در حقیقت میں ردھیں تھیں ان سب کی انہوں نے ایسی پٹائی کی کہ جیسے استاد نالائق بچے کی خبر لیتا ہے ساتھ ہی زور زور سے ایک روح انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

جب میاں صاحب نے جنہیں منع کیا تھا تو تم نے ادھر کا آنے اور ادھر رخ اگرنے کی جرات اور جسارت کیسے کی اپنی چارپائیاں اپنے اپنے بستر اپنے سروں پر اٹھاؤ اور حویلی کی طرف بھاگو۔

بس یہ آواز سننا تھی کہ ان سب نے اپنی اپنی چارپائیاں بستر سمیت اپنے بستروں پر اٹھائی اور میاں صاحب حویلی کی طرف بھاگے کہتے ہیں میاں صاحب اس وقت اپنی حویلی کے صحن میں پھل قدی کر رہے تھے کہ وہ بچہ جس سے یہ واقعات سن کر بیان کیے جا رہے ہیں وہ بھی ان کے ساتھ تھا شاید میاں صاحب کو روحوں نے خبر کر لی تھی کہ ان کے ہمانوں کے ساتھ کیا جیتی ہے اس لیے جب وہ چارپائیاں اٹھائے حویلی میں داخل ہوئے تو میاں صاحب نے بڑے رحم انگیز انداز میں ان کی طرف دیکھا پھر انہیں دھیسے سے لے کر میاں مخاطب کیا۔

بچو میں نے جنہیں کہا تھا کھلیان کی طرف ست جاؤ میرے کھلیان کی حفاظت کرنے والے بہت ہیں تم سب کی جو نیند اچاٹ ہوئی تھی افسوس ہے اب تم سب اجائیں طرف والے کمرے کی طرف چلے جاؤ یہ جو چارپائیاں تم نے اپنے سروں پر اٹھا لی تھیں انہیں صحن ہی میں رکھ دو اور اس کمرے میں جا کے آرام کر دیکھتے ہیں میاں صاحب کے کہنے پہ وہ لوگ اس کمرے میں چلے گئے پھر ساری رات جاگتے ہوئے گزار دی اس لیے کہ جو روحیں انہوں نے کھلیان کے پاس دیکھی تھیں ان کی وجہ سے ان پر ایک عجیب سا خوف اور دھشت طاری ہو گئی تھی دوسرے دن صبح سویرے ہی سورے وہ میاں صاحب سے اجازت لے کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تھے۔

کے حلقہ اراکات میں شامل ہونے کے لیے آئے ان دنوں میاں صاحب کے کھلیان باہر پڑے ہوئے تھے شام کا کھانا کھانے کے بعد جوئے لوگ میاں صاحب کے حلقہ اراکات میں شامل ہوئے تھے انہوں نے میاں صاحب سے کہا۔

میاں صاحب آپ کا کافی بڑا کھلیان باہر پڑا ہے۔ اگر میاں صاحب آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم سب باہر آپ کے کھلیان کے پاس جا کے سوئے ہیں اس کی حفاظت کریں گے تاکہ کوئی اسے نقصان نہ پہنچائے۔

ہمانوں کی اس پیش کش پر میاں صاحب مسکرائے اور کہنے لگے۔

جنہیں میرے کھلیان کی حفاظت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کھلیان کی حفاظت کے لیے میں نے اور بہت سے لوگ رکھے ہیں جو میرے کھلیان ہی نہیں دیگر چیزوں کی بھی خوب حفاظت کرتے ہیں لہذا تم میری حویلی ہی میں قیام کرو۔

اس پر وہ نئے مرید اس بات پر لبثہ تھے کہ نہیں ہم خود آپ کے کھلیان کے پاس سوئیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے اس پر ایک بار پھر میاں صاحب نے انہیں منع کیا اور وہ بچہ جو ان کے ہاں زیر تعلیم تھا اسے بھی اشارہ کیا کہ انہیں کھانا وہ بچہ اب کافی بڑا ہو چکا تھا اس نے نئے مریدوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بھائیو! جنہیں کھلیان کے پاس سونے اور اس کی حفاظت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اسی کے اگر تم ایسا کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے کھلیان کی حفاظت کرنے والے کہاں بہت موجود ہیں اس پر وہ مرید نہ مانے اور کہنے لگے کہ نہیں میاں صاحب ہم آپ کے کھلیان کی حفاظت خود ہی کریں گے میاں صاحب نے جب دیکھا کہ وہ اپنی بات پر لبثہ ہیں تو انہوں نے انہیں کھلیان کے پاس جا کر سونے کی اجازت دے دی۔

یہ سارے واقعات اسی سچے کے بیان کردہ ہیں جو میاں صاحب کے ہاں زیر تعلیم تھا بہر حال نئے مرید میاں صاحب کے کھلیان کی طرف گئے اور کھلیان کے اطراف میں چارپائیاں بچھا کر وہ آرام کرنے لگے ایک دوسرے سے یہ بھی کہا کہ اگر رات کو کھٹکا ہو تو سب کو جگ دیا جائے تاکہ کھلیان کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

کہتے ہیں جب آدھی رات ہوئی ان مریدوں میں سے ایک مجھٹا چلاتا اٹھ کھڑا

سکول کے قریب ہی چھوٹے شہر جیسا خاصا بڑا قصبہ تھا جس میں ہر چیز میری تھی سکول اس قصبے کے قریب ہی تھا سکول کے پچھواڑے میں ایک کنواں تھا جو ساتھ والے قصبے کے لوگوں کی ملکیت تھا اور جس سے فصلیں سیراب ہوتی تھیں اور سکول کے پچھواڑے ہی میں استادوں کے رہنے کے لیے کچھ کوارٹر بھی بنے ہوئے تھے۔ اس لیے کہ وہ سرحدی علاقہ تھا اکثر استاد باہر سے آکر وہاں پڑھاتے تھے لہذا ان کی رہائش کا بھی معقول انتظام تھا۔

رہائشی علاقے میں سکول کے چوکیدار کے علاوہ دوسرے علاقوں سے تعلق رکھنے والے اور وہاں پڑھانے والے استاد بھی رہتے تھے۔ رات جس وقت گہری ہو گئی تھی اور بادل زور سے برس رہے تھے سینہ ایسے بھاری تھا جیسے آسمان سے پانی کی ٹونٹیاں کھل گئی ہوں بادل بار بار بادل ملا دینے والے انداز میں گر جتے تھے اور بجلی ایسی چمکتی تھی جیسے ابھی کہ ابھی گری اور ہر چیز کو فضا کے رکھ دی گئے۔

ایسے میں سکول کی عمارت کے پچھواڑے میں جو رہائشی کوارٹر بنے ہوئے تھے ان میں سے ایک کے دروازے پر زور دار دستک ہوئی تھی جس دروازے پر دستک ہوئی تھی یہ چوکیدار کا کوارٹر تھا پہلی بار جب یہ دستک ہوئی تھی تو سکول کا چوکیدار جس کا نام سلطان خان تھا مجھے سمجھا کہ شاید بارش ہو رہی ہے بادل گر رہے ہیں پہلی چمک رہی ہے کبھی کبھی ہوا کا تیز تھپہڑا بھی آتا ہے جس کی وجہ سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہو گی لہذا پہلی دستک پر اس نے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

دوسری بار اس سے بھی تیز دستک ہوئی تب سکول کا چوکیدار سلطان خان اپنے بستر سے نکل کھڑا ہوا اس لیے کہ اب وہ جان گیا تھا کہ یہ ہوا کے تھپہڑوں کی شرارت نہیں بلکہ واقعی کوئی اتنی رات گئے دروازے پر کوئی دستک دے رہا تھا۔

چوکیدار سلطان خان اپنے کمرے سے نکلا ہاتھ میں اس نے لٹھ لی بارش سے بچنے کے لیے کمرے سے نکل کر صحن میں آنے سے پہلے اس نے اپنے اوپر ایک ٹاٹ لے لیا تھا پھر وہ دروازے کے قریب آیا اور دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے دروازے کی ایک روڑن میں سے باہر دیکھنے کی کوشش کی سینہ زوروں سے جاری تھا باہر گہری تاریکی تھی ایک بار جب زور سے بجلی چمکی تو اس نے دروازے کے روڑن میں سے

غلام رات میں دھل کر کافی گہری ہو چکی تھی غشاء کی نلکا پھٹنے کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں میں اپنے حصار ذات کے حجر میں کھونچے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے ازل کی کوکھ میں اور مسرت کی آس میں اپنی دھن پر نچاچی پرانی چائیں اور قدیم محبتیں کہیں کھونچ گئی ہوں ہر طرف ہر جہت میں زندگی کے سانباؤں میں مشیت کے فرمان کی خاموشی بھر کی رات میں دکھ اور متاع جان کے اثاثوں میں درد و کرب کی تصویریں جیسی چپ چاری تھیں۔ کبھی کبھی آسمان کے دامن پر بجلی زور سے چمکتی اس کے ساتھ ہی بادل گر جتا لوک اور شور کی لہریں ہر قوم پر خوف و وحشت طاری کرتے ہوئے ہر نفس کو لرزوں میں ڈھن کو اندیشوں کے الجھاؤ اور دل میں دھڑکنوں کی بے ریٹکیاں برپا کرتے ہوئے ٹکڑ کو ریزہ ریزہ سماعتوں کو بے نوا اور لگا ہوں کو بے بعد کرتی چلی جاتی تھیں۔

یہ دریائے چناب کا سرحدی علاقہ تھا چند ہی فرلانگ آگے ہندوستان کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ اس سے پہلے پاکستانی حدود میں چند میل اندر سکول کی ایک عمارت تھی انگریزوں کے دور میں یہ پراثری سکول ہوا کرتا تھا پاکستان بننے کے بعد علاقے کی آبادی جب دن بدن بڑھتی چلی گئی لوگ تعلیم سے مزید آشنا ہوئے تو اس سکول کو مڈل کا درجہ دیا گیا اس کے بعد جب زمانے کی آنکھ نے مزید ترقی کے دینے کو دیکھا تو اس مڈل سکول کو ہائی سکول میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

دیکھا دروازے کے سامنے جو جھپا بنا ہوا تھا اس کے نیچے سفید لباس میں لمبوس کوئی شخص کھڑا تھا۔

رات کے وقت یوں اپنے دروازے کے سامنے کسی کو دیکھ کر چوکیدار ایک بار سہما تھا۔ اس لیے کہ رات ویران تھی بارش ہو رہی تھی۔ اگر کوئی دشمن بھی ہو تو وہ کسی کو مدد کے لیے پکار نہیں سکتا تھا۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ والے کوارٹروں میں صرف دو ہی استاد تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالرحمان تھا اور دوسرے کا نام رشید احمد تھا۔ اگر وہ انہیں اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے تب بھی موصلا دار بارش اور بادلوں کی کڑک دھمک میں ہو سکتا ہے گہری نیند سونے کے باعث وہ اس کی آواز کو سن ہی نہ سکے پھر ایسے خیالات اس نے اپنے ذہن سے جھٹک دیئے ایک بار اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لٹھ کی طرف دیکھا چوکیدار سلطان احمد ایک جوان آدمی تھا ہمت کر کے اس نے دروازے میں سے منہ پٹایا پھر دھیرے سے لہجے میں پوچھا کون ہے۔

جواب میں چھپتی ہوئی سی آواز آئی کیا تم چوکیدار سلطان ہو ؟

سلطان خان کو کچھ ہمت ہوئی ایک بار پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ اپنے لٹھ پر گرفت مضبوط کی اور کہنے لگا ہاں میں اس سکول کا چوکیدار سلطان خان ہوں جواب میں آواز پھرائی۔

ذرا نہیں تم یہ خیال کر رہے ہو گے کہ اس اندھیری رات میں بارش میں کون تمہارے دروازے پر دستک دے رہا ہے میرا نام اللہ بخش ہے تم جانتے ہو گے کہ اس سکول میں میرا عارضیقرر ہوا ہے تمہارے ہیڈ ماسٹر رحمت الہی راج کے لیے گئے ہیں اور ان کی جگہ عارضی طور پر تین ماہ کے لیے مجھے اس سکول میں مقرر کیا گیا ہے میرے خیال میں تقرری کی اطلاع تم لوگوں تک پہنچ چکی ہو گی۔

آنے والے کی اس گفتگو سے چوکیدار سلطان خان کو کچھ حوصلہ ہوا فوراً اس نے دروازہ کھول دیا سلطان خان نے دیکھا کہ ایک خوب دراز قد شخص جو سفید لباس میں لمبوس تھا۔ دروازے کے سامنے جو چھپا تھا اس کے نیچے کھڑا تھا اس موقع پر جب تیزی سے پہنچی ہوئی تو اس نے دیکھا کہ آنے والے کا لباس بالکل خشک تھا حالانکہ باہر

موسلا دار بارش ہو رہی تھی پھر سلطان خان نے آنے والے کو مخاطب کر کے پوچھا۔ آپ رات کے اس وقت کیسے آنے تیز بارش ہے۔

سلطان چوکیدار یہی تک کہنے پایا تھا کہ آنے والے نے جس نے اپنا نام اللہ بخش بتایا تھا اس کی بات کا جواب دینا شروع کیا۔

دراصل مجھے اس بارش کی وجہ سے ہی تاخیر ہو گئی وہ دیکھو جس تانگے پر میں آیا تھا وہ واپس جا رہا ہے۔ اس پر چوکیدار سلطان خان نے باہر نکل کر دیکھا شہر کی طرف جو شاہراہ جاتی تھی اس پر چھوٹی سی موموں سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ وہ روشنی مزید مدہم ہوتی جا رہی تھی پھر چوکیدار سلطان خان چونکا اور کہنے لگا

آپ تھوڑی دیر رکھے۔ میں آپ کے کوارٹر کی چابی لاتا ہوں اور ساتھ ہی دوسرے استادوں کو بھی آپ کی آمد کی اطلاع کرتا ہوں۔

پھر چوکیدار سلطان خان بھاگا بھاگا اپنے کمرے میں گیا اور ایک چابی لے کر آیا اور آنے والے سے کہنے لگا آپ میرے ساتھ آئیے آنے والے کے پاس سرخ رنگ کا ایک کافی بڑا چمڑے کا بیگ تھا جو اس نے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا تھا وہ چپ چاپ چوکیدار کے پیچھے ہوا پھر چوکیدار نے ساتھ والا کوارٹر کھولا اس کی لائٹ اس نے آن کی وہ دو کمروں پر مشتمل کوارٹر تھا دونوں کمروں کی لائٹ آن کرنے کے بعد چوکیدار نے آنے والے استاد اللہ بخش کو دکھانے روشنی میں جب پہلی بار چوکیدار سلطان نے آنے والے استاد کو دیکھا تو وہ دنگ رہ گیا۔

اس نے دیکھا کوارٹر کے باہر جو آم اور جامن کے درخت تھے وہ تو پتھر کے ٹنڈر اور ان دیکھے خواہوں کی طرح چپ تھے۔ لیکن جو اندر طوفان برپا ہو رہا تھا وہ عجیب تھا چوکیدار سلطان خان نے دیکھا کہ آنے والے استاد اللہ بخش کی آنکھوں میں چھپتے کون تیز آنندیسوں اور جکڑوں بکھرے عروق چھپتے مسافروں نیا یافت مکانی کی تلاش اور جستجو کی سی طلب تھی۔ اس کا ہجرہ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی گمشدہ جنت اور جہنم کے ورثے کی تلاش میں نکلا ہو یا وہ کوئی ایسا مسافر ہو جو گزرتے دنوں کی بھارتوں کو تلاش کرتا ہو! شعور عہد حاضر میں آن گرا ہو چوکیدار سلطان خان کو آنے والا استاد اللہ

ہوئے ہیں میں انہیں آپ کے آنے کی اطلاع کرتا ہوں۔

چوکیدار نے جس شخص کو عبدالرحمان کہہ کے مخاطب کیا تھا وہ بھی اس سکول میں پھرجی تھا سلطان خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا کہ پہلے اندر آؤ پھر میں تمہارے ساتھ بات کرتا ہوں اس پر چوکیدار اندر داخل ہوا دونوں ایک کمرے میں گئے وہاں ایک اور استاد بیٹھا ہوا تھا جس کا نام چوکیدار نے رشید بتایا تھا سلطان خان نے دونوں کے سامنے بیٹھ گیا تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد عبدالرحمان نے سلطان خان کو مخاطب کیا۔

سلطان خان یہ عجیب معاملہ ہے اتنی رات گئے اس بارش اور چمکتی بجلی میں یہ نیا ہیڈ ماسٹر کہاں سے آن وارد ہوا کہم اڑم کہیں اس سے یہ تو نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تم ہم دونوں کو ہلاک لراتے ہو۔ صبح ہم اس سے مل لیتے کہ کسی آفت ٹوٹ پڑی ہے اب جبکہ تم نے اسے بتا ہی دیا ہے کہ تم ہم دونوں کو ہلاک لراتے ہو تو پھر ہم دونوں کو اس سے ملنا ہی پڑے گا پھر عبدالرحمان نے اپنے ساتھی ٹیچر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رشید میرے بھائی اپنے کپڑے درست کر دے ہیڈ ماسٹر اللہ بخش سے ملیں تاکہ وہ یہ محسوس نہ کرے کہ ہم دونوں کو چوکیدار سلطان خان کے بلائے کے باوجود ملنے سے انکار کر دیا یہ بڑا برا معاملہ ہو گا۔

عبدالرحمان کی اس گفتگو کے جواب میں دوسرا استاد رشید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی چوکیدار سلطان خان بول پڑا

میرے عزیز بھائیو یہ جو ہیڈ ماسٹر آیا ہے جس کا نام اللہ بخش ہے اور اس کی عارضی تقرری کے کاغذات بھی ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں ایک عجیب و غریب انسان ہے اس کے چہرے پر ہتھوں جیسی سختی ہے اور آنکھوں میں وحشت جیسی کیفیت ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ ہیڈ ماسٹر اہتا درے کا کھٹ اہتا درے کا ظالم اور ستم گر انسان ہو گا جو کچھ میں نے اس کی کیفیت دیکھی ہے اسکے مطابق ہی کہہ رہا ہوں میں کافی عرصے سے اس سکول میں چوکیدار ہوں یاد رکھنا جو باتیں میں کہہ رہا ہوں یہ یوں ہی نہیں ہیں آنے والا ہیڈ ماسٹر میرا دل کہتا ہے کہ اہتا درے کا بد مزاج اور سخت خو نکلے گا۔

چوکیدار سلطان خان کے چپ ہونے کے بعد دوسرے استاد رشید نے پہلی بار

بخش ایسے ہی لگا جیسے کوئی طوفانوں کا شاسا پرانے وقتوں کے قصے دہرانے لگا ہو۔

تھوڑی دیر تک چوکیدار سلطان خان آنے والے استاد اللہ بخش کی طرف خوفزدہ سے انداز میں دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں اس کے چہرے کی کیفیت واقعی خوف زدہ کرنے والی تھی اور پھر وہ عجیب طرح سے پریشان تھا کہ وہ استاد اللہ بخش تین ماہ کی عارضی ڈیوٹی پر رہاں آیا تھا اس کے پاس نہ کوئی بستر تھا نہ جس چڑے کا ایک تھپکا تھا پھر اپنے ذہن میں اٹھنے والے خیال کو چوکیدار سلطان خان نے محسوس کیا اور اللہ بخش کو اس نے مخاطب کیا۔

جناں لگتا ہے مجھے آپ کے لیے بستر کا بھی اہتمام کرنا پڑے گا اس لیے کہ آپ کے پاس چڑے کا ایک تھپکا ہی ہے جس میں زیادہ سے زیادہ آپ کے کپڑے ہی ہو سکتے ہیں۔ اس پر اللہ بخش جواب میں عجیب سے انداز میں مسکرایا پھر کہنے لگا۔

جہیں میرے لیے بستر ہمارا کرنے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی کسی دیگر شے کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔ میرے پاس بیگ میں بستر موجود ہے۔ تم دیکھو یہ کافی بڑا بیگ ہے اس میں ضرورت کے کپڑوں کے علاوہ میرا بستر بھی ہے اور ہاں میں بھیہ استعمال نہیں کرتا بغیر غصے کے سوتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ بخش جس کمرے میں دو مہریاں لگی ہوئی تھیں ایک مہری پر بیٹھ گیا سلطان خان بھاگتا ہوا باہر نکلا میں ان دو استادوں کو آپ کے آنے کی اطلاع کرتا ہوں جن کی ہدایت انہی کواثروں میں ہے اس موقع پر اللہ بخش اسے مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا شاید وہ اسے روکنا چاہتا تھا۔ پراستی دریں میں سلطان خان بھاگتا ہوا باہر نکلا گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد سلطان خان نے اپنے کواثر کے دوسری طرف جو کواثر تھا اسکے دروازے پر زور در دستک دتی تھی اندر سے کسی نے زور دار آواز دی کون ہے؟ جواب میں سلطان خان نے کہا میں چوکیدار سلطان ہوں ذرا دروازہ کھولیں تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولا دروازہ کھولنے والا کوئی استاد تھا اسے مخاطب کر کے چوکیدار سلطان خان کہنے لگا عبدالرحمان صاحب جس ہیڈ ماسٹر کا اس سکول میں عارضی طور پر تقرر ہوا تھا وہ پہنچ چکے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی برستی بارش میں آنے ہیں میں نے انہیں ان کے کواثر میں بخا دیا ہے اور انہیں میں یہ کہہ کر آیا ہوں کہ جو استاد یہاں قیام کیے

گنگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

سلطان خان تم فکر مت کرو اگر وہ بد مزاج ہے سخت گیر ہے تو ہم اسکی بد مزاجی اور سخت گیری لکھوں میں نکال کر رکھ دیں گے میں ابھی جب ملاقات کے لیے جاناؤں گا تو ایسے واقعات بیان کروں گا کہ وہ خوف اور دہشت کے بارے راتوں کو سونا تک بھول جائے گا پھر رشید خان نے اپنے ساتھی عبدالرحمان کی طرف دیکھا۔

میرے دوست کہو بے بدلو اور اللہ بخش سے ملنے کے لیے چلیں دونوں استاد اچھے کھڑے ہوئے دونوں نے لباس تبدیل کیا اور پھر چوکیدار کے ساتھ وہ دنے ہیڈ ماسٹر اللہ بخش کے کوارٹر میں داخل ہوئے۔

تینوں جب اس کمرے میں گئے جس کمرے میں چوکیدار اللہ بخش کو چھوڑ گیا تھا تو انہوں نے دیکھا کہ اللہ بخش ابھی تک اس چار پائی پر بیٹھا ہوا تھا دونوں استادوں نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرنا چاہا لیکن اس نے پہلے ہی ہاتھ کے اشارے سے سلسلے پیچھی ہوئی چار پائی پر بیٹھا دیا عبدالرحمان اور رشید بھی گئے تھے کہ چوکیدار سلطان خان کا کہنا درست ہے۔ آنے والے دنے ہیڈ ماسٹر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا خضر مقدم کیا نہ سکرا کر ان سے بات کی بلکہ پیٹھے ہی بیٹھے سانسے والی مسہری کی طرف اشارہ کر دیا اس سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ سلطان خان ٹھیک کہتا ہے آنے والا ہیڈ ماسٹر اہتا ورجہ کا سد خو اور بد مزاج ہو گا تھوڑی دیر تک اس کمرے میں خاموشی رہی اس کے بعد استاد رشید۔ اللہ بخش کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی گنگو کا آغاز کیا۔

جناب اللہ بخش صاحب پہلے تو ہم تینوں آپ کو یہاں خوش آمدید کہتے ہیں اور آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ کم از کم ہم دونوں استاد ہر معاملے میں آپ کے ساتھ تعاون کریں گے لیکن آپ نے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے یہاں چونکہ تین ماہ گزارنے ہیں اس لیے کہ ہمارے مستقل ہیڈ ماسٹر رحمت الہی صاحب جج کے لیے گئے ہیں اور وہ تین ماہ سے پہلے نہیں آئیں گے چونکہ آپ ہمارے رفیق کار ہیں اس لیے یہاں کے حالات سے آپ کو پہلے آگاہ کر دیتا ہمارے فرائض میں شامل ہے رشید یہی تک کہنے پایا تھا کہ اللہ بخش نے خود سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

کیا اس علاقے کے کوئی غیر معمولی حالات ہیں جواب میں رشید پھر بول پڑا سر

آپ کا اناہ ازہ درست ہے اس علاقے کے واقعی غیر معمولی حالات ہیں میں دو واقعات آپ سے بیان کرتا ہوں اس کے بعد آپ خود ہی سمجھ جائیں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں اور آپ کو اس علاقے میں کس طرح عذاب رہنا چاہیے اس لیے کہ اس سے پہلے کچھ اساتذہاں تبدیل ہو کر آتے رہے ہیں وہ بڑے بد مزاج اور سد خو تھے ان کا جو انجام ہوا وہ بھی میں آپ کے سامنے گزارش کرتا ہوں۔

جناب اللہ بخش صاحب میں ایسا کچھ اس طرح کرتا ہوں کہ چند سال پہلے اس سکول میں ایک ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے نام ان کا مولو بخش تھا انتہائی نیک انتہائی جانثار انتہائی شفیق استاد تھے وہ یہاں ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے ان کے دور میں ان علاقوں میں ایک بدنام ڈاکو ہوا کرتا تھا وہ اپنے گروہ کا سر کردہ تھا اس کا نام صادق تھا چوری ڈاکو زنی قتل و غارت گری اسکا پیشہ ہوا کرتا تھا جس کو اس نے فرض کے طور پر اپنایا ہوا تھا کوئی بھی صاحب ثروت اسکی کارستانیوں سے محفوظ نہیں تھا چونکہ اس کا گروہ کافی بڑا تھا لوگ ہنسے بہتے تھے کوئی بھی اس کے خلاف تھانے میں جا کر رہت نہیں لکھواتا تھا یا یوں جانو کہ تھانے والے بھی اس کے سامنے مجبور و بے بس تھے ان علاقوں میں اس کی بڑی طاقت اور قوت تھی جب وہ کارروائیاں کرتا تھا تو علاقے رستے اور شاہراہیں ویران کر کے رکھ دیتا تھا کسی کو بھی اس کے سامنے آنے یا راہ روکنے کی ہمت اور جرات نہ ہوتی تھی۔

پھر ایک روز ایسا ہوا کہ دن کے وقت وہ ڈاکو جس کا نام صادق تھا جو ان علاقوں ہی میں نہیں آس پاس کے علاقوں میں بھی بڑا مشہور بڑا شہرت یافتہ تھا وہ سکول کی سائنس دالی شاہراہ سے گزرا یہ شاہراہ بارڈر کی طرف جاتی ہے اور ہندوستان کے علاقے سے جا ملتی ہے اس موقع پر سکول کے ہیڈ ماسٹر اس وقت مولو بخش ہوا کرتے تھے انہیں نہ جانے کیا سوچی کہ اپنی کلاس سے فوراً وہ نکلے اس لیے کہ سکول کے کچھ لوگوں نے انہیں اطلاع کر دی تھی کہ ڈاکو صادق ان کے سکول کے پاس سے گزر کر بارڈر کی طرف جا رہا ہے۔ مولو بخش جھلکے ہوئے آئے اور بڑی ہمت بڑی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ ڈاکو صادق کے گھوڑے کی باگ پکڑ کھڑے ہوئے اور اسے رک جانے کے لیے کہا۔

کھسٹ کر کے مال و دولت سمیٹتے ہوئے اپنے علاقوں میں داخل ہوتا اور ان علاقوں میں جو محتاج ضرورت مند غریب تھے ان کی مدد کیا کرتا تھا اب صادق نے بھی پیش اپنا لیا تھا بارڈر پار کرتا وہاں حملہ آور ہوتا اور جو کچھ ملتا تھا اپنے علاقوں میں آکر غریبوں اور ضرورت مندوں میں بانٹ دیتا اس طرح ایسا رویہ اختیار کر کے صادق شاید اپنے ماضی کے گناہوں کی کٹافنی کرنے پر کلا ہوا تھا۔

مہاں تک کہنے کے بعد میئر رشید رکھا تھوڑی دیر تک اسنے عجیب سی بحث میں جتنے آنے والے ہیڈ ماسٹر انٹش کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے بعد اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

جناب عالی اس کے بعد کچھ عرصہ تک تو ایسا ہی چلتا رہا تھا صادق بارڈر پار کرتا زندگی اور موت کا فیصلہ جو وہ اپنے علاقوں میں کھیلتا تھا۔ وہ اس نے دشمن کے علاقے میں کھیلتا شروع کیا وہاں سے وہ جو لوٹ مار کرتا بارڈر کراس کر کے ادھر آتا ضرورت مندوں میں یہ مال تقسیم کرتا دیتا اس طرح کچھ عرصہ یہ دھندا چلتا رہا۔

پر وہ لوگ جو صادق سے باغی ہو کر اس سے علیحدہ ہو گئے تھے وہ چاہتے تھے کہ صادق پھر پہلے کی طرح اپنے ملک میں لوٹ مار ڈاکا زنی کا کام شروع کرے دراصل یہ وہ لوگ تھے بارڈر پار کرنے سے خوفزدہ تھے اور صادق نے اب اسے ہی اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا اور پھر اس علاقے کے لوگ بھی اب صادق سے بڑے خوش تھے کہ وہ ہر ضرورت مند کی مدد کرتا تھا اس طرح صادق اچھی شہرت حاصل کرتا رہا اور اسکے وہ ساتھی جو اسے چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے تھے وہ بدی کے اندھیروں میں اپنی کی طرف چلتے گئے۔

علیحدہ ہونے والے گروہ نے جب دیکھا کہ صادق اور اس کے ساتھ کام کرنے والے اس علاقے کے لوگوں میں بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل کر رہے ہیں تب ان کی یہ مقبولیت شہرت ان کی حسرت افزائی انہیں ناگوار گذری پس انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ صادق کا خاتمہ کر دیا جائے اسی طرح پھر وہ اپنی کاروائیوں کی اجدادہ کر سکتے ہیں اس لیے کہ جب کبھی بھی وہ اپنے ملک میں ڈاکا زنی لوٹ مار کا کام کرنا چاہتے تھے صادق ان کے آڑے آتا تھا زبردستی دھونس سے

مولا بخش کے اس اقدام سے ڈاکو صادق بڑا سچا بڑا برہم ہوا قبل اسکے کہ وہ اپنے رد عمل کا اظہار کرتا ہیڈ ماسٹر مولا بخش نے اس سے اپنا تعارف کرایا اسے جب خبر ہوئی کہ مولا بخش اس سکول کا ہیڈ ماسٹر ہے تو وہ کسی قدر دھیما اور ٹھنڈا ہو گیا تھا اس موقع پر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑے ہی پکڑے مولا بخش نے اسے وہ دینی اور اسلامی نیکچر دیا کہ ڈاکو صادق سر سے لے کر پاؤں تک پسمینہ ہو گیا تھا۔ مولا بخش نے اپنے سارے استادوں اور شاگردوں کی موجودگی میں صادق ڈاکو پر واضح کیا کہ تو لوگوں کی عزتیں لوٹتا ہے لوگوں کے گھروں کو برباد کرتا ہے۔ جانوں کو ضائع کرتا ہے ماؤں کو بیٹوں سے بہنوں کو بھائیوں سے جدا کرتا ہے انسانیت کے ہاں جہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے کیا تم جب قیامت کے روز اپنے خداوند قدوس کے سامنے حاضر ہو گئے تو اپنے ان گناہوں کا کیا جواب پیش کرو گے یہ جو تم لوگوں کے گھروں کو لوٹتے ہو لوگوں کے گھروں کو آگ لگاتے پھرتے ہو اپنے رب کے حضور اسکے لیے کیا وجہ پیش کرو گے۔

ہیڈ ماسٹر نے اس قسم کا ایک طویل نیکچر صادق ڈاکو کے گھوڑے کی باگ پکڑے ہی پکڑے دیا۔

مولا بخش کی ان باتوں سے صادق ڈاکو ایسا متاثر ہوا کہ جب تک ہیڈ ماسٹر مولا بخش بولتے رہے صادق ڈاکو اپنے گھوڑے پر سر جھکا کر ایک ایک لفظ سنتا رہا اور اس پر غور کرتا رہا۔

کہتے ہیں مولا بخش کے ان الفاظ نے ڈاکو صادق کو بلا اور دہلا کر رکھ دیا تھا اس واقعے کے بعد اس نے ڈاکہ زنی جو ری شراب زنا اور اس قسم کے جو دیگر گناہ تھے سب سے مکمل طور پر توبہ کر لی تھی۔ اس کے توبہ کرنے پر اسکا گروہ وہ حصوں میں بٹ گیا جو گروہ ڈاکا زنی جو ری شراب زنا اور بازاری قتل و غارتگری جاری رکھنا چاہتا تھا۔ وہ ڈاکو صادق سے علیحدہ ہو گیا۔ اور جو صادق کی طرح شریف زندگی بسر کرنا چاہتا تھا وہ علیحدہ ہو گیا اب صادق نے ایک نیا کام شروع کیا۔

اندھیروں اور تاریک راتوں میں وہ بارڈر کراس کیا کرتا تھا۔ ہندوستان کے علاقوں میں مختلف بستیوں اور آبادیوں پر حملہ آور ہوا کرتا تھا اور وہاں سے لوٹ

ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں کبھی کبھی صرف آوازیں ہی آتی ہیں کوئی مشکل احساس یا دھنیں دکھائی نہیں دیتی لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انداز کی رات میں گھوڑے بھی نظر آتے ہیں گھوڑوں پر بیٹھی ہوتی دھنیں بھی اس کنوئیں کے ارد گرد نظر آتی ہیں پھر وہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے بھی صاف دکھائی دیتے ہیں۔

جسٹاب عالی میں اور میرے ساتھی عبدالرحمان نے کئی بار اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا بلکہ ہم دونوں نے تو کئی بار یہ بھی منظر دیکھا کہ اس صادق کی روح گھوڑے پر سوار ہوتی ہے اور وہ جو ہمت دیکھنے سے اس سکول کا ہیڈ ماسٹر جس کا نام میں نے آپ کو مولا بخش بتایا ہے اکثر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ وہ مولا بخش اچانک کہیں سے نمودار ہوتا اور صادق کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کچھ دیر اس کے پاس کھڑا ہو کر اس سے کچھ کہتا ہے۔ پھر گھوڑے پر سوار صادق کی روح اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر روکنے والے مرحوم اسٹر مولا بخش کی روح اچانک اندھیرے میں دھوئیں کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔

ہم نے اس ہیڈ ماسٹر کی روح کی بھی شکل نہیں دیکھی یہ کہ مولا بخش نام کے اس ہیڈ ماسٹر کی روح صادق کے گھوڑے کو روکتی ہے تو اسکی پشت ہماری طرف ہی ہے لہذا ہماری بد قسمتی کہ آج تک ہم اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکے لیکن ہمارے ہیڈ اسٹر جو ان دنوں رنج کے لیے گئے ہوئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ گھوڑے کو روکنے والی یہ مابین ہیڈ ماسٹر مولا بخش کی ہی روح ہے اس لیے کہ وہ مولا بخش کو اچھی طرح سے لہنتے ہیں مولا بخش کے ساتھ وہ کام کرتے رہے ہیں جن دنوں مولا بخش اس سکول کا ہیڈ ماسٹر ہوا کرتا تھا کہتے ہیں اس وقت موجودہ ہیڈ ماسٹر رحمت الہی ان کا سینکڑا ماسٹر ہوا رہا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد رشید پھر رکا تھا بڑی گہری نگاہ سے اس نے باری باری پتے ساتھی عبدالرحمان اور جو کیدار سلطان خان کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد پھر اس نے اللہ بخش کو مخاطب کیا۔

جسٹاب میں اور میرے ساتھی اس قسم کے حالات آپ کو اس لیے سنا رہے ہیں کہ اچانک جب مجھے بھی اس قسم کے حالات سے دوچار ہوں تو آپ فکر مندی اور بے چاشنی کا شکار نہ ہوں گاؤں کے آس پاس دھوئیں کا یہ ٹکڑا یقین جانو ہر ماہ ہوتا ہے

انہیں منع کر دیتا تھا اور وہ اس کی دھولس کو قبول بھی کر لیتے تھے کہ ماضی میں وہ اس کے ماتحت کام کر چکے تھے صادق ایک لحاظ سے ان کا استاد تھا ان کا سردار تھا اس بنا پر ان میں سے بہت سے صادق سے خوفزدہ بھی تھے۔

اب جبکہ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک صادق کو راستے سے ہٹایا نہیں جاتا وہ اپنے کسی بھی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے پھر انہوں نے کچھ خبر صادق اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے لگا دیے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ صادق کہیں سے غفلت اور بے پرداہی کے انداز سے گزرے اور وہ اس پر حملہ آور ہوں اور اس کا کام تمام کر دیں۔

پھر ایک روز خبروں نے اس باغی گروہ کو اطلاع دی کہ صادق تین دن بلوچستان میں لوٹ مار کرنے کے بعد بارڈر کراس کرنے کا اور اس سکول کے پاس سے گزر کر اگلی بس کی طرف جانے کا سکول سے گزرنے کا وقت آج ہی رات تھا لہذا باغی گروہ نے سکول کے پتھرواے میں جو کنوئیں تھا اس کے آس پاس گھات لگا لی بھی آؤں رات کے وقت جب صادق اور اس کے ساتھی سکول کے پاس سے گزرنے لگے آ گھات پر پہنچے دشمن اچانک ان پر حملہ آور ہوئے۔

صادق اور اس کے ساتھیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا کچھ دیر تک سکول اور کنوئیں کے درمیان دونوں گرتیوں میں ہولناک جنگ جاری رہی اس میں صادق کے ساتھیوں نے باغی گروہ کا صفایا کر دیا تھا بد قسمتی سے اس ٹکڑاؤ میں نہ صرف صادق گیا بلکہ اس کے بہت سے ساتھی بھی اس لڑائی میں کام آ گئے۔

یہاں تک کہنے کے بعد پھر رشید احمد تھوڑی دیر تک رکا تھا پھر اس نے اللہ بخش کی طرف دیکھا اس کے بعد اس نے گفتگو کا سلسلہ پھر باری رکھا۔

تو جسٹاب معاملہ یہی تک قسم نہ ہوا اب ایسا ہوتا ہے کہ ہر ماہ کی آخری رات میں یعنی انداز کی رات میں جس کنوئیں کے ارد گرد صادق اور باغی گروہ میں لڑا ہوتی تھی اس کنوئیں کے ارد گرد انداز رات کو دھنیں نمودار ہوتی ہیں جس طرح دونوں گروہوں میں لڑائی ہوتی تھی ایسا ہی منظر اس کنوئیں کے اطراف میں پیش ہوا ہے گھوڑے پہناتے ہیں زخمی چلاتے ہیں حملہ آور ٹیمیں نعرے بلند کرتے ہو۔

ہمکے ہمکے ڈرے ڈرے بہتے ہیں رات کے وقت کنویں کو استعمال نہیں کیا جاتا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا جب میں اور میرا ساتھی عبدالرحمان اس کنویں کے پاس تو کنواں آپ ہی آپ چل رہا تھا کون اسے چلا رہا تھا میں پتہ نہیں تھا کنویں سے نکل کر مین کے اس بڑے فب میں گر رہا تھا۔ جسے ہم اپنی دیسی زبان میں بازو چا بن اور پھر فب سے جو نالی نکلتی تھی ہم دیسی زبان میں لٹسار پکے ہیں اس سے پانی ہوا کنویں کے ایک طرف بہتے ہوئے حوض کی طرف جاتا ہے۔ جس میں لوگ دھوتے ہیں اس سے پانی نکل کر ایک لمبے حوض میں منتقل ہوتا ہے جہاں میں بیچہ کر کپڑے بھی دھوتی ہیں بستی کے جانور بھی آکر اس سے پانی پیتے ہیں۔

تو میں کہہ رہا تھا کہ کنواں تو چل رہا تھا۔ کنویں سے پانی بھی نکل رہا تھا جس سے پانی ہو کر آگے جا کر بڑے حوض میں جمع ہوتا تھا آدمی نالی تک پانی آ رہا تھا جی نالی ابھی تک خشک تھی ایسا لگتا تھا جیسے آدمی نالی کے اوپر کسی ان دیکھی بنے کسی مادرانی طاقت کسی ان دیکھی بستی نے اپنا منہ رکھا ہو اور جس قدر اسے پانی نکل رہا ہو اسے بہتی جا رہی ہو ایک قطرہ پانی کا بھی آگے حوض کی طرف جا رہا تھا جس قدر پانی کنویں سے نکل رہا تھا کوئی اسے پیتے جا رہا تھا۔

یہ صورت حال میرے اور عبدالرحمن کے لیے بڑی پریشان کن تھی ہم میں صلہ مندی اتنی عزت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر پانی کی اس لوہے کی نالی کا جائزہ لیتے یا آدمی نالی تک کیوں آ رہا ہے آگے کیوں نہیں جاتا پانی کہاں غائب ہو رہا ہے نہ ہم جانتے تھے کہ کنویں کے آس پاس اکثر و بیشتر روہیں نمودار ہوتی ہیں لہذا یہ اندازہ لگایا کہ ضرور ہو نہ ہو کنویں کو حرکت میں لانے والی روہیں ہیں اور درج نے نالی کے پانی کے وسط میں اپنا منہ رکھا ہوا ہے۔ جس کے باعث پانی کا نظرو بھی بڑے حوض کی طرف نہیں جا رہا یہ منظر ہمارے لیے ناقابل برداشت تھا اپنے کو کارٹری کی طرف بھاگے اس روز ہم علیحدہ علیحدہ اپنے کارٹریں نہیں سوئے وکھ خوف و دھشت سوار تھی لہذا ہم دونوں ایک ہی کارٹری کے ایک ہی کمرے ٹن پر پھٹائی پنجا کر سو گئے تھے اس کے بعد بھی کئی دن تک ہم دونوں ایک ہی

اور ہم اور یہ چوکیہ ارتو یہ نگر او دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں لہذا جب کبھی بھی نگر او ہے ہم پر اسکا کوئی رد عمل نہیں ہوتا ہماری طرح ہمارے ہیٹہ ماسٹر رحمت الہی بھی کے عادی ہو چکے ہیں وہ بھی اب ان حادثات و واقعات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ جتنا یہ تو ایک حادثہ ہے جس کے متعلق آپ کو آگاہ کرنا ہمارا فرض ہے اس لیے جب آپ ایسا کبھی اس حادثے کو دیکھتے تو آپ ہم سے گھر شکوہ کر کے ہم نے آپ کو اس قسم کی صورت حال سے آگاہ کیوں نہیں کیا۔

ایک اور بھی اسی قسم کی صورت حال ان علاقوں میں ظاہر ہوتی ہے اس کا متعلق بھی میں آپ کو پہلے سے آگاہ کر دیتا ہوں تاکہ اگر ایسا ہی معاملہ آپ کے سامنے پیش آئے تو آپ کسی پریشانی سے دوچار نہ ہو جائیں۔

جناپ دراصل بات یہ ہے کہ سکول کے پاس کچھ اور روہیں بھی نمودار ہو ہیں جن کی حقیقت کا کسی کو بھی علم نہیں ہے ان سے اس سے پہلے صرف اور میرے ساتھی عبدالرحمان کا پالا پر چکا ہے۔

آج سے تین چار ماہ پہلے کی بات ہے ساتھ والے چھوٹے شہر میں ہمارا سا جلتے والے ہیں میں اور میرا ساتھی عبدالرحمان آدمی رات گئے ان کے ہاں بیٹھے اور اصل اس روز ان کے ہاں دعوت تھی ہم بھی اس دعوت میں مصروف تھے کافی دن گئے ہم اپنے ان کارٹریوں کی طرف لوٹے سکول کے پاس آئے تو ہم نے ایک ایسا ما دیکھا جس پر پہلے تو ہمیں بالکل اعتبار آتا ہی نہیں تھا اس کے بعد وہ حادثہ جب دونوں نے پھر اپنی آنکھوں سے دو تین بار دیکھا تب ہمیں یقین ہوا کہ وہ کوئی خراب خیال نہیں تھا بلکہ حقیقت پر مبنی ایک حادثہ تھا۔ جس کا ہم نے اپنی جاگتی آنکھوں ساتھ مشاہدہ کیا تھا۔

بات کچھ اس طرح ہے کہ میں اور عبدالرحمان قصبے سے نکل کر کارٹریوں کی طرف آئے جب ہم کنویں کے قریب آئے تو ہم نے دیکھا کنواں چل رہا کوئی اسے چلانے والا نہ تھا حالانکہ دن کے وقت اس کنویں میں اوسٹ جوتا جاتا ہے جو کنویں کو چلاتا ہے اور اس سے آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے پھر اکثر و بیشتر رات کے یا یہ کنواں استعمال نہیں ہوتا اس لیے کہ رات کے وقت جہاں روہیں نمودار ہوتی

شمال میں سکول کے یہ جو کوارٹر آپ دیکھ رہے ہیں۔ جن میں ہم نے رہائش رکھی
 ئی ہے۔ یہ بھی اسی قصبے کے لوگوں نے از خود چندہ جمع کر کے تعمیر کیے ہیں ان
 گوں کو تعلیم کا بڑا شوق ہے سال میں یا دو سال کے بعد یہ سکول کے علاوہ ان
 ادرٹوں کی مرمت اور سفیدی کا کام بھی بہترین انداز میں کرتے ہیں دیے بھی کہیں
 غمے پیچھے مرمت کا کام لگتا ہے اور اس قصبہ کا جو بڑا بیچ ہے اسے اطلاع کی جاتی ہے تو
 بہت کام فوراً کر دیا جاتا ہے۔

اس قصبہ کا سب سے بڑا مسئلہ ماضی میں قبرستان کا رہا ہے یہاں بہت بڑا
 رستان ہے اس قبرستان میں باقاعدہ شروع سے ہی ایک گورکن رکھا جاتا ہے جو نہ
 رف قبرستان کی دیکھ بھال کرتا ہے قبرستان کے ارد گرد کاٹنے دار تار لگی ہوتی ہے تاکہ
 نور گھاس چرنے کے لیے اسکے اندر داخل نہ ہوں قبریں خراب نہ ہوں قبرستان ایک
 بیچ رقبے میں پھیلا ہوا ہے گورکن کی آمدنی کے دوزرائی میں ایک یہ کہ قصبے کی طرف
 ہر ماہ ایک محقول چندہ جمع کیا جاتا ہے جس میں سے گاؤں کی مسجد کے امام
 رکن اور اس قسم کے دیگر لوگوں کو باقاعدہ روزیہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ
 پارسات کا موسم آتا ہے تو قبرستان میں سرے سے بھی اوپر گھاس کھڑی ہو جاتی ہے تو
 گھاس بھی جتنی جاتی ہے اور اسکی آمدنی جس قدر ہوتی ہے وہ بھی گورکن کے حوالے
 جاتی ہے یوں گورکن کے لیے اسے اس قصبے میں بے شمار مراعات ہیں۔ قبرستان کے
 درہی دو کمرن کا ایک مکان بنایا ہے جس میں اس کی رہائش ہے مکان کا چھوٹا سا
 ب تھن بھی ہے رہائش کا محقول انتظام ہے جو پہلے گورکن یہاں :ا کرتا تھا وہ مر گیا
 ان اپنی موت سے پہلے اس کے ساتھ ایک غیب و غریب واقعہ پیش آیا۔

بات یہ ہے کہ وہ گورکن اپنے بیٹے اور بیوی کے ساتھ اس قبرستان کے مکان
 رہتا تھا جو گورکن کے لیے بنایا ہوا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ قبرستان میں
 سات کے موسم میں گھاس بڑی ہوتی ہے جس سے گورکن کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس
 علاوہ قبرستان کے اندر بہت سے درخت بھی ہیں جنہیں کاٹ کر گورکن بٹلانے وغیرہ
 ے کام لاتا ہے۔ کہتے ہیں چند سال پہلے جب کہ سرما اپنے عروج پر تھا گورکن کی بیوی
 مار تھی۔ اس روز بارش اپنے زورور پر لگی ہوئی تھی قبرستان چونکہ قصبے سے باہر ہے

کمرے میں چٹائی بچھا کر سوتے رہے دراصل اس حادثے نے ہم پر وحشت اور ایک طرح
 کا غیب نفسیاتی دباؤ ڈال دیا تھا۔

اس کے بعد ہم نے مزید ایک دو بار جب اس واقعے کو دیکھا تو ہمارا خوف جاتا
 رہا۔ ہمارے ذہن میں جو وحشت تھی نکل گئی اب جب کبھی بھی وہ واقعہ نمودار ہوتا
 ہے تو ہم اسے اہمیت نہیں دیتے کسی معمول کی طرح اس کے پاس سے گزر جاتے ہیں
 اور جو قوت بھی پانی پیتی ہے ہمیں کوئی نقصان اور اذیت نہیں پہنچاتی جب ہمیں یہ
 احساس ہو گیا کہ وہ ہمیں نقصان نہیں پہنچاتا چاہتی تو ہمارے دل سے بھی خوف اور ڈر
 جاتا رہا۔

جناب یہ ہیں وہ حالات جن سے میں اور میرے ساتھی عبدالرحمان آپ کو گھما
 کرنا چاہتے تھے تاکہ یہاں رہتے ہوئے کم از کم بچانک کبھی ان حالات سے بالا نہ جاسے
 تو آپ خوف زدہ اور پریشان نہ ہوں۔

میجر رشید تھوڑی دیر کے لیے اوپر چر سوچا اور اسکے بعد اللہ بخش کو مخاطب
 کرتے ہوئے وہ پھر کہہ رہا تھا۔

دیسے تو اس سکول کے اطراف میں بسنے کے آس پاس اور بھی واقعات رونے
 ہو چکے ہیں جن کو سننے والا کبھی بھی اعتبار نہیں کرے گا لیکن ہمیں ایسے واقعات سے
 محتاط رہنا چاہیے آپ جو کہہ چکے ہیں ہذا وہ واقعات پھر کبھی آپ سے کہیں با
 اس پر اللہ بخش فوراً بول پڑا۔

نہیں مجھے نیند نہیں آ رہی جو کچھ تم نے کہنا ہے کہو اس کے بعد ہو سکتا
 تھوڑی دیر تک تم لوگوں سے باتیں کرنے کے بعد میں سو سکوں گا اللہ بخش کی از
 گفتگو سے رشید کو کسی قدر حوصلہ ہوا تھا باری باری میں جب اس نے ایک نگاہ اپنے ساتھ
 عبدالرحمن اور سلطان خان پر ڈالی اس کے بعد اس نے دوبارہ پھر کہنا شروع کیا۔

جناب تمہیں اور واقعات ہیں چھوٹے چھوٹے لیکن ہیں خود طلب ایسے واقعات
 اگر دھرائے جاتے رہے تو لوگوں کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے پہلا واقعہ یہ جو سکول :
 ساتھ قصبہ ہے اس کے قبرستان کے آپ نے دیکھا ہو گا یہ قصبہ شہر بنا اور کافی بڑا۔
 اس کا ایک کافی بڑا بازار بھی ہے جس میں ضروریات زندگی کی ہر شے میرے لوگ

کسی انسان کی نہیں تھیں اس نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا تاکہ اس کا بیٹا خوفزدہ نہ ہو لیکن اس کے دل کے اندر اس کی حیثیت نے اسے بتا دیا تھا کہ جتنی بارنے والی قوت کوئی غیر انسانی ہے اور قبرستان میں کوئی بڑا حادثہ بھی کھڑا کر سکتی ہے لہذا اسی وقت ہی اس نے متور کے اندر زیادہ بلکہ ضرورت سے زیادہ لکڑیاں ڈال دی تھیں جس وقت دستک ہوئی اس وقت گوردن کے فوراً اپنے بیٹے کو مخاطب کیا۔

اے میرے بیٹے اے میرے بچے دستک دینے والا کوئی ہمارا دشمن بھی ہو سکتا ہے اس وقت گاؤں سے کسی کے آنے کی امید نہیں ہے باہر بارش ہو رہی ہے۔ آندھیاں اپنے زور پر ہیں سردی اس قدر ہے کہ اس وقت بلا ضرورت کوئی گھر سے نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

میرے بچے میرے بیٹے اگر دروازے پر دستک دینے والا کوئی دشمن ہے تو ہم دونوں باپ بیٹے کو اس سے پھینکا ہو گا سن میرے بچے تیری ماں بیمار ہے اس وقت وہ گہری نیند سوئی ہوئی ہے خدا کا شکر ہے کہ قبرستان کے اندر اور اطراف میں جو جتنیں بلند ہوئی ہیں ان سے بھی وہ جاگ نہیں ہے میرے بچے میرے بیٹے مرا تجرہ بتاتا ہے کہ آنے والا ہمارا دوست نہیں دشمن ہے اور یہ ہے بھی کوئی غیر انسانی قوت میرے بیٹے میں نے اس متور میں لکڑیاں اس لیے زیادہ ڈال دی ہیں کہ اگر آنے والا ہماری جانوں کا دورپے ہوا تو جس وقت میں تمہاری طرف اشارہ کروں گا فوراً چلتی ہوئی لکڑیاں متور سے نکال کر اس آنے والے دشمن پر ٹوٹ پڑنا تمہارے ساتھ ہی ساتھ میں بھی ایسا کروں گا اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر دھیان رکھنا ہم نے نہ صرف اپنی جانوں کو بلکہ میرے بچے تمہاری ماں کی جان بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے اب تم یہاں سکون سے بیٹھو میں دیکھتا ہوں دروازے پر کون ہے اور دروازہ کھولتا ہوں۔

جن لوگوں نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا ہے ان کا کہنا تھا کہ اس موقع پر گوردن کا بیٹا اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا میرے باپ آپ بیٹھے رہیں میں دروازہ کھولتا ہوں اس پر گوردن نے زبردستی اپنے بیٹے کو متور کے پاس بٹھا دیا پاس ہی اس کی اپنی کھانا پڑی ہوئی تھی وہ اس نے اٹھائی اور مکان کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا اس دوران مزید دو تین بار دستک ہوئی تھی جن کے وسط میں آکر اس نے اپنی کھانا پڑی

گوردن کا مکان قبرستان کے اندر اکیلا ہے چاروں طرف کھلا علاقہ ہے لہذا اطراف سے اور اوپر سے کافی سردی پڑتی ہے سردی میں مکان برف کی طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہے گوردن بڑا سانا آدمی تھا اس نے مکان کو گرم رکھنے کے لیے ایک کمرے کے وسط میں چھوٹا سا ایک متور بنا رکھا تھا سراسر میں اس کے اندر لکڑیاں چلائی جاتی تھیں۔ جس سے دونوں کمرے خوب گرم رہتے تھے دونوں کمرے ایک دروازے کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔

کہتے ہیں جن دنوں سردی اپنے عروج پر تھی ان دنوں دونوں باپ بیٹا ایک کمرے میں بیٹھے جاگ رہے تھے ان کے سامنے متور میں آگ جل رہی تھی اور وہ اس میں اور لکڑیاں جھینک رہے تھے جیسا کہ میں بتا چکا ہوں گوردن کی بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ ساتھ والے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی۔ آندھیاں اور ٹکڑا چل رہے تھے کہ گوردن اور اس کے بیٹے کو یوں لگا جیسے کوئی قبرستان کے اطراف میں جیتھا ہو اس انداز سے جیسے کوئی زندہ انسان گویا بری طرح ہلاک کر دیا گیا ہو دو تین بار یہ جتنیں بلند ہوئیں اور پھر آہستہ آہستہ یہ جتن بالکل گوردن کے مکان کے قریب تر ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ کسی نے گوردن کے مکان پر زور دار دستک دی میں بتا چکا ہوں اس وقت تیز ہوائیں چل رہی تھیں بارش ہو رہی تھی سردی اپنے پورے عروج پر تھی۔

گوردن اور اس کا بیٹا قبرستان اور اس کے نواح میں جتنیں سن کر پریشان ہو رہے تھے اب جب کسی نے ان کے دروازے پر دستک دی تو ان کی وحشت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا دونوں باپ بیٹا اس لیے جاگ رہے تھے کہ بیٹے کی ماں اور اس کے باپ کی بیوی بیمار تھی اور جاننے کا مقصد یہ تھا کہ کمرے میں بیٹھ کر کمرے کو گرم بھی رکھیں تاکہ ساتھ والا کمرہ بھی گرم رہے جس میں اس کی بیمار بیوی پڑی ہوئی تھی اور اگر بیمار ضرورت کو کچھ تکلیف ہو یا کوئی چیز مانگے تو اس کی مدد کی جاسکے۔

مکان کے دروازے پر جب دستک ہوئی تو دونوں باپ بیٹا چلے تو سہم گئے بیٹا پندرہ سولہ سال کا ہو گا باپ کی عمر چلتی جاری تھی۔ لیکن تھا تو اتنا اور زور دار جس وقت قبرستان کے باہر جتنیں سنائی دی تھیں گوردن نے اندازہ لگایا تھا کہ جتنیں

کمر پر رکھتے ہوئے گورکن نے زور سے پکارا۔

کون ہے؟

گورکن کے اس سوال پر لڑائی کا نتیجہ تھمتھرتی اور دھیمی سی آواز سنائی دی میں ایک مسافر عورت ہوں سردی بارش اور طوفانی ہواؤں کی ماری ہوئی ہوں مزید سفر کرنے کے قابل نہیں آپ مجھ پر مہربانی کریں تھوڑی دیر صرف سستانے کا موقع دیر صبح ساریسے ہیں یہاں سے اپنی منزل کی طرف چلی جاؤں گی۔

گئے تھے دونوں باپ بیٹے نے یہ بھی دیکھا کہ اس عورت کے بچے پر ورنائیاں اور سرکئی تھمتھرتی تیار کاریاں تھیں اس کے فلت کدوں کے روزنوں جیسی آنکھوں کے اندر موت کا گہرا کرب اور سیال اجل لہجوں کا رقص تھا تھوڑی دیر تک دونوں باپ بیٹا اس عورت کی طرف دیکھتے رہے اس عورت کو بھی شاید یہ احساس ہو گیا تھا کہ دونوں باپ بیٹا بڑے عورت سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں لہذا اس کی آنکھوں میں موت رقص کر رہی تھی اس کے بچے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی پھر وہ اپنے بدن کو سینے لگی تھی جیسے وہ اٹھ کر ان دونوں پر حملہ آور ہوگی دونوں کو پتہ چلا کہ رکھ دے گی گورکن بھی بڑا سنا تھا۔

اس موقع پر گورکن نے عجیب سے انداز میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھا چونکہ اس بد بلا کی آمد سے پہلے گورکن اپنے بیٹے کو سارا معاملہ سمجھا چکا تھا لہذا دونوں باپ بیٹے نے نگاہوں ہی نگاہوں میں کوئی فیصلہ کیا پھر سب سے پہلے اس گورکن کا نو عمر بیٹا حرکت میں آیا حوڑ سے جلتی شیط برساتی ہوئی دو کڑیاں اس نے اٹھائی اور اس بد بلا کی طرف بڑھا عین اسی لمحہ وہ پزیرل اپنی جگہ سے اٹھی اور چاہتی تھی کہ گورکن کے لڑکے پر حملہ آور ہو لیکن اتنی دیر تک گورکن اپنا کام کر چکا تھا اس نے بھی جلتی ہوئی دو کڑیاں اٹھائی اور عین اس پزیرل کے پیٹھ اور پیٹھ کو اس نے بھلا کر رکھ دیا تھا گورکن اور اس کے بیٹے کے رد عمل کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان دونوں پر حملہ آور ہونے کی بجائے اس کمرے سے نکل کر صحن کی طرف بھاگی اس موقع پر گورکن نے مزید دافش مندی کا ثبوت دیا جو لکڑیاں اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیں وہ پھینک دیں اور کھلاڑا اٹھا لیا۔

پھر گورکن اس کے پیچھے بھاگا اور وہ بد بلا ابھی دروازے کے قریب پہنچی تھی کہ گورکن نے اپنی پوری قوت اور طاقت سے اپنا کھلاڑا اس کے شانے پر دے مارا تھا فضاؤں میں اس کی ایک ہواناک کرب خیز چرخ بلند ہوئی تھی پھر وہ پزیرل بھاگ گئی تھی

یہ پہنچن کر گورکن کی بیوی ساتھ والے کمرے سے بیہوش ہو گئی تھی دھماکی کے باوجود وہ بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی اور اس کا بیٹا دونوں اپنے کمرے میں واپس آچکے تھے کھڑائی گورکن نے صاف کر لی تھی اور چٹائی کے نیچے رکھ دی تھی

رات دیے ہی سرد تھی چونکہ کمرے میں تنو کے اندر کڑیاں خوب جل رہی تھیں کمرہ گرم تھا اچانک دونوں باپ بیٹا یعنی گورکن اور اس کا نو عمر بیٹا دنگ پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ جو عورت ان کے سلسلے دیوار سے ٹیک لگا کر چلتی رہی تھی اس کے پاؤں لٹے تھے گویا وہ پزیرل تھی اس خوفناک پزیرل کو اپنے کمرے میں دیکھتے ہوئے ایک بار گورکن اور اس کا بیٹا بیسینہ بیسینہ ہو

اس لیے کہ اس نے اپنی بیوی کو اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

گورکن کی بیوی جب اپنے بیٹے اور شوہر کے پاس آئی تو اس نے چیخ کے منتقل ہو چھا تو گورکن نے اسے یہ کہہ کر مال دیا یہ اس کا ہم ہو گا ہم دونوں باپ بیٹا یہاں تہماری خاطر بیٹھے ہوئے ہیں اگر جہیز کسی چیز کی ضرورت ہو تو تمہاری مدد کر سکیں بہر حال گورکن نے اپنی بیوی کو مطمئن کر دیا پر کہتے ہیں اس واقعے کے چند روز ہی بعد گورکن مر گیا اس کی موت وحشت اور خوف سے ہو گئی تھی اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا اس کی بیوی پر بستی چھوڑ کر چلے گئے کہاں گئے کسی کو کچھ پتہ نہیں۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد پھر رشید شاید کوئی اور واقعہ شروع کرنا چاہتا تھا کہ اس موقع پر اسکے ساتھی عبدالرحمان نے اسے تنبیہ سے انداز میں دیکھا جسکی وجہ سے وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا تھا۔ پھر عبدالرحمان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور نے ہیٹ سائزڈ بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

جواب آپ جھگے ہارے آئے ہیں آرام کریں خدا نے چاہا تو صبح آپ سے ملاقات ہو گی اس کے ساتھ ہی رشید اور چوکیدار سلطان خان بھی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے پھر وہ اللہ بخش کے کوارٹر سے نکل گئے۔

عبدالرحمان اور رشید اپنے کوارٹر میں آئے چوکیدار سلطان خان بھی ان کے ساتھ تھانیتوں ایک کمرے میں آکے بیٹھ گئے اس موقع پر عبدالرحمان نے بیزاری سے رشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

رشید یہ تم نے کیا جھوٹ اور بکواس بالٹنا شروع کر دیا تھا تم نے ڈاکو صادق کا جو حادثہ اور قصہ سنا یا وہ اپنی جگہ درست ہے ان رجوع کو تم نے بھی دیکھا میں نے بھی دیکھا سلطان خان بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے ہم نے ہی نہیں بلکہ بستی اور قصبے کے لوگ بھی ان رجوع کو دیکھ چکے ہیں تم جس وقت وہ واقعہ بیان کر رہے تھے اس وقت تو جلہ میں خوش تھا لین یہ تو تم نے گورکن کا واقعہ اپنے پاس سے چھلے بنا کر پیش کر دیا ہے اور دوسرا واقعہ جو تم نے سکول کے کنویں کا ذکر کیا ہے کہ ایک رات میں اور تم آ رہے تھے وہاں کنواں آپ ہی آپ چل رہا ہے آدمی نالی تک پانی آ رہا تھا اس کے بعد نالی بالکل خشک تھی جیسے کسی ماورائی قوت نے وہاں اپنا منہ رکھا ہو

اور پانی پنی رہی ہو یہ دونوں واقعات تم نے اپنے پاس سے گلو کر سنا دیے کیا کبھی ایسا ہوا بھی ہے۔

دیکھ رشید اس طرح تیری اپنی پی سکی ہو گی آنے والے ہیٹ سائز نے کم از کم تین ماہ یہاں رہنا ہے بستی میں بھی اس کا آنا جانا ہو گا یہ بستی والوں سے گورکن کے منتقل ہو چکے گا تو بستی والے جب تمہارے بتائے ہوئے واقعات کی نفی کریں گے تو یہ سوچو کہ اسکی نگاہ میں تمہاری کیا موت رہ جائے گی پھر جب یہ کنویں والا واقعہ بیان کیا جائے گا تب بھی بستی والے انکار کریں گے اس وقت بھی تمہاری ہی موت پر حرف آئے گا تم نے جو یہ واقعات اپنے پاس سے گلو کر سنا ہے میں ان کے حق میں نہیں ہوں

کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموش رہی اس کے بعد پھر رشید بول پڑا۔

عبدالرحمان میرے بھائی میں اس ہیٹ سائز کو ظاہری طور پر دیکھ چکا ہوں یہ اندہ بخش مجھے انتہائی بد مزاج خود حق قسم کا شخص لگتا ہے میں نے یہ واقعات گلو کر اسے اس لیے سنا ہے تاکہ یہ ان علاقوں میں خوفزدہ رہے کسی سے الجھنے یا کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے میرے خیال میں اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہوں گا۔

جہاں تک کنویں کے واقعے کا تعلق ہے تو وہ تمہارے اور میرے درمیان ہے بستی والوں کو اس کا علم ہی نہیں ہے بستی والوں سے جب وہ پوچھے گا تو بستی والے لا علی کا اظہار کریں گے تم سے پوچھے گا تو تم کہہ دینا ہاں میں رشید کے ساتھ تھا اور یہ واقعہ ہم دونوں کے ساتھ پیش آیا اس طرح میرا ایک واقعہ تو گور کو رہ جائے گا۔

رہی بات گورکن کی تو جہیز ہے کہ جہاں جھٹلے گورکن ہلاک ہو گیا تھا قبرستان میں ہی اسے کسی نے ہلاک کر دیا تھا اسکی ہلاکت کے بعد اسکی بیوی اس کا بیٹا یہاں سے چلے گئے اب یہ بات ہر کوئی اسے بتائے گا کہ گورکن قبرستان میں ہلاک ہو گیا اور اس کے بعد اسکی بیوی اور اس کا بچہ یہاں سے چلے گئے اب کسی کو کیا پتی ہے کہ اس ہیٹ سائز کو بتا رہے کہ گورکن کیسے ہلاک ہوا یا یہ واقعہ قبرستان میں رونما ہوا یا نہیں میرے خیال میں یہ شخص اتنی دور نہیں جائے گا میں جہیز بتاتا ہوں جو

واقعات میں نے اس کے سامنے کچے ہیں ان کا اس پر اثر ضرور ہو گا۔

جواب میں عبدالرحمان خاموش رہا تھا سلطان خان جو کہ اپنے کو اشرار کے اپنے کو اشرار کی طرف جلا گیا تھا عبدالرحمان اور رشید بھی اپنے اپنے بستر کی طرف چلے گئے تھے یہیں یہ بات آئی گئی ہو گئی تھی۔

○○○

وقت گزرتا چلا گیا آٹھ روز اللہ بخش نے اپنی ڈیوٹی، بیسے ماسٹر کی حیثیت سے سنبھال لی تھی یہ چند دنوں بعد سارے استادوں اور پڑھنے والے طالب علموں پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ اللہ بخش ابتدا دے کا محنتی اجتہاد دے کا قابل استاد تھا وہ پہلا استاد تھا جو بیک وقت انگریزی اور حساب پڑھاتا تھا دوسرے عموماً استادوں کو یہ دیکھا گیا ہے کہ جو استاد دسویں کو انگریزی پڑھاتا ہے۔ حساب نہیں پڑھا سکتا اور جو حساب پڑھاتا ہے وہ انگریزی سے پہلو تہی کر کے لکھتا ہے پر اس سکول کے استادوں اور طالب علموں نے دیکھا کہ ماسٹر اللہ بخش انگریزی اور حساب میں ایک جیسا بے مثال اور لا جواب استاد تھا۔

اللہ بخش کے ڈیوٹی سنبھالنے کے ایک ماہ بعد حالات نے تھوڑا سا رخ بدلا وہ اس طرح کہ ایک روز رشید احمد اور عبدالرحمان ایک کمرے میں بیٹھے آٹھ روز کے لمبے تیار کر رہے تھے باہر ات گہری ہونے لگی تھی۔ پھر اچانک فضاؤں میں طوفان کے سے آثار نمودار ہوئے آہستہ آہستہ ہر چیز دم ہوتی چلی گئی جیسے فضاؤں میں گرد و غبار اور کھر کا ملا جلا سا اثر پھیل گیا جو سکول کی عمارت کے اطراف میں ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے ریگستانی ویرانیاں چاروں طرف سرسراہٹ شاہ گاریوں کی طرح رقص کرنے لگی ہوں یا طاقت کوں کے روزنوں سے موت کا گرداب اور سیال اجل ٹھہرنے لگی ایک دم بھوت پڑے ہوں لمحہ بہ لمحہ ہوائیں طوفانوں کی سی صورت اختیار کرنے لگی تھیں پھر گرد و غبار کے جھڑا اپنے کھڑے ہوئے تھے اس کے ساتھ ہی سردی بھی تیز ہو گئی تھی یہ صورت حال دیکھتے ہوئے رشید اور عبدالرحمان دونوں نے کام بند کر دیا اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔

موسم کی بدلتی ہوئی صورت حال سے وہ دونوں پریشان ہو گئے تھے پہلے بھی

جب اس قسم کا موسم سکول کے اطراف میں ہوا کرتا تھا تو مارے جانے والے صادق ذکوہ کی روح کنہیں کے اطراف میں نمودار ہوتی تھی پھر ان دونوں کے دیکھنے ہی دیکھتے سسسیاں بھرتی ہواؤں نوحہ کرتے وقت ڈنگ بھرتے خوف و ہراس اور بے انت فضاؤں کے گنگناہٹوں میں وہی انقلاب رونما ہوا جو سانسوں کے اندر زیست کی ہر شے کو زہر آلود کر دیا کرتا تھا۔ کنہیں کے اطراف میں روہیں سفید بھولے کی طرح نمودار ہوتی تھیں کچھ روہیں بیول تھیں کچھ گھوڑوں پر سوار تھیں پھر جو روہیں گھوڑوں پر سوار تھیں وہ آپس میں ٹکرائے لگی تھیں پیچ و پکار اٹھتا ہوا تھا ایسا لگتا تھا جیسے موت چاروں طرف اپنے دست دراز کرتی ہوئی ہر شے کو اپنا شکار کرنے لگی ہو یہ صورت حال دیکھتے ہوئے عبدالرحمان اور رشید احمد سہم سے گئے تھے اس موقع پر سکول کا چوکیدار سلطان خان بھی اپنے کو اشرار سے نکل کر بھاگتا ہوا اس کمرے میں آگیا تھا جس میں عبدالرحمن اور رشید تھے اور تینوں کے ہرے تھے کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگے تھے۔

باہر تھوڑی دیر تک پیچ و پکار جاری رہی شور مچا رہا جیسے حالات کے طوفانوں اور راحت جان کے رخ مڑتے ہوئے بغض و عداوت اور تعصب کا سرسام اور تہذیب کا سرطانات اٹھ کھڑا ہو گیا تھا زندگی کی طویل راہ گرد پر رات کے وقت خون بکھرے لگا ہو روہیں پیچ و پکار کر رہی تھیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں آہستہ آہستہ یہ روہیں کنہیں سے پیچھے ہٹتے ہوئے سکول کے اطراف میں بھی پھیلنے لگی تھیں یہ صورت حال دیکھتے ہوئے عبدالرحمان رشید اور سلطان خان جو کہ اپنے آپ کو کھڑکی پر لگے ہوئے چھوٹے سے پردے کی اوٹ میں کر لیا تھا۔

کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا جیسے خود قریب زیست کے دوراہے دھواں ہوتے اندھیریوں کے بھنڈور اور بند لگی کی تاریکی میں آن کھڑے ہوئے ہوں اس کے بعد بالکل سکوت چھا گیا جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو ان تینوں کے دیکھنے ہی دیکھتے جس طرح روہیں فضا میں پھیلی ہوئی کھر اور گرد و غبار سے نمودار ہوئیں تھیں ایسے ہی وہ اس بھنڈور میں تحلیل ہو کر رہ گئیں تھیں۔

تھوڑی دیر تک وہ تینوں کھڑکی کے ساتھ کھڑے ہو کر ختم ہونے والے اس

راہ روکی تھی وہ تو بہارا موجودہ بیٹا ماسٹر اللہ بخش تھا تم نے بھی اسے پہچانا ہو گا۔ اور ماسٹر اللہ بخش کی طرف جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے کہاں ہے مجھے یہ شخص خطرناک لگنے لگا ہے اس پر تینوں جھانگتے ہوئے باہر نکلے وہ اللہ بخش کے کوارٹر کی طرف گئے تو اللہ بخش اس وقت باہر سے آ رہا تھا یہ صورت حال دیکھتے ہوئے تینوں اسہم گئے اس پر رشید نے ہمت کرتے ہوئے پوچھا۔

حساب آپ اس وقت کہاں سے آ رہے ہیں۔ باہر آپ نے دیکھا روحمیں کیسے نمودار ہوئی تھیں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار تھیں یہ وہی واقعہ ہوا ہے جس کی اطلاع پہلے میں نے آپ کو کر دی ہوئی ہے اس پر دھیے سے لےجے میں اللہ بخش کئے لگا۔

ایسے واقعات زندگی کا دھارا تو تبدیل نہیں کر سکتے تم جاؤ جا کر آرام کرو رات کافی جا رہی ہے اس کے ساتھ ہی اللہ بخش اپنے کوارٹر میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ رشید نے پھر پوچھ لیا بتناں آپ اس وقت باہر کیا کرنے گئے تھے جواب میں اللہ بخش نے غیب سے انداز میں رشید کی طرف گھورا کہنے لگا میں نیند نہیں آ رہی تھی تھوڑی دور باہر جھل قدمی کرنے چلا گیا اس کے ساتھ ہی وہ اپنے کوارٹر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا اور وہ تینوں بھی اپنے اپنے بستر میں جا کے ویک گئے۔

○○○

اس حادثے سے پندرہ دن کے بعد کا واقعہ ہے کہ جس بستی کا سکول تھا اس میں ایک شادی تھی جس میں اللہ بخش کے علاوہ عبدالرحمان اور سلطان کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ اللہ بخش نے اپنی طبیعت کی ناسازی کا ہونا کرتے ہوئے ٹال دیا تھا اور اس دعوت میں شریک نہیں ہوا تھا۔ عبدالرحمان رشید اور چوکیدار سلطان اس دعوت میں شریک ہوئے تھے دعوت کے بعد کافی رات گئے جب عبدالرحمان رشید اور سلطان خان اپنے کوارٹروں کی طرف لوٹے تو جس وقت وہ کنویں کے پاس آئے تینوں دنگ رہ گئے اس لیے کہ کنواں آپ سے آپ چل رہا تھا پانی نکل رہا تھا پانی کی وہ نالی جو کنویں سے نکلنے والے پانی کو سلسلے سمیت کے بہتے ہوئے لیے حوض میں گرا تھی تھی اس کے آدھے حصے تک پانی آ رہا تھا اگلی آدھی نالی بالکل خشک تھی اور اس حصے میں پانی

حادثے کو دیکھتے رہے براہِ اچانک پھر وہ چونک پڑے اس لیے کہ اچانک کنویں کے قریب ایک روح نمودار ہوئی تھی وہ گھوڑے پر سوار تھی ان تینوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ مرنے والے ڈاکو صادق کی روح تھی اٹھا مسخران کے سلسلے آیا وہ ان تینوں کو بلا دینے کے لیے کافی تھا اس لیے کہ گھوڑے پر سوار روح ایک جگہ آنے سے رکی اس کے سامنے سے ایک اور روح کچے اس طرح نمودار ہوئی جیسے وقت کے قدیم قصبے کھائیں میں کوئی غذا یوں کا شفا سوار بھولی بھری پرانی کتھاؤں کا کوئی نیا یافت کردار نمودار ہوا ہو آگے بڑھ کر اس پیدل روح نے گھڑ سوار کی باگ پکڑ لی تھی اور ایک باغہ بلند کرتے ہوئے اسے رک جانے کا کہا تھا ایسا لگتا تھا کہ وہ پیدل آنے والی روح اپنا باغہ فضاؤں میں بلند کرتے ہوئے گھوڑے پر سوار روح کو کچے کچہ رہی ہو پھر اچانک گھوڑے پر سوار روح ہی نے نہیں بلکہ روح پیدل تھی اس نے بھی اپنا رخ بدلا اب رشید احمد عبدالرحمان اور سلطان تینوں ان دونوں روحوں کے چہروں کو دیکھ سکتے تھے جو بھی ان تینوں نے ان کے چہروں کو دیکھا ان تینوں کی حالت گرد باد میں پھٹنے شکوں وقت کے ساگر کی جوش مارنی مودوں میں پھٹنے گیاؤں اور اجالا ڈھونڈتی پسپا شدہ امیدوں جیسی ہو کے رہ گئی تھی۔

انہوں نے دیکھا کہ جس روح نے گھوڑے کی باگ پکڑی تھی وہ خود نیا آنے والا استاد اللہ بخش تھا تینوں نے دیکھا کہ اللہ بخش سفید رنگ کا لباس پہنتے ہوئے تھا اس کی حرکات و سکنات بھی ایسی ہی تھیں جیسے وہ سکول میں کیا کرتا تھا۔ گو اللہ بخش کو آنے ہوئے ایک ہی ماہ ہوا تھا تاہم اس کی حرکات و سکنات سے رشید عبدالرحمان اور سلطان خوب آشنا ہو چکے تھے۔ ان تینوں نے جب دیکھا کہ جس روح نے گھڑ سوار کے گھوڑے کی باگ پکڑی ہے وہ اللہ بخش ہے تو ان پر ایک طرح سے سناٹا اور خوف ہوا اس طاری ہو گیا تھا پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں روحمیں فضاؤں میں تحلیل ہو گئی تھیں اور انہیں دکھائی دینی بند ہو گئی تھیں۔

اس موقع پر رشید نے عبدالرحمان اور سلطان خان کی طرف دیکھا اور کہہ شروع کیا۔
تم نے دیکھا یہ تو کوئی الٹا ہی معاملہ ہو رہا ہے۔ جس روح نے گھڑ سوار کو

کیفیت تو بیان نہیں کر سکتا میری اسی کیفیت یہ ہے کہ میں سونے جلگے کی کیفیت میں ہوں یا یہ کہ وقت کی تصویر میں مجھے دکھائی دینے والی چیزوں کے خدوخال نامکمل ہو گئے ہوں اس وقت میں اپنے آپ کو اگلی کے آشوب عبرت کی گھڑی میں کھڑا محسوس کرتا ہوں۔

رشید یہ حادثہ جو ہم تینوں کے ساتھ رونما ہوا ہے تم نے خود گھڑے اللہ بخش کے سلسلے پیش کیا تھا تاکہ تم اس واقعے کے ذریعے اللہ بخش کو خوفزدہ کر سکو اور وہ یہاں رہتے ہوئے اپنے روسیے میں نرمی اور لچک پیدا کرے لیکن یاد رکھنا تم نے تو صرف اپنی طرف سے یہ واقعہ گھڑے اللہ بخش کو پیش کیا تھا لیکن گلتا ہے اللہ بخش نے عملی طور پر ہمیں یہ واقعہ رات کے وقت جہاد پر ابھارا انھوں سے دیکھا دیا ابولو اس سلسلے میں جہاد کیا خیال ہے۔

عبدالرحمان کی اس گفتگو سے رشید جو کچھ تھا اور کہنے لگا تھا۔

عبدالرحمان اور سلطان خان دونوں مجھے غور سے سنو میں ہمیں یقین سے کہتا ہوں اللہ بخش کوئی انسان نہیں ہے کوئی انتہائی ماورائی اور خوف ناک طاقت ہے اس سے پہلے ہم تینوں نے دیکھا اس جیسی روح نے رات کے وقت گھوڑے پر سوار روح کی باگ کو کھڑا تھا میں اس وقت بھی اسکے متعلق تذبذب اور پریشانی کا شکار تھا بہر حال میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا لیکن اب جبکہ جو واقعہ میں نے اس کے سلسلے گھڑے کے پیش کیا تھا یہ واقعہ عملی صورت اختیار کر گیا ہے میں سمجھتا ہوں یاد رکھنا اللہ بخش سبہ چنہ قاتلوں کا مالک ہے یہ انسان نہیں ہے۔

عبدالرحمان نے چونکہ اس وقت تک اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا لہذا مسکراتے ہوئے کہنے لگا جہاد مطلب یہ ہے صرف انسان نہیں بلکہ ماسٹر ہے۔

اس موقع پر رشید سنا گھوڑے کے انداز میں عبدالرحمان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا عبدالرحمان مجھے ملوث سوچتی ہوئی ہے میں سبہ حد کشیدہ ہوں میں اس اللہ بخش کے متعلق بڑا فکر مند ہوں وہ کسی بھی وقت ہم تینوں کی جان بھی لے سکتا ہے بس میرے لیے اب سب سے بڑی اذیت کا معاملہ یہ ہے کہ جو واقعہ میں نے اس کے سامنے گھڑے کے پیش کیا وہ عملی صورت کیسے اختیار کر گیا اس پر عبدالرحمان نے اسے بازو سے

کا ایک قطرہ بھی اس حوض میں نہ چا رہا تھا جس کے کنارے بیٹھے کے حورتیں کھڑے دھویا کرتی تھیں اور جانور پانی پیا کرتے تھے وہ تینوں رنگ رہ گئے۔ ایسے لگتا تھا کہ کنوئیں سے نکلنے والا پانی آدھی نالی تک جا رہا ہو اور آدھی نالی کے بعد کسی ماورائی قوت نے وہاں منہ رکھا ہو اور کنوئیں سے نکلنے والا سارا پانی ہی رہی ہو۔

یہ واقعہ رشید نے سنے آنے والے ہیڈ ماسٹر اللہ بخش کو ڈرانے کے لیے خود ہی گھڑا تھا لیکن وہ اس حادثے کو اب عملی طور پر دیکھ رہے تھے اس موقع پر عبدالرحمان رشید کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے تذبذبات کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ چلتا ہوا کنوئیں آپ سے آپ رک گیا وہ صورت حال ان تینوں کے لیے مزید خوفزدہ تھی وہ ابھی تذبذب اور وحشت کی حالت میں کھڑے تھے کہ اچانک کنوئیں سے نکلنے والی نالی اور اس لمبی حوض کے درمیان جو فاصلہ بنا ہوا تھا جس میں لوگ نہاتے تھے اس میں سے اچانک ماسٹر اللہ بخش نکلا تھا ماسٹر اللہ بخش کو دیکھتے ہوئے عبدالرحمان رشید اور سلطان خان سردی کے باوجود ہسیدہ پسینہ ہو گئے تھے ان کے چہرے چھوٹ گئے تھے چہروں پر ہوا سیل اڑنے لگی تھیں اس موقع پر اپنا خوف ہراس دور کرنے کے لیے رشید نے اللہ بخش کو مخاطب کیا۔

سر آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں۔ اس پر اللہ بخش نے بے پروائی سے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

میں یہی نہیں کنوئیں کی طرف آیا تھا تھوڑی دیر تک باہر گھومتا رہا اور پھر اس غسل خانے میں آیا اور انھوں پر چھینٹتے دیتے اور اب اپنے کوارٹر کی طرف جاؤں گا۔ اسکے ساتھ ہی مزید گفتگو کے بغیر وہاں سے بنا اور اپنے کوارٹر کی طرف چلا گیا تھا۔

وہ تینوں کنوئیں کے قریب اس طرح کھڑے رہے جیسے خاموشی کے صحرائوں میں چپ کے نخل کھڑے رہتے ہیں ان کے ہونٹوں پر ہرے لگ گئے تھے۔ گویا کسی انتہائی قوت نے انہیں خون کی تجارت میں ملوث کر دیا ہو پھر سب سے پہلے عبدالرحمان سنبھلا اور اپنے پہلو میں گم سم اس فکرمند کھڑے رشید کو مخاطب کیا۔

رشید گلتا ہے کبھی کبھی ہجر تینوں کو سرسبز فصلوں کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی دلول پیتے جو پھر شرر بار بھی جاتے ہیں میں اس وقت تم دونوں کی

ارہا پھر رحمت الہی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

جواب اللہ بخش نام کے جس استاد کی بطور ہیڈ ماسٹر یہاں عارضی تقرری ہوئی اگر وہ اللہ بخش عائنی فاضل کا شکار رہا اور وہ اب بھی ڈیوٹی جوائن کرنے کے قابل ہے اور ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق وہ اپنے گھر میں آرام کر رہا ہے تو میں آپ کو چھٹا ہوں وہ اللہ بخش کون ہے جو گرفتار تین ماہ سے یہاں اس سکول میں پڑھا رہا ہے۔

جہاں تک موجودہ اللہ بخش کی قابلیت کا تعلق ہے اسکا جواب نہیں میں نے تاکم ایسے پیچر دیکھے ہیں جو انگریزی اور حساب دونوں میں یکساں ہوں ورنہ دیکھا گیا ہو ہیڈ ماسٹر دوسروں کو انگریزی پڑھاتا ہے وہ حساب نہیں پڑھاتا اور جو حساب پڑھاتا وہ انگریزی کے نزدیک نہیں جاتا اللہ بخش نام کا جو استاد یہاں آیا ہے وہ ماہر استاد ہے اور انگریزی اور حساب دونوں پر یکساں عبور رکھتا ہے اور وہ خود تین ماہ تک نوں مضامین دسویں جماعت کو پڑھاتا رہا ہے میں سمجھتا ہوں اس نے ہمارے سکول دسویں جماعت کے طلباء کی کاپی پلٹ کر رکھ دی ہے۔ رشید کے اس انکشاف پر نعمت الہی خیالوں میں گھو گیا تھا پھر وہ دھیمی سی آواز میں کہنے لگا۔

ایسا استاد ایک ہی تھا اور وہ اللہ بخش کا باپ مولا بخش تھا مولا بخش جیسا بتا میں نے آج تک نہیں دیکھا وہ ہیڈ ماسٹر تھا میں اس کے ساتھ سینکڑے پیچر تھا اور میں میڈ اس جیسے لائق اس جیسے قابل پیچر پر فخر کرتا تھا دیکھو رشید اگر تم مذاق کر رہے ہو یہ مذاق ٹھیک نہیں ہے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم مجھے یہ توقف بناد گے تو میں بے قوف بننے کے لیے تیار نہیں اس لیے کہ میں پہلے خود اللہ بخش کے گھر گیا تھا اس نے مجھ سے معذرت کی کہ میری غیر موجودگی میں وہ اس سکول کو جوائن نہیں کر سکا وہ پہلے نسبت کافی کمزور اور لاغر ہے۔ میں جہیں پہلے جاتا چکا ہے کہ میں اللہ بخش کو کافی مانا جاتا ہوں اس لیے کہ میں اس کے باپ مولا بخش کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔

رحمت الہی کے اس انکشاف پر رشید نے وہ سارے حالات وہاں کھڑے ہی لڑے رحمت الہی کو بتا دیتے تھے جو تین مہینوں کے دوران پیش آئے تھے کہ ڈیوٹی وائس کرنے کے لیے کس طرح اللہ بخش کافی راست گئے برستی بارش میں آیا اس رات

بیکر کر کھینچے ہوئے کہا آؤ پہلے کوارٹر میں چلتے ہیں اسکے بعد سوچتے ہیں کیا معاملہ ہے اگر پڑتینوں اپنے کوارٹر میں کی طرف چلے گئے تھے۔

۰۰۰

پان گزرنے لگے یہاں تک کہ سکول کا اصل ہیڈ ماسٹر رحمت الہی جج سے لوٹ آئے جس وقت رحمت الہی کا ٹانگہ جس میں وہ سوار ہو کر آیا تھا سکول کے کوارٹروں میں پائس آکر رکا سب سے پہلے کوارٹروں سے نکل کر سلطان خان رشید احمد اور عبدالرحمن نے رحمت الہی کو جج کی مبارک باد دی رحمت الہی جب تینوں سے ملے چکے تھے تب شکوے کے انداز میں رشید کہنے لگا۔

جواب آپ کی غیر موجودگی میں نے ہیڈ ماسٹر نے سکول کے کوارٹر ہی میں کونویں کے آس پاس بھی خوف پراس کھڑا کر دیا ہے اس پر رحمت الہی نے چونک کر پوچھا۔

کونسا نیا ہیڈ ماسٹر رشید فوراً کہنے لگا وہی اللہ بخش ہے آپ کی غیر موجودگی میں حکم تعلیم نے یہاں ہیڈ ماسٹر بنا کر بھیجا تھا۔ اس پر رحمت الہی عجیب سے انداز میں رشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

رشید تم خوابوں میں تو زندگی بسر نہیں کرتے میں دو تین ہونے جج سے اور کے آیا ہوں اللہ بخش نے تو اس سکول کو جوائن کیا ہی نہیں جس وقت اس کی عارضی تقرری کے احکامات اس سکول کے لیے جاری ہوئے تھے اس سے پہلے ہی وہ بیمار اسے عائنی فاضل ہو گیا تھا ابھی وہ چلتے پھرنے کے قابل نہیں ہے شہر کے ایک اسپتال میں داخل تھا اب فاضل سے تو وہ نجات پا چکا ہے لیکن گھر میں ڈاکٹروں نے اسے آرام کرنے کے لیے کہا ہے وہ میرا پرانا جاننے والا ہے اس لیے کہ وہ میرے بڑا دوست کا بیٹا ہے میں اس سے مل کر رہا ہوں تم کہتے ہو کہ اس نے ڈیوٹی جوائن کر ہے وہ یہاں تو آیا ہی نہیں تھا بلکہ وہ مجھ سے معذرت کر رہا تھا۔ کہ میری غیر موجودگی میں وہ سکول کو جوائن نہ کر سکا اور تم کہتے ہو کہ میری غیر موجودگی میں اللہ بخش ڈیوٹی جوائن کر کے خوف و ہراس پھیلا رکھا ہے یہ تو ہو کہ یہ کیسا خوف و ہراس رحمت الہی کے اس انکشاف پر رشید خوفزدہ ہو گیا تھا توڑی درنگ وہ گم گم اور

جنتاب وہ ہے اللہ بخش استاد جس کا ہم نے آپ سے ذکر کیا تھا اس بابہ ۔
نی تیری سے آگے جانتے تھے تاکہ آگے جانے والے استاد اللہ بخش کو جاہیں اس وقت
رج عروب ہو گیا تھا اس پاس کی بستیوں میں مغرب کی انہیں ہونا شروع ہو گئی
ہیں۔

چاروں آگے بڑھتے ہوئے جب قریب گئے تو رشید نے زور سے پکارا اللہ بخش
رحمت سینے رحمت الہی آگے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔
رشید کے اس طرح پکارنے پر اللہ بخش نے لمحہ بھر کے لیے رک کر اور پیچھے مڑ
دیکھا اس کا پیچھے مڑ کر دیکھنا تھا رحمت الہی دنگ رہ گیا تھا۔ تمھاری دیر تک وہ سکتے
ہے عالم میں کھڑا رہا اور غیب سے انداز میں اللہ بخش کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ زور زور
سے پکارنے لگا مولا بخش مولا بخش میرے بھائی رکو۔

اللہ بخش جب رحمت الہی نے مولا بخش کہہ کر پکارا تھا وہ رخ مڑتا ہوا پھر چل
اٹھا ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سکول کی عمارت کا موڑ مڑا اور دوسری دیوار کی طرف
لیا رحمت الہی عبدالرحمان اور رشید اور چوکیدار سلطان خان اسکے پیچھے بھاگے تھے
نہت الہی زور زور سے پکار رہا تھا مولا بخش مولا بخش میرے بھائی رکو۔

جب وہ موڑ مڑ کے سکول کی دیوار کے دوسری طرف آئے تو انہوں نے دیکھا
اس کچے بھی نہ تھا نہ مولا بخش تھا نہ اسکا سایہ یہ صورت حال دیکھ کر رحمت الہی
وڑی دیر تک اپنی جگہ جھڑکی طرح دم بہ خود کھڑا رہا پھر اسنے ایک گہری نگاہ اپنے
اسنے کمرے عبدالرحمان رشید احمد اور سلطان خان پر ڈالی اسکے بعد وہ ایک دیکھ کر ایک
ب میں کہنے لگا۔

میرے عزیز بھائی اللہ بخش نہیں تھا اللہ بخش کا باپ مولا بخش تھا وہی استاد مولا
بخش جو اس سے پہلے یہاں اس سکول میں ہی ماسٹر تھا وہی استاد مولا بخش جس نے
کو صادق کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسے ایسا درس دیا کہ صادق گرا ہی کو چھوڑ کر
اور راست کی طرف گیا تھا میں سمجھتا ہوں یہ مولا بخش نہیں تھا بلکہ اس کی روح تھی آہ
ولا بخش کاش تم تمھاری دیر رسکتے میں تم سے گفتگو کر سکتا میں نہیں مخاطب کر سکتا

ہم نے دیکھا کہ بارش کے باد جو اس کا لباس خشک تھا پھر اسنے یہ بھی بتایا کہ کیسے
حسب معمول جب روئیں نمودار ہوتی ہیں۔ تو اس بار تو روح آگے بڑھ کر گھر سوار
روح کی باگ پکڑتی تھی اس نے ان کی طرف اپنا چہرہ کیا اور وہ چہرہ بالکل نئے آسنے
والے استاد اللہ بخش کا تھا اس کے بعد اس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ کیسے اللہ بخش کو
ڈرانے دھمکانے کے لیے اس نے ایک واقعہ گھڑا اور پھر کافی رات گئے انہوں نے اس
واقعہ کو عملی صورت میں بھی دیکھا اور رحمت الہی پر یہ بھی انکشاف کیا کہ یہ سارے
واقعات اس نے اللہ بخش کی ہمد مزائی دیکھتے ہوئے بیان کئے تھے تاکہ وہ یہاں رہتے
ہوئے خوف زدہ رہے اور لوگوں پر سختی نہ کرے۔

رحمت الہی رشید کی گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھے والے کو اس
نے فارغ کر دیا آگے بڑھ کر چوکیدار سلطان خان نے اس کا سامان اٹھایا تھا رحمت الہی
عبدالرحمان اور رشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا چلو پھر تمھارے اس استاد اللہ بخش
کی طرف چلتے ہیں میں دیکھتا ہوں وہ کون ہے جو میری غیر موجودگی میں از خود ہی ڈیوٹی
سنبھالے رہا اس پر رشید اور عبدالرحمان دونوں رحمت الہی کے ساتھ ہوئے تھے
سلطان خان سامان اٹھائے ان کے پیچھے پیچھے تھا۔

جب چاروں اللہ بخش کے کوادر کے سامنے گئے تو کوادر کا بیرونی دروازہ کھلا
ہوا تھا چاروں دروازے پر دستک کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے کچھ وہ اس کمرے میں
گئے جس میں اللہ بخش سویا کرتا تھا۔ وہاں مسبری تو لگی ہوئی تھی پر اس پر کوئی بستر نہ
تھا یہ صورت حال دیکھتے ہوئے رشید اور عبدالرحمان پریشان ہوئے دوسرے کمرے میں
گئے وہ بھی خالی پڑا ہوا تھا انہوں نے یہ بھی دیکھا اللہ بخش کا سامان بھی وہاں نہیں تھا
جو وہ برستی بارش میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اس پر رشید اور عبدالرحمان دونوں باہر
بھاگے رحمت الہی ان کے پیچھے پیچھے تھا سلطان خان بھی تمام سامان رکھنے کے بعد ان کے
پیچھے بھاگ پڑا تھا۔

جب وہ چاروں بھاگے ہوئے باہر نکلے تو دنگ رہ گئے انہوں نے دیکھا اللہ
بخش اپنے ایک ہاتھ میں سرخ رنگ کا چڑے کا ایک بڑا بیگ اٹھائے آہستہ آہستہ او
سکون سے چلتا ہوا مخالف سمت جا رہا تھا اسے دیکھتے ہی رشید نے رحمت الہی کو مخاطب

تم سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکتا مولا بخش تمہیں دیکھ لینا تم سے گفتگو کرنا بھی ایک سعادت ہے اس کے ساتھ ہی رحمت الہی مزاح گردوں جھکائے اپنے کو اڑی طرف ہو لیا تھا۔ رشید عبدالرحمان اور سلطان خان بھی انتہائی دکھ اور پریشانی میں اپنی گردنیں جھکائے رحمت الہی کے پیچھے جا رہے تھے۔

اسلم راہی

ایم۔ اے

محلہ غریب پورہ کجرات

ہماری مطبوعات

قیمت 140

اسلم راہی

1 - بازگشت

ایم - 1

140

..

2 - کھنکول قضا

140

..

3 - گرداب

199

..

4 - صلیب کے بھنور

196

..

5 - ملکہ زنوبیا

196

..

6 - پیاسا صحرا

160

..

7 - علاؤ الدین خلجی

160

..

8 - خانہ بدوش

160

..

9 - ہیلن آف ٹرائے

170

..

10 - الپ ارسلان

زیر طبع

..

11 - نیل کی ناگن

زیر طبع

..

12 - بلے زید یلدرم

زیر طبع

..

13 - ناصر الدین محمود

زیر طبع

..

14 - رومیں جو دیکھی گئیں

زیر طبع

..

15 - گل گامش

زیر طبع

..

16 - یروشلم کی ساحرہ

عمارت پبلیکیشنز غریب پورہ گجرات